

UNIVERSITY OF HYDERABAD
LIBRARY
HYDERABAD (A. P.)

Cl. No.....

Acc No. _____

DATE DUE

DURATION OF LOAN - Not later than the last date stamped below, failing which fine as per Library Rules will be charged,

not	Reference Book	
	for Circulation	

گلشنِ منہ

مشہور شعراءِ اردو کا ایک تذکرہ

✓ جس کو
میرزا علی، متخلص بلف

نے، بعد مارکوس آٹن ویلینی گورنر جنرل ہند، اردو کے مشہور سرپرست مشر جان گلکرسٹ کی
فرائض سے، علی براہیم خاں کے فارسی تذکرہ گلزارِ براہیم سے، مع اصناف کے اردو زبان میں
جو آج سے ایک سو پانچ برس پیشتر کی سادہ اردو نثر کا ایک عمدہ نمونہ ہے،

۱۸۰۱ء
میں تصنیف کیا، اور

۱۹۰۶ء
میں

شمس العلماء مولوی شبلی کی تصحیح توشیح اور مولوی عبدالحق حنا بی۔ اے
کے ایک عالمانہ مقدمہ کے ساتھ، اردو زبان کی خدمت کے لئے
عبد اللہ خاں نے حیدر آباد دکن سے شائع کیا

اور
دارالاشاعت پنجاب
کے

رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں چھپا

Acc. No 6816

ویدی کیشن

ہزار کیلنسی مہاراجہ سیمین السلطنت
بہادر وزیر اعظم دولت آصفیہ کو چوں کہ
اردو زبان سے ایک خاص دلچسپی ہے
اور آپ خود بھی اردو زبان کے ایک
ممتاز مصنف اور بلند پایہ شاعر ہیں،
لہذا یہ کتاب جناب کے نام نامی پر
ڈیٹیکٹ کی جاتی ہے۔ ❖

گر قبول افتد زبے غر و شرف

خاکسار
عبداللہ خاں حیدر آباد کن

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۳۵	کلیم، شیخ محمد حسین	۱۰۲	دوام، رائے سرب سنگھ
۱۳۶	باب اللام	۱۰۳	باب التین
۱۳۶	لطف، میرزا علی، مصنف	۱۰۳	سودا، میرزا محمد رفیع
۱۳۶	تذکرہ خواجہ	۱۰۳	سودا، سید میر
۱۳۶	باب الیم	۱۰۳	سجاد، میر سجاد
۱۳۶	میر، میر محمد تقی	۱۰۳	باب الشین
۱۳۶	منظر، میرزا جان جاناں	۱۰۳	شورش، میر غلام حسین
۱۳۶	مضمون، شیخ شرف الدین	۱۰۳	باب الصاد
۱۳۶	مخلص، مخلص علی خاں	۱۰۳	ساز، نظام الدین
۱۳۶	مزدوب، میر غلام حیدر	۱۰۳	باب الضاد
۱۳۶	مصطفیٰ، غلام جہانی	۱۰۳	حنیا، میر شہداء الدین
۱۳۶	محبت، نواب بہت خاں	۱۰۳	باب الحین
۱۳۶	منت، میر قمر الدین	۱۰۳	عزت، سید عبدالولی
۱۳۶	باب اللون	۱۰۳	عشش، شاہ رکن الدین
۱۳۶	تاجی، محمد شاکر	۱۰۳	عیش، میرزا محمد کی
۱۳۶	ضمیمہ، ضمیمہ اللہ	۱۰۳	باب الفاء
۱۳۶	باب الواو	۱۰۳	قبر، میر شمس الدین
۱۳۶	ولی، شاہ ولی اللہ وکنی	۱۰۳	فتاں، اشرف علی خاں
۱۳۶	ولی، میرزا محمد ولی	۱۰۳	فرخت، شیخ فرخت اللہ
۱۳۶	باب الہاء	۱۰۳	فردی، میرزا محمد علی
۱۳۶	ہدایت، شیخ ہدایت اللہ	۱۰۳	باب القاف
۱۳۶	باب الیاء	۱۰۳	قائم، شیخ محمد قایم
۱۳۶	یقین، افغان اللہ خاں	۱۰۳	قدت، شاہ قدت اللہ
۱۳۶	یکرنگ، مصطفیٰ علی خاں	۱۰۳	باب الکاف

پبلشر کی التماس

۱۲۷۱ھ ہجری کے موسمِ بہار میں پائے تختِ حیدر آباد کی شہرِ ندی میں اچھو مصباحِ شہر کے سچے بھتی چلی گئی ہے، ایک عظیمِ نشانِ سیلاب آیا۔ اس سیلاب سے لاکھوں روپے کا نقصان ہوا، اور کچھ لوگوں کو بہ مصداقِ توحید خراب شد و غائے خدا گرد و غائے خدا بھی پہنچا۔ لیکن اس طوفان کی سب سے بڑی اور مفید یا دگار یہ تذکرہ ہے، جو پبلک میں پیش کیا جاتا ہے۔ اگر سیلاب نہ آتا تو اس سمندرِ زمین سے اس علمی چشمے کا بہنا ممکن نہ تھا۔ یہ سیلاب جہاں آؤ رہا اسی چیزوں کو سچے ساتھ لایا، وہاں کسی آفتِ زدہ کا ایک کتب خانہ بھی ہمالایا، اور اُس میں یہ تذکرہ بھی تھا۔ پبلک میں یہ آپ آدر و کتابیں کوڑیوں کے داموں ملیں، اور یہ تذکرہ ہمارے کرم فرما، مولوی غلام محمد صاحب مددگار کینٹ کونسل دولتِ آصفیہ کے ہاتھ لگا، انہوں نے علامہ شبلی کو دکھایا۔ علامہ موصوف نے اس کو بہ رضہ غایت پسند کیا، اور انجمنِ ترقیِ اردو کی طرف سے شائع کرنے کا قصد کیا، لیکن انجمن اپنی پیچ و پیچِ طرزِ عمل کی وجہ سے اس کو نہ چھاپ سکی۔ اور علامہ موصوف نے ہم کو اُس کے شائع کرنے کی رستے دی اور خود اُس کے اڈٹ کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ علامہ موصوف نے اس کی تصحیح بھی کی، اور اُس پر کچھ نوٹ بھی لگائے، جو مجھ پر چھاپ دیئے گئے ہیں۔

اس تذکرے کی معنوی خوبیاں، اور تاریخی حیثیت سے اُس کی اہمیت، اُس مقدمے سے ظاہر ہوگی جو ہمارے کرم فرما مولوی عبدالحق صاحبِ بی۔ اے، پرنسپل مدرسہ آصفیہ حیدر آباد نے ہماری فرمائش سے اس تذکرے پر لکھا ہے جس میں اُنہوں نے اردو زبان کی نشو و نما کی تاریخ اور اُس کی قدیم تعصبات کا بیان اور تذکرہ ہذا کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب کو ہر ہی نہیں لکھنے میں جو قاصد ملکہ ہے، اُس کو تمام اردو داں پبلک جانتی ہے، کہ وہ کس خوبی سے اس اہم کام کو انجام دیتے ہیں، اس لئے ہم بخیر شکرِ شے کے اقد زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

ہمیں مولوی غلام محمد صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے، جنہوں نے اپنی علمی بیامنی سے، یہ کتاب ہم کو چھاپنے کے لئے دی اور کئی سال تک ہمارے پاس رہی۔ علامہ شبلی بھی خاص شکریئے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی عنایت سے اُس کی تصحیح اور ترقی میں اپنا وقت صرف کیا۔ اس کتاب کے چھپوتے میں خاص اہتمام کیا گیا ہے، اور سچی اور مکان اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کا ایک حرف بھی چھوٹنے نہ پائے، البتہ صرف اتنا تعریف کیا گیا ہے کہ میر، سودا، درد اور صنف کا نمونہ کلام، جو اس تذکرے میں نہایت کثرت کے ساتھ درج تھا، اُس میں سے صرف عمدہ نمونہ چن لیا گیا ہے، اور اس خدمت کو بھی مولوی عبدالحق صاحب کے ذہن سلیم نے انجام دیا ہے۔ اس کے سوا اس میں اور کوئی تعریف نہیں کیا گیا بلکہ مقدمے اور نوٹوں سے اُس کو اور زیادہ محض معلومات بنایا گیا ہے۔ جس کی قدردانی کی پہلک سے اُمید کی جاتی ہے۔ اگر پہلک اُس کی قدردانی کی تو ہم بہت جلد اور مفید علمی کتابوں کے شائع کرنے کے قابل ہو سکیں گے جو انگریزی اور عربی سے ترجمہ کی گئی ہیں۔

عبد اللہ خاں

کتب خانہ تصنیف { کتب خانہ دکن
۱۶ نومبر ۱۹۰۶ء

میں لکھا تھا؛ اور اس کا نام کلزرا ایما سیم رکھا تھا۔ کوئی بارہ برس کی محنت میں ۱۱۹۵ھ ہجری مطابق ۱۷۸۱ء عیسوی میں جا کر ختم ہوا۔ اتفاق سے یہ تذکرہ اردو کے بڑے قدردان ادمن، مسٹر گلکرسٹ کی نظر سے گزرا۔ انہوں نے مولف تذکرہ ہذا سے فرمائش کی کہ اگر اس کا ترجمہ سلیس اردو میں ہو جائے تو بہت خوب ہو۔ ان کا منشا اس سے یہ تھا کہ انگریزی بھی اسے پڑھ سکیں، اور ان میں اردو زبان اور شاعری کا ذوق پیدا ہو جائے۔ اس طرح یہ کتاب اردو میں لکھی گئی۔ لیکن یہ مدبھنا چاہئے کہ یہ ترجمہ ہے، بلکہ ترجمہ ہے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے، حالات میں بھی اور کلام میں بھی، جس سے بالکل نئی صورت پیدا ہو گئی ہے اور ایک تالیف کی حیثیت ہو گئی ہے +

یہ تالیف اُس زمانے میں ہوئی جب کہ دلی میں شاہ عالم بادشاہ اور لکھنؤ میں نواب سعادت علی خاں رونق بخش مندر حکومت تھے۔ بادشاہ تو ایک بے بسی اور بے کسی کی حالت میں تھے، اور نام کے بادشاہ رہ گئے تھے؛ البتہ پورب کی طرف سے ایک جھلکی دکھائی دی۔ دلی کے اہل کمال اپنے وطن سے منہ موڑی ہوئے۔ یہ قدر دانی کے بھوکے تھے، قدر ہوتے جو دیکھی تو دلیں کے ہو رہے۔ جبکہ زیادہ شاعری کا ہنگامہ گرم تھا۔ بچہ شاعری کا دم بھرتا تھا۔ ادھر کے اساتذہ جو پیچھے تو انہوں نے دو رنگ جایا کہ سب رنگ پھیکے پڑ گئے۔ یہاں تک کہ نواب سعادت علی خاں جیسا مالی دلیق، جتین، متکلم، اور کام کرنے والا شخص بھی اس کے اڑ سے نہ بچا۔ باوجود اس کے انشاء اللہ خاں نے جو ہزر پھلوں کا ایک پھل لکھا، آخر انہیں اپنی گوں نہ دیکھ کر کہہ ہی دیا۔

”میں ہوں ہنسلو تو ہے قطع میرا تیرا لکھنؤ“

کتے ہیں کہ یہ اردو شاعری کے عروج کا زمانہ تھا۔ بیشک، لیکن یہ ایک ایسا عروج تھا جس کے ایک رخ پر عروج اور دوسرے رخ پر زوال کی تصویر نظر آتی تھی۔ عروج تو اس لئے کہ زبان روز بروز نغمتی جاتی تھی اور مصنفات اور شہستہ ہوتی جاتی تھی، اور زوال اس لئے کہ فن شاعری میں صرف فارسی والوں کی تقلید کی جاتی تھی اور تقلید بھی ناقص۔ اس کے بعد اردو لوگ جو پیدا ہوئے وہ بھی اسی ڈگر پر ہوئے۔ شاعری بس اسی کا نام رہ گیا تھا کہ ہندش چست ہے، تافنے کو بھی طرح بنادیا

ایک آدھ عاصہ آگیا، کسی نئی یا سنگسرخ زمین میں غزل کہ دی، کبھی کبھار ڈھلے ڈھلے سال موسال
 میں کسی نئی تشبیہ یا استعارے کا استعمال ہو گیا، بارہ مضمون، سو خدا کے فضل سے اس میں برکت
 ہی برکت تھی، ادب اب بھی وہی حال ہے۔ مضمون تو مضمون تشبیہات تک مقرر ہیں، ادب اب بھی ایک
 وہی استعمال ہوتی ہوئی آتی ہیں۔ کسی نئی تشبیہ کا لکنا بڑی پیمادہی اور ہمت کا کام ہے، کیوں کہ
 بحکتہ سخن شاعر اس کے لئے سب طلب کرتے ہیں۔ جیسے کوئی قانون اس کسی فوجدی جرم
 میں تعزیراتِ مہنہ کی دفعہ تلاش کرتا ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ان شعرا کی محنت سے نیا
 صاف ہو گئی، لیکن اپنی شاعری کی طرح شعر کے رو گئی، اور جو صرا کہ ہمارے نظر کو شرا نے اس
 گرد بانعہ دیا تھا اس سے آگے قدم نہ رکھ سکی۔ اس سے بڑھ کر کچھ دو ہونے کی آواز کیا ویل ہو سکتی
 ہے کہ شاعری کا دعویٰ ہے، اردو کے استاد ہیں۔ مگر خط و کتابت فارسی میں کرتے ہیں، دیوان لکھ
 ہے، مگر مقدمہ فارسی میں لکھا ہے۔ کوئی معاملہ اُٹھا اظہارِ مطلب فارسی میں ہوتا ہے اردو میں نہیں،
 کسی طبیکے پاس جائے سفر فارسی میں ہے (ادبیہ اب تک رائج ہے)، سرکاری دفاتر میں بھی
 رائج ہے یہاں تک کہ خط کی مشق کے لئے بھی شعر لکھے جاتے ہیں تو فارسی، اب اردو کو وسعت
 ہو تو کیوں کر۔

لیکن ایک قوم جو سات سہند پاد سے آئی تھی، اور جس کا تسلط اس وقت ہندوستان پر اس طرح
 بڑھتا چلا جاتا تھا، جیسے سادوں بھاؤں کی گھٹا آسان پر چھا جاتی ہے، اس نے ایدو کی وسیع
 کی۔ اور وہ اس لئے کہ ہندوستان سے واقع ہونے اور یہاں کی مذہب و سوسائٹی میں ملنے جلتے
 کے لئے اس کا جاننا ضروری تھا۔ دوسرے یہ زبان ریاست کی گود میں ملی تھی، جہاں جہاں اس
 وقت بھی مغلیہ حکمرانوں کے آغا مستقر تھے، اسی کا دور دورہ تھا۔ علاوہ اس کے ہندوستان کی جدید زبان
 میں بے زیادہ ہونا نظر آتی۔ اس لئے انہوں نے اس کی سرپرستی کی۔ بے بڑا احسان و اکثر
 جان گلکرسٹ کا ہے جس نے انیسویں صدی کے شروع میں، بمقام فوٹ ولیم کلکتہ اس کا ایک
 نمونہ قایم کیا، جس کا مقصد اسی مقصد یہ تھا کہ جو انگریز یہاں ملازمت اختیار کرتے ہیں، ان کی

تایم کے لئے اردو کی مناسب اور مفید کتابیں تالیف کرائی جائیں۔ اور غالباً اسی شخص کا احسان ہے کہ بڑے فارسی کے اُردو زباناں و فقر کی زبان قرار پائی۔ یہ عجیب واقعہ ہے، اور یاد رکھنے کی بات ہے کہ فارسی جو مسلمان فاتحوں کی جیتی زبان تھی، ایک ہندو راجہ ٹوڈرل کی کوشش سے دفاتر میں داخل ہوئی، اور دوسرے دوسرے اردو نے ایک انگریز کی مساطت سے دوبارہ کالیں دے کر پائی۔ اس شخص نے اس وقت سے قابل قابل لوگ بہرہ پہنچائے۔ اور مختلف کتابیں لکھوا کر

حقیقت یہ ہے کہ اردو نثر کا لکھنا اسی وقت سے شروع ہوا، اور بلا مبالغہ یہ کہہ سکتے ہیں، کہ احسان ولی نے اردو نظم پر پکڑا تھا، اس سے زیادہ نہیں تو اسی قدر احسان جان گلکرسٹ نے اردو نثر پر نیا ہے +

چوں کہ یہ تذکرہ بھی اسی نامور اہل قلم شخص کی تحریک سے لکھا گیا تھا، لہذا اس مقام پر مختصر یہ بیان کرنا کہ اس کی نگارانی میں، یا آقا انگریزوں کی سعی سے کیا کیا کام ہوا، اور اردو زبان میں کس قدر اضافہ ہوا، نامناسب دہرگا +

اس سلسلے میں جبکہ اول سید محمد بخش حیدری قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے سن ۱۸۷۵ عیسوی میں تو تانکائی لکھی، جو اصل میں انہوں نے طوطی نامہ کو اپنی زبان میں لکھا ہے۔ طوطی نامہ ابن فطال نے عبد اللہ قطب علی شاہ کے دہلے میں، کوئی زبان میں لکھا تھا، مگر اخذ اس کا ایک سنسکرت کتاب ہے۔ آرائیں محض یعنی مشہور قصہ حاتم بھی جواب تک عوام میں بچپی سے پڑھا جاتا ہے، انہیں کا لکھا ہوا ہے۔ ایک کتاب گل مغرت یا وہ مجلس مسلمانوں کے اولیاء کے حالات میں بھی لکھی ہے۔ فارسی کی مشہور کتاب ہمارے دانش کا بھی اردو ترجمہ کیا ہے جس کا نام گلزار دانش ہے۔ ایک اور کتاب تاریخ نادری اردو میں لکھی، یہ کسی فارسی تاریخ کا ترجمہ ہے + دوسرے صاحب میر بہادر علی حسینی ہیں انہوں نے میر حسن دہلوی کی مشہور و معروف شہنوی سحر الہیان (قصہ بدینیر و بے نظیر) کو اردو نثر میں کیا ہے اور اس کا نام نثر بے نظیر لکھا ہے + ایک اور کتاب اطلاق ہندی کے نام سے لکھی ہے، اس کتاب کا ماخذ فارسی کتاب فرخ العزم

ہے جو اصل میں سنسکرت سے لی گئی ہے۔ یہ دونوں کتابیں سنہ ۱۸۰۰ء میں لکھی گئی تھیں۔

میر تقی میر دہلوی کے زیادہ قابل ذکر ہیں۔ احمد شاہ فغانی کے زمانے میں جو دلی پر آفت آئی تو یہ وطن کو چھوڑ کر پٹنہ میں آ رہے تھے۔ یہاں سے ۱۸۰۱ء میں کلکتہ پہنچے۔ بلخ و بہار کی وجہ سے کام نام ہمیشہ یاد رہے گا۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۰۱ء میں لکھی گئی ہے۔ اور انیسویں صدی کے آغاز کی جو زبان تھی اس کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کتاب کا ماخذ امیر خسرو کی چار درویش ہے۔ نیز اتھن نے امیر خسرو کی تعریف سے ترجمہ نہیں کیا، بلکہ اس سے پیشتر ایک صاحب قلم نامی ساکن اتادو نے اسے امیر خسرو کی کتاب سے ترجمہ کیا تھا، اور اس کا نام فوٹو مزع رکھا تھا۔ امیر اتھن نے اخلاق محسنی کے تیج میں ایک کتاب گنج خوبی بھی اسی زمانے میں لکھی۔ حفیظ الدین احمد فورٹ ولیم کالج میں پروفیسر تھے۔ سنہ ۱۸۰۱ء میں انہوں نے علامی ابوالفضل کی کتاب حیات اولیٰ کا ترجمہ اردو میں کیا۔ بلور خسرو افروز اس کا نام رکھا۔ اصل کتاب سنسکرت میں ہے، اور عربی میں کلید رمنہ کے نام سے مشہور ہے۔

میر شیر علی افیس بھی اسی سلسلے میں ممتاز شخص ہیں۔ دہلی کے بہتے حائے تھے۔ گیارہ برس کے سن میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آئے۔ بہت سے انقلابات کے بعد نواب اور جنگ اور پھر ان کے بیٹے نواز علی خاں کے ہاں ملازم رہے، اور جب یہ شیرازہ بکھر گیا تو صاحب علم و عالیہاں مرزا جواں بخت جہاندار شاہ کے متوسل ہو گئے۔ مگر جب شہزادہ عالم کا کوچ شاہجہان آباد کی طرف ہوا تو یہ ساتھ نہ جاسکے۔ اور نواب سہزاد الدولہ بہادر کے ساتھ زندگی کے دن بسر کرنے لگے۔ تلمذ ان کو میر حید علی حیراں سے ہے، اور بعض کا قول ہے کہ میر درد اور میر سونے کے شاگرد ہیں۔ اتنے میں صاحب عالی شان، بارہو صاحب نے، مشر کلہر شے کے مشورے سے، زباں دانہاں ریختہ کو لکھنؤ سے طلب فرمایا، چنانچہ لکھنؤ کے رنڈیٹ حشر اسکاٹ نے میر شیر علی افیس کو انتخاب کیا۔ اور وہ سنو رچیہ ماہو متواہ طر کر کے پاننڈے سے بچ رہا تھا، اور کلکتہ روانہ کیا۔ سنہ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ پہنچے، اور فورس بعد انتقال کر گئے۔ یہاں انہوں نے

ایک قابل قدر کتاب آرائش منل لکھی، جس میں ہندوستان کے مختلف حالات درج ہیں اس کتاب کا ماخذ سہمان رائے کی کتاب خلاصۃ التواریخ ہے، اور میر نے سال بھر پہلے اپنی ششہ اویس سعدی کی نگہاں کا ترجمہ بلخ اردو کے نام سے اردو میں کیا۔
 خیال چھپنے سے ششہ اویس منو گلی بکاولی کو اردو فشر میں لکھا، اور نام اس کا مندرجہ تھا۔

کالم علی جوان بھی دہلی کے تھے، بعد ازاں لکھنؤ میں آئے، اور وہاں سے ششہ اویس کے فوٹ ولیم کلچ میں آئے۔ انہوں نے ششہ اویس شکتی کا قصہ اردو میں لکھا۔ نوکریٹھ نے جو بچ بھاکا میں (ششہ اویس شکتی کی کہانی لکھی تھی، اس کا یہ ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایک بارہ ماہ بھی لکھا ہے، اور اس میں ہندو مسلمانوں کے تیرہ دنوں کا ذکر ہے، جس کا نام دستہ ہند ہے، اور جو ششہ اویس چھپا۔

اکرام علی نے ششہ اویس رسائل اخوان الصفا میں سے ایک رسالے کا ترجمہ عربی سے اردو میں کیا، جس میں شاہ اجتہ کے سامنے انسان و حیوان کا جھگڑا پیش ہے، کہ ہم دونوں میں کون افضل ہے۔ یہ نملہ ان رسائل کے ہے جو بغداد کی مشہور سائٹی اخوان الصفا کے اہتمام سے لکھے گئے تھے۔

سری لالو گجرات کا برہمن تھا، جو شمالی ہند میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ اس نے فوٹ ولیم کلچ کی نگرانی میں ہندی کی بعض کتابیں، مثلاً پریم سار، راج منتی، و لطیف ہندی ترجمہ یا تالیف کیں۔ سنگھاسن پتی، سری لالو اور جوان نے مل کر ششہ اویس لکھی، جو آدمی اردو آدمی ہندی ہے۔
 منظر علی دلائے بیتال بھی لکھی، جو مضمون اعذبان کے محافل سے سنگھاسن پتی کے مثل ہے؛ اور تیرہ دلائی مد سے قصہ ماحول کو بچ بھاکا سے اردو میں ترجمہ کیا۔

علاوہ اس کے خود گلبرٹ نے ششہ اویس اردو کی ایک فٹ لکھی، زبان کے بعض قواعد لکھے، اور مختلف طرح سے اردو زبان کی خدمت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر گلبرٹ سے اول بھی

ایک شخص فرگن نامی نے اردو کی ایک لغت لکھی تھی جو لندن میں ۱۷۷۷ء میں طبع ہوئی۔ مگر چونکہ وہ باطل و ناخوش تھی، جو غلطیوں پر مبنی تھی ایک ڈکشنری لکھنے کا انا دیکھا، جس کے انمول تین حصے تھے، مگر اس کا ایک ہی حصہ طبع ہوا۔ اس حصے میں انہوں نے وہ الفاظ لکھے ہیں جو فارسی سے ہندی میں آگئے ہیں۔ باقی دو حصوں کے طبع کرنے کے لئے انہیں ناکری مرغا، وہ جلد تیار نہ ہو سکا، اور کتاب ناقص رہ گئی۔ یہ ایک حصہ لندن میں ۱۷۷۸ء

میں طبع ہوا۔ لندن سے جب یہ واپس آئے تو دیکھا کہ ڈاکٹر گلکرسٹ بھی اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، تو چاہا کہ دونوں مل کر اسے انجام دیں، مگر چونکہ ان کو آؤر بہت سے کام کرنے تھے، اس لئے تھوڑے دنوں کے بعد وہ الگ ہو گئے اور ڈاکٹر گلکرسٹ تنہا یہ کام کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک حصہ انگریزی ہندوستانی لغت کا تیار کر کے ۱۷۷۹ء میں چھاپ دیا، مگر دوسری جلد ہندوستانی انگریزی لغت ختم نہ کر سکے۔ علاوہ ان تمام دقتوں کے جن سے وہ گھبرا گئے تھے، ایک دقت یہ بھی تھی کہ خریدار بہم نہ پہنچے۔ صرف ستر صاحبوں نے خریداری منظور کی۔ حالانکہ چھپنے کا اندازہ کم سے کم چالیس ہزار روپیہ لگایا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کام کو نہایت حسرت کے ساتھ خیر باد کہا۔ اس کے بعد سیم ڈیوڈ ٹامسن پرنٹنگ ہاؤس وکمانڈمنٹ لٹری ایگادمی نے اردو لغت لکھنی شروع کی، مگر انہوں نے اس کا بھی وہی حشر ہوا، اور طبع ہوتے ہوئے رو گئی۔ اس کے بعد ۱۸۰۰ء میں ڈاکٹر ٹیلر نے ایک ہندوستانی انگریزی لغت طبع کرائی۔ اسی کتاب کو پھر ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے نوٹ ولیم کلچ کے دیسی اویسوں کی امداد سے نظر ثانی کر کے چھپوایا۔

گیڈن نے ایک لغت فارسی اور ہندوستانی زبان کی دو جلدوں میں لکھی، جو کلکتہ میں ۱۸۰۰ء میں چھپی۔ مگر جان شیکسپیر نے ایک اردو لغت ۱۸۰۱ء میں طبع کرائی، یہ کتاب نہایت ٹیکر کی لغت سے ماخوذ ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اسی کتاب کو دوسرے قلاب میں پیش کیا گیا ہے۔ فریس کی لغت ۱۸۰۲ء میں لندن میں چھپی۔ ایک فرانسیسی

برٹرنڈ نے بھی ایک لغت لکھی، جو پیرس میں شش ماہ میں طبع ہوئی۔ برلین کی لغت ۱۸۶۶ء میں لندن میں بھیجی۔ پلیٹ نے بھی ایک لغت لکھی ہے، جس کے طبع ہونے کا سبب معلوم نہیں ہوا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر فیلن نے اردو کی کئی لغات لکھیں، ان کی ہندوستانی انگریزی لغت درحقیقت سب سے بہتر ہے، یہاں تک کہ اہل زبان نے بھی جو دو اکہ دیکھے ہیں، ان میں بھی زیادہ تر فیلن کا متبع کیا گیا ہے، بلکہ اسی سے ماخوذ ہیں۔

اس مقدمے میں جو انگریزوں کے احسان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس تذکرے سے بھی بعض باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزوں کو اس زبان سے خاص دلچسپی تھی، اور اس کی ترقی دینے میں انہوں نے حتی الامکان کوشش کی۔ میر شیر علی اخوس کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے، اور وہ ہم نے اسی تذکرے سے لیا ہے۔ میر کے حال میں لکھا ہے:-

”میں امام میں کدغاست صاحبان عالی شان کی زبان دانان ریختہ کے مقدم میں کلکتہ سے لکھتے ہوئے دیکھ کر اس کا صاحب کے سامنے تقریب میر کی ہوئی، لیکن ملت پیری سے بچا ہے بھول کے بھول ہوئے، اور جو انانہ نوش مرئی گری سے قوت بہنی کے مقبول ہوئے۔ نہ نہ خوش طبعوں سے کسی نہیں خالی ہے، لکھڑا لکھتے پکارتے تھے کہ کلکتہ میں شاعری کی کدغاست خالی ہے“

قابلیا اس جگہ کے لئے میر شیر علی اخوس کا انتخاب ہوا، کاش میر صاحب کا انتخاب ہوتا! چوں کہ ان کی نظم میں انتہا درجے کی فصاحت و شیونہی اور سلاست اور گھلاوٹ موجود ہے، اس لئے ممکن تھا کہ وہ فورٹ ولیم کالج میں جا کر تشریف کوئی ایسی یادگار چھوڑ جاتے کہ اہل زبان ان کی نظم کی طرح اسے سرور آنکھوں پر رکھتے، اور اردو زبان میں ایک عجیب و غریب مقابلہ قراضاد ہوتا +

نواب محبت خاں محبت، خلع امجد نواب حافظ الملک حاکم راجست خاں، کے

ذکر میں لکھا ہے کہ۔

”انہوں نے فراب ممتاز یا ردولہ مسٹر جاسٹین کی فرمائش سے قصہ سسی پنوں کا اردو میں نظم کیا اور
نام اس کا اسرارِ محبت لکھا“

میر قمر الدین کے حال میں وجہ ہے کہ۔

”انہوں نے میر محمد حسین - فرنگی آقب، کے توسل سے ممتاز الدولہ مسٹر جاسٹین کی سرکار میں توسل
کیے، اور ان کی رفاقت میں مملکت آکر عادل الدولہ گورنر مسٹر جاسٹین (ہیڈنگٹن) جلاوت جنگ بھلہ
انت سے پیشگانہ نظامت صوبہ بنگ سے ملک الشعر کا خطاب لیا“

اس زمانے میں علاوہ ڈاکٹر فیلن کے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، کرنل ہال راید سابق
ڈائریکٹر سرسرتہ تعلیم پنجاب نے بھی اردو زبان کی ترقی میں بیش بہا مدد دی؛ سلسلہ تعلیم کے
لئے عمدہ عمدہ کتابیں لکھوائیں، انگریزی سے بھی بعض چیزیں ترجمہ کرائیں، اور اس میں مفید
اور نیک مشورہ دیا۔ کتابت اور چھپائی میں بھی خاص اہتمام کیا، اور اس میں کارآمد مصلحتیں
کیں۔ اور سب بڑا کام یہ کیا کہ لاہور میں ایک انجمن قائم کی جس میں نچلے مضامین پر عمدہ
عمدہ نظمیں لکھوائیں شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی، اور شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد
کی بعض نظمیں انہیں کی تحریک سے لکھی گئیں اھلیں ڈی گئیں کرنل لارڈ کا یہ کام بہت قابل قدر اور قابل
تعریف ہے؛ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو نثر کی طرح اردو نچلے شاعری کی بنا بھی ایک
مدت تک انگریزوں ہی کے ہاتھوں رکھی گئی۔ ترجمہ کل مشہر ڈائریکٹر آف پبلک انٹرکشن پنجاب
نے جو انجمن ترقی اردو کی صدارت قبول فرما کر اردو کی سرپرستی فرمائی ہے وہ بھی کچھ کم قابل
شکریہ نہیں۔ اسی سلسلے میں جو ایک اڈر قابل قدر کام انگریزوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے، اور
جس کا ذکر میں یہاں مناسب سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ سب سے اول اردو کتابیں بھی انہوں ہی
چھپوائیں؛ اول اول فورٹ ولیم کالج ہی کے پریس میں اردو کتابیں ٹائپ میں طبع ہوئیں، اور
جتنی کتابیں کہ ڈاکٹر گلکرسٹ، اور اس کے جانشینوں کی نگرانی اور مشورے سے تیار ہوتی تھیں
وہیں چھپتی تھیں اس کے بعد لغتوں گراف پریس سب سے پہلے دہلی میں ۱۸۷۳ء میں، استعمال ہوا

اور اس کے بعد سے روز بروز کتابوں کے چھپنے میں ترقی ہوتی رہی +

وہ انگریز حاکم، جس نے اُس ملک میں بیٹہ کر جو اردو کا جنم بھوم اور وطن المود ہے، اُسے دفاتر سے نکال کر ذلیل کرنا چاہتا تھا، وہ سخت غلطی پر تھا۔ اگر وہ اس زبان کی تاریخ سے واقف ہوتا، اصرہ جانتا کہ اس کے واجب التحظیم ہندو گوں نے اس کے حاصل کرنے اور اسے وسعت دینے میں کیسی کیسی مشقتیں کھیلی ہیں، اور اس عجیب و غریب سلطنت کی بنیاد کے ساتھ ہی اس عجیب

غریب زبان کی بنیاد بھی مستحکم کی ہے، تو ضرور اپنی حرکت پر تادم ہوتا۔ یہ زبان کسی خواہ

یا کسی خاص ملت کی نہیں ہے، اس پر دنیا کی تین بڑی قوموں نے عرق ریزی کی ہے۔ اس کی ماں ہیں، مسلمان اس کے باوا ہیں، اور انگریز اس کے کاڈو خاوری ہیں۔ جو لوگ اس کے مٹانے کی کوشش کرتے ہیں وہ گویا اُس نثانی کو مٹانا چاہتے ہیں، جو تینوں کے اتحاد کی یادگار ہے۔ وہ غلطی پر ہیں، جب تک ہندو اور مسلمان اور انگریز دنیا میں قائم ہیں، کم از کم اس وقت تک، زبان مزہ قائم رہے گی +

افسوس ہے کہ صاحب تذکرہ نے اپنے حالات کچھ نہیں لکھے: دیباچے میں تو ذکر بھی نہیں، شعرا کے سلسلے میں جاں اپنا حال لکھا ہے وہ بھی برائے نام ہے بلکہ دوسرے شعرا کے مقابلے میں باطل کم اور ناکافی ہے، البتہ اپنا کلام بڑے شوق سے نقل کیا ہے، اور شاید اس موقع کو ضمیمت سمجھ کر سب کا سب درج تذکرہ کر دیا ہے۔ لہذا ہم نے کچھ ان کے کلام سے ادیکھ ادھر ادھر سے تھوڑا بہت حال بہم پہنچایا ہے +

نام میرزا علی قلی لطف تھا، ان کے والد کاظم بیگ خاں اسطر آباد کے رہنے والے تھے، شاہ شہری میں نادر شاہ کے ساتھ شاہ جان آباد شریف لائے، اور ابو النصر بنیال صفدر جنگ کی وساطت سے دربار شاہی میں رسوخ پایا، فاری کے غناء سنے اور میرزا علی قلی کرتے تھے۔ فارسی میں میرزا علی لطف آپ ہی کے شاگرد تھے۔ میرزا لطف دیباچے میں لکھتے ہیں:

سیر سلیم میر حسد آباد کا تھا گر میں کہ مرثیہ نگار نے بڑے اخلاق ادب پاک کے ساتھ ہم سے اس

متذکرے کے لکھنے کی خواہش کی سند میں نے اسے سوچا کہ قبل کیا

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں :-

”آج کے دن تک اگر شاہجہری اور سلطنت کے ہیں، اور سلطنت قائم ہے، اسی بادشاہ روشن
مذول خدیو سے“

پھر اس کے بعد نواب سعادت علی خاں بہادر کا ذکر کیا ہے، اور بعد ازاں ملکہ کوئس آبادی
تذکرے لکھتے ہیں :-

”موافق حکم اس صاحب الامانت کے، کہ تمام نامی اور اسم گرامی اس کا اوپر مذکور ہے، اس
مجموعہ میں نے یہ تذکرہ لکھا“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تذکرہ مولف نے ۱۸۰۱ء میں ترتیب دیا، اس کے بعد
تاریخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب شاہجہری میں لکھی گئی +

”تجراں پھر ہیں بے سرو پا بہمن اور دے“

”تاریخ اس کی جب سے کہ رشک بہشت ہے“

۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸

اور غالباً ہی سال اختتام تذکرہ کا بھی ہے +

دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس فرمائش کے بعد نہیں، تو اول ضرور حیدر آباد

میں تشریف رکھتے تھے، کیوں کہ ان کے کلام میں وہ قصاید برج ہیں جو انہوں نے اعظم امرا

ارسطو جاہ، اور میر عالم کی طرح میں لکھے تھے۔ اعظم الامرا مرہٹوں کی قیاسے نجات پانے

کے بعد دوبارہ ۱۸۰۹ء میں وزیر مقرر ہوئے، اور ۱۸۱۰ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے بعد

اسی سال میر عالم وزیر ہوئے، اور ۱۸۱۰ء میں وفات پائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ مولف اس زمانے میں حیدر آباد چلے گئے تھے۔ چون کہ ان کو زیادہ قریب یا تو انگریزوں سے

سامنے رہا ہے، یا الی حیدر آباد سے، اس لئے انہوں نے ایک شعر میں اس قتل کو بڑی غمی

سے ادا کیا ہے، کہتے ہیں :-

”ہوا وارہ ہندستان سے لطف آگے خدا جانے“

”دکن کے سانولوں نے مارا یا اٹھکن کے گوروں نے“

جو قصیدہ انہوں نے اعظم الامر ارسلو جاہ کی طرح میں لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی وہ فرخ مال اور خوش حال تھے، اور دکن میں جا کر درسلو جاہ کے ہاں ڈیڑھ سیڑھے مالانہ کے ملازم ہو گئے تھے، مگر اس تنخواہ سے خوش نہیں تھے، اضافے کی درخواستیں ہیں اور بڑے زور سے کرتے ہیں :-

<p>کس ہی کی بات ہے، یہ سا فظن میں تھا تکلیفِ خدا، کتنے بیک بینی و دو گوش تہ چند ہے تری ہی عنایت سے یہ سکون اس ماحضراشی سے مجھ کو کہ ہے مرض سہکالے تری جودِ ادا و تقصیرات نہ چند جانے شکر ہے، پر مرض کیا کرد تھے گفتگو پچاس تو دن ڈیڑھ سو میں سے مطلقِ خدا کا بار اٹھاتی ہے ہالکی باقی جو سو ہے، کئی دن میں ناپا تھما ہوا قد و ان نکات، اور یہ عتہ سنج غفل و ہنر و حوی میں ہے و مدح کی کثرت تھے بہت بلند کا تیری جو اتعفا آدیں کہ کم دماغ ہوں مینتی معاش سے لیکن زندہ اضافہ جو ہر دے برائے نام</p>	<p>سو دسواٹھنا کا قی بندگی گزار گرچہ دکن میں ہے، نہیں ہر سیغہ و زنا لازم و گرنہ تعابیرِ تبت کو اضطراب سویہ ہے، اسے امیر ملک قدرو کے تبار ہے ڈیڑھ سو روپے ترے قادم کا مہوار جس طرح اس میں کاشتا ہوں لیل کو تھار ہو کر سوار چھاتی پے لے جاتے ہیں کنار میں اپنی پالکی کا ہوں برعکس زیر بار مثل جوداتِ غفلان کا ہے شمار یوں ہوا میر پختہ چغ ستم شمار اے قد و انیاں بھی تری سب یہ یک کنار اس ام میں تو ہے تجھے آئندہ اختیار بالفضل قدامتے کا ہوں گا امیدوار کہ فہوں سو پچاس میں گر ہو کشود کار</p>
---	---

کیوں کر بے حیائی نہیں ہوتی بلکہ
پھر سوجب اُمیدوں کو توڑے بلکہ چھیناڑ

تضعیف مل چاہتا ہو تجھے ضعیف
مقابلہ تجھ پر شاق نہیں کیے تین سو

جو شکایت شاعر نے اخیر شعر میں کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں قدیم سے پہلی آربی
ہے، اور اب تک باقی ہے۔

پہلی اس قصیدے میں شاعر نے تعلی کی لی ہے، اور ناصر علی کا ذکر کیا ہے کہ ذوالفقار خاں
نے یہاں اس نے قصیدہ کہا اور صرف اس کے اس مطلع پر۔

”اے شانِ حیدری ز جبینِ تو آشکار

نام تو در بند کند کار ذوالفقار“

امیر الامراء نے ندویم نشا کر کیا۔ پھر اس مطلع کو پڑھ کر کہتا ہے کہ اس میں کیا رکھا ہے۔

تھر قطہ ذوالفقار نہیں اس میں کوئی تا
ایسی کہ ڈال دیوں سپرے کے گے یاڑ

”میں نے قدافی میں لیکن برے نام
انہی ہی ہے گریا جو خانِ بادشاہ“

اور پھر خود اس مطلع کا جواب لکھتا ہے۔

مکتی ہے فارسی میں بھولے مطلع
ہیں جواب مطلع ناصر علی بید

”اے خذہ از نام تو خود شید اعتبار
تاخیر اسم اعظم از اسم تو آشکار

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس میں بھی سوائے لفظ اعظم کے اور کیا رکھا ہے۔ مگر افسوس
ہے کیا جو اس کے یہ مطلع ناصر علی کے مطلع کو نہیں پہنچتا۔

میر عالم بہا صمدی کی طرح میں جو قصیدہ لکھا ہے اُس میں بھی یہی رونو یا ہے،

”پر اتنی حوضِ اعجازت روئے خلقِ جو تجھے
کہیں خواہاں نہیں کہ ملک و کوسِ طیل و لشکر کا

”تو جہ اتنی ضرورت کہ مایحتاج کی رو سے
نہوں محتاجِ عند الوقتِ سیم و فد و گوہر کا

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اپنے تذکرہ شعر گلشنِ چنار میں لکھتے ہیں کہ:-

”میرزا لعلؔ کہ دونوں نوحِ خلیم آباد میں ہی رہے ہیں، اور نسبت شاگردی میر تقی سے رکھتے ہیں۔“

لیکن خود میرزا لطف اپنے حال میں یہ لکھتے ہیں :-

”ادھر رہنے کا قصد اپنی ہی طرح نا صواب ہے“

اور اسی کو صحیح سمجھنا چاہئے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ میر تقی کے بہت بڑے ملاح اور سامنے والے ہیں، اور غالباً اسی وجہ سے وہ ان کی شاعر دی سے منسوب کر رہے گئے ہیں۔ لطف ایک معمولی شاعر ہیں، غزل و قصیدہ و مثنوی سب کچھ لکھا ہے، مگر کلام میں لطف نہیں ہے البتہ یہ تذکرہ ان کا ایک ایسا کارنامہ ہے، جو اردو زبان میں قابل یادگار ہے۔ چوں کہ ان کے انگریز با اقتدار کی فرمائش سے لکھا ہے، زبان صاف اور سادہ ہے، تاہم تافانے کو ہاتھ جلتے نہیں دیتے۔ تذکرے اگرچہ اور بھی لکھے گئے ہیں، مگر اس میں بعض خصوصیتیں ایسی ہیں کہ جس سے یہ درحقیقت قابل قدر ہے۔

۱۔ اول تو سب سے پہلے کی زبان ہے، جس سے زبان کے متعلق بہت کچھ پتہ لگ سکتا ہے، اور محقق علم اللسان کو، اور نیز ان لوگوں کو جنہیں زبان کا چسکا ہے، بہت کچھ نئی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ایک ظاہر بات جو ہمیں عام طور پر اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوئی، وہ یہ ہے، کہ دکن کی زبان میں بعض الفاظ جو روزمرہ بول چال میں آتے ہیں، اور ہندوستانیوں کو اجنبی معلوم ہوتے ہیں، وہ درحقیقت پرانی زبان کی یادگار ہیں۔ مثلاً ”کر کے“ کا خاص استعمال، جو ہم یہاں ہر روز سنتے ہیں۔ اس تذکرے میں بھی جا بجا پایا جاتا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں :-

”شورشِ تخلص، متوطنِ عظیم آباد کے، مشہور میر ہٹا کر کے لکھے۔“

اسی طرح میر قمر الدین سنّت کے حال میں لکھا ہے :-

”چنانچہ شکرستان کر کے، ایک نواس شیریں منال کا بطور گفتار کے مشہور ہے۔“

دکن میں بعض لوگ ”بعد میں“ کی جگہ ”جدا“ بولتے ہیں، سونے ایک شہر میں ہی لفظ لکھا ہے

”ہے جیتے ہی توجھے کوئے یا میں رونا“

رے محرم گ کے ”جدا“، مزار میں رونا

فصل کے بعض مسائل ہی بعض اوقات باطل ایسے ہیں جو ہم حیدر آباد میں اکثر سنتے ہیں۔ مثلاً: فصل متعدی میں فصل بہ لحاظ منقول کے آتا ہے، مگر اس کتاب میں بعض جگہ فاعل کے لحاظ سے آیا ہے۔ دکن میں عموماً اسی طرح بولتے ہیں۔ فنیاء کے حال میں لکھا ہے۔
 حلق ہے جبکہ لکھنؤ میں آئے تو طور سکونت کا دین ٹھیک ہے؟
 یہ فقیر کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔

نور دکن بلو سیاحت کے دیکھ، اور اکثر مقاموں میں یہ کی وضع پر پڑے؟
 دکن میں عام طور پر میں کہا "بولتے ہیں، قائم کہتے ہیں:-
 "میں کہا، "مہد کیا کیا تھا رات،
 "ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں؟"

۲۔ دو سے علاوہ اس کے کہ مؤلف ایسے زمانے میں تھا جب کہ اردو زبان عروج پر تھی، اور بڑے بڑے اساتذہ و زعمائے مولف ان کا ہم عصر تھا، اور ان میں سے اکثر سے ان کی شتاسانی اور دوستی تھی، اور اس لئے جس و ثوق اور صحت کے ساتھ ان کے حالات یہ لکھ سکتا ہے دوسرا نہیں لکھ سکتا۔ اور بعض حالات تو ایسے لکھے ہیں جو کہیں دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آئے۔ مثلاً: رزیدنٹ لکھنؤ کا میر تقی کو فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں زبان ریختہ میں تالیف و تصنیف کے لئے طلب کرنا، اور جو پیرانہ سالی ان کا منتخب نہ جوتا۔ یا میر صاحب ہی کے حال میں ایک ایسا فقرہ لکھ لے جس کا دل پر بہت اثر ہوتا ہے، اور جو صرف اس تذکرے کا مؤلف ہی لکھ سکتا تھا، کیوں کہ وہ ان کا دیکھنے والا تھا اور خاص ارادہ رکھتا تھا۔ علاوہ اس کے اس سے میر صاحب کی اس خاص وضع اور طبیعت کا اندازہ بھی ہوتا ہے، جو انہوں نے عمر بھر نہ پای۔ وہ لکھتا ہے:-

"ناقد دانی ہے، انشائیہ اور نثر کی، اب بازار سخن سازی اس دم کا سد ہے، اور ہوا
 مشہر تان یعنی طراز اس مرتبہ فاسد، کو کیر سا شاعر، جو کہ سرکاری سخن میں طمس ساز ہے خیال کا، اور عابد طراز کی

”ہیلن میں سانی پروانہ سے متعلق کا، وہ نان شینہ کا مندرج ہے، اور بات کوئی نہیں پوچھتا اس کی وجہ ہے ؟
شس العلماء مولوی محمد حسین آزاد اپنی کتاب ”آبجیات“ میں لکھتے ہیں کہ :-

”جب یہ صاحب تخت و تاج آصف الدولہ نے دوسور پہنچا دیا، مگر چون کہ بہ مزاج ہمایوں کے تھے
”نواب سے جھگڑ کر لیا، ہمد گھر بیٹہ رہے، اور زندگی فقر و فاقے میں گزار دی“

مگر اس تذکرے کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح نہیں، کیوں کہ اس میں لکھا ہے کہ
”نواب آصف الدولہ مرحوم نے فرزند ملازمت غفلت فاقہ دیا، اہل تین سورو پہنچا، مقرر کر کے حرمین“

تذکرے کے سپرد کر دیا، اگر گزرتہ زنجی سے ان کی عذرت و رحمت نواب مرحوم سے مجبزی گئی، لیکن تھوڑے میں
”قصور نہ ہوا، اور نواب سعادت علی خاں بہادر کے حرم میں تاج کے دن تک، اگر شہنشاہ جبری ہیں، وہی حال
”سے ہوا چہ نہ کہو“

مگر صاحب تذکرہ کا چند سطور پر لکھنا کہ وہ نان شینہ کا محتاج ہے یا تو مبالغ ہے، یا یہ ہے کہ وہ
دوسروں کے مقابلے میں ان کے کمال کی پوری قدر نہ ہوئی۔ غرض یہ کہ بعض باتیں اس میں نئی
نظر آتی ہیں +

۳۔ تیسرے، صاحب تذکرہ نے ایک یہ کام بھی بہت اچھا کیا ہے، کہ جن لوگوں کو تصور آیا بہت
یا کسی قدر قلع و قلع سے رہا ہے، ان کے تذکرے میں تاریخی حالات بھی خوب خوب لکھے ہیں۔
چنانچہ شاہ عالم المتخلص بآفتاب کے مال میں ان کا بیڑا نہ دلی عہدی عہد الملک کے خوف سے
دلی چھوڑنا، باپ کا دھوکے سے فیروز شاہ کے کوسٹے میں قتل ہونا، اور ان کا سلاطین
میں تخت نشین ہونا، رام نرائن سے جنگ دلی خاں کی دلیری اور جان نثاری، فتح و لغت
کا حاصل ہونا وغیرہ وغیرہ، بالتفصیل لکھا ہے۔ اور اخیر میں کورنگ سنگھ قلام قادر خاں روٹیلے
کا دروٹاک واقعہ بھی بیان کیا ہے؛ اور بادشاہ کی دروٹاک غزل بھی نقل کر دی ہے، جس میں یہ
واقعہ منظم ہے، اور خود اور نظم میں رسمہ کہ کے متن میں بیچ کی ہے، اس لئے کہ تذکرہ اربعہ کا،
اور اصل غزل حاشیہ پر لکھ دی ہے، البتہ اتنا تلفظ کیا ہے۔ اسی طرح تانہ شاہ، آصف الدولہ اور

مرزا محمد رضا امیند کے حالات میں اکثر تاریخی واقعات اور قصص لکھے ہیں۔ خصوصاً میرزا محمد رضا امیند کے تذکرے میں، امیر الامراء حسین علی خاں، اور ان کے بھائی کے حالات بڑی خوبی سے تحریر کیے ہیں۔ ۴ چوتھے اس کتاب سے زمانے کی سوسائٹی پر بھی روشنی پڑتی ہے، اور یہ بات توصیف صاف نظر آتی ہے، کہ ہمارے شاعروں کا گرد و جیبے فکر تھا، اور دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ تھی۔ اخیر میں جب ہمارے بادشاہ نواب اور امرا اس طرف بھٹکے، تو وہ بھی ایسے ہی ہو گئے۔ ان لوگوں نے راسہا نہیں دیکھا۔ ملک گیری اور ملک داری کسی کی جا چکی تھی، اس لئے اولوالعزمی اور بہت بھی اس کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی۔ جسمانی اور دماغی قوتیں میں انحطاط پیدا ہو گیا تھا، ایسی حالت میں حقیقی مترت کہاں! البتہ عارضی خوش حالی اور بھونٹی زندہ دلی موجود تھی، شعر شاعری نے اس کا سامان آور میا کر دیا، دیوانہ راہوں نے بس بہت، شاعروں کی بن آئی، وہ تو اس شغل میں رہے، اور یہاں کام تمام ہو گیا۔ اس زمانے کی سب سے بڑی علمی اور مذہب مجاہدین مشاعرے تھے، جن کے لئے بڑے بڑے اہتمام کئے جاتے تھے، اس کے خاص خاص آداب تھے، بڑے بڑے نوجوان بچے سب ہی شریک ہوتے تھے، باکمال سخن و ردوں کو دل کھول کے داد دی جاتی تھی۔ کبھی کبھی بحث مباحثے ہوتے ہوتے لڑائی مچا کر لے ہو جاتے، اور تنکا فینٹھی تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ نوجوانان مشاعروں میں شریک ہوتے، اور اپنے کاؤں سے تحسین و آفرین کے فرے سنتے تھے جو شعرا کے لئے سب سے بڑی داد اور سب سے بڑا ہتمام تھا، تو ان کے دل میں بھی اُمنگ پیدا ہوتی تھی، کسی استاد کے پاس حاضر ہوئے، شاگرد ہو گئے، اور شعر کہنا شروع کر دیا۔ گویا شعر کہنے کے لئے صرف کسی استاد کا شاگرد ہو جانا کافی ہے۔ یہ مشاعرے حقیقت شاعر گزرتے ہیں۔ ان مشاعروں کو بہت سبوتا مگر جہاں یہی سب سے بڑی علمی اور ادبی مجالس ہوں تو ایسی سوسائٹی کی حالت کیا ہوگی؟

علاوہ اس عام حالت کے، تذکرے میں بعض باتیں ضنائیان کر دی ہیں، وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ ایک واقعہ، جس کا مجھ پر بھی اثر ہوا، یہ ہے کہ نواب وزیر اودھ اس زمانے میں جب کہ لن کا راج اقبال تھا، اور بادشاہ نام کے بادشاہ رہ گئے تھے، تب بھی شاہانِ دہلی اور ان کے

گھرنے کی بے انتہا تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور تعظیم بھی ایسی کہ کج کل کے نوجوانوں کے خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ چنانچہ میرزا جواں بخت جہاندار شاہ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ ۱۱۹۰ ہجری میں دلی سے لکھنؤ چلے آئے تھے۔

”نواب آصف الدولہ دوم نے، جو مرتب آداب و خدمت گزاری کے تھے، سب ادا کئے، خواہی میں نہ تھے کے سوا لکھنویوں ہاتھ باندھے ساتھ کھڑے رہے، باوصف اس نازیہ روی کے کہ کبھی پیادہ قدم کا ہے کو پہلے تھے پانچہ تیار باندھے ہوتے ایک ٹوپی اور ٹوپی کی فٹیں پہنیں ہر مرتبہ گاہ پر سے جا کر اہل بیت آہ۔ پانچویں، بعض ایسے لوگوں کا محل بھی دیا ہے جس کی نسبت اردو کی شاعری کا گانگاہی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی کہہ سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ اردو کے شاعر تھے، اور ان کا تخلص اشتیاق تھا یا عبد القادر بیدل بھی اردو میں شعر کہتے تھے۔ یا تانا شاہ سے بھی ایک شعر منسوب ہے، مگر آدھا اردو اور آدھا ہندی ہے بعض ایسے شعر اکابر بھی کلام ہج ہے کہ جن کا نام تو بہت مشہور ہے مگر کلام دستیاب نہیں ہوتا۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد اپنے تذکرہ آبجیات میں لکھتے ہیں کہ۔

”ایک موقعہ پر میرن مرحوم کا سفر شاہ مارکی چھڑوں کے ساتھ مطابق ہوا؛ چنانچہ سفر مذکور کا محل ایک مثنوی کے قائل ہیں ڈھال ہے، اس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی بھڑکی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حیدرآباد کی ہرشاک دہاں کیا تھی، اور چھڑوں والوں کے جزئیات رسوم کیا کیسے تھے۔ یہ سننے پر مثنوی دلی کی تباہی سے پہلے دیکھی تھی، اب نہیں ملتی، لوگ بہت تعریف لکھتے ہیں۔“

حسن اتفاق سے صاحب تذکرہ نے اس مثنوی کا وہ حصہ جس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی بھڑکی ہے۔ یہ حیرت کے حالات میں نقل کر دیا ہے۔ ناظرین کو لکھنؤ کی بھڑکی کے شریک کہتے تعجب ہوگا۔

”زب کو دوسے یہ شہر ہم مد ہے اگر شیعہ کھے نیک اس کو مد ہے“

اس مثنوی کا نام غالباً کلہ در ارم تھا۔ یہ حیرت کے دوسرے کلام کا بھی انتخاب کیلئے: جو حقیقت کلام سب اچھا ہے، مگر افسوس آج کل نہیں ملتا۔

خواجہ میر درد۔ بھائی میں سید محمد میر اثر کی مثنوی خواب و خیال اب تانہ سنی ہی سنی تھی، اس کے

چند شعرا کے حالات میں بیچ میں تیس سالہ مولوی شبلی نے ایک مختصر ناول لکھا ہے، جو کتاب کے منظر پر رچا ہوا ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں لکھنؤ کی شاعری میں صرف ذوقِ مہاشعہ کی شہنشاہی کا اعتراف کیا ہے، لیکن ہر کان کے تنقید شعرا لکھنؤ سے اس شخصیات اور سلامت کی توقع نہیں کرتے، اس لئے اس کی وجہ یہ قوی کہ ذوقِ مہاشعہ جو میر اثر کی شہنشاہی کی تھی، اس کا طرزا رہا تھا۔ اس کا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں، اور یہ شہنشاہی ذوقِ مرزا کا باعث نہ ہو سکتی ہے۔

ہیں تبھی کہ مولوی شبلی صاحب نے صرف "اعتراف" کا نقطہ لکھا ہے، حالانکہ مولانا حالی نے ان شہنشاہی کی بجد تعریف کی ہے، سوائے ایک نقص کے جس سے خود مولوی شبلی صاحب بھی انکار نہیں ہو سکتا، اور یہی صیح نہیں ہے کہ لکھنؤ کی شاعری میں صرف ذوقِ مرزا کی شاعری کا اعتراف کیا ہے بلکہ میرانیس کی شاعری کی اس قدر توصیف و ثنا کی ہے کہ اس سے بڑھ کر کون نہیں، یہاں تک کہ وہ مولوی شبلی صاحب نے بھی موازنہ و بیروا میں انہیں اتنا نہیں سراہا۔ اکثر لوگوں کو جن کی نظرِ عام میں ہے اور سطح ہی پر ہوتی ہے، مولانا حالی سے یہ شکایت ہے کہ لکھنؤ کی شاعری کی ذمت کی ہے، حالانکہ مولانا نے کہیں اپنے دیوان میں لکھنؤ کی شاعری پر بحث نہیں کی، عام شاعری پر، یا اردو شاعری کے نشوونما اور اس کے مختلف اصناف پر بحث کرتے ہوئے، مثلاً بعض اشعار یا کتب کا ذکر آگیا ہے، اور اس میں دلی لکھنؤ والے دونوں ہیں، اس پر سے لوگوں نے ایسا گمان کر لیا ہے، اور نہ حقیقت یہ ہے کہ مقدمہ دیوانِ حالی میں کوئی خاص لحاظ اس کا نہیں کیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے علمِ نطن چینی اور اپنے یا دوستوں یا عزیزوں کی کتاب پر تقریظ سننے کے شائق ہیں، تفتیح کے روا اور نہیں، مولانا حالی نے جو شاعری پر مقدمہ لکھا ہے، وہ صرف ان کے دیوان کا مقدمہ نہیں، بلکہ اردو میں فنِ تنقید کا پہلا مقدمہ ہے۔ اس میں جو بعض ایسی راویوں کا اظہار کیا ہے، جو صرف فقہِ سلیم اور حالی دماغ کا نتیجہ ہو سکتی ہیں، تو لوگوں کے عام، (بلکہ عامیانه خیالات کو مدد پہنچا، اور وہ بت نہیں دہمت سے پوجتے چلے آئے تھے، یا ایک متزلزل ہو گئے، اور ڈھ گئے۔ زیادہ تر یہ خیال گزرا نہیں کی نکتہ چینی سے پیدا ہو گیا ہے، مولانا نے ایک

لکھنؤ شاعر مولوی شبلی نے انہما و فزوش اس تذکرہ پر جاننا و فزوش فرماتے ہیں +

خواہ خواہ اس لئے کہتے چینی نہیں کی کہ وہ ایک لکھنوی کی لکھی ہوئی ہے، بلکہ حقیقت وہ اس رستے کی مستقیم نہیں ہے جو لوگوں نے نا بھی سے اسے دے رکھا ہے۔ مجھے تو ایسی یہ شکایت ہے کہ مولانا نے تنقید کا حق ادا نہیں کیا، صرف چند ایسی غلطیوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے، جو اگرچہ صحیح اہمیت میں، مگر اس قدر اہم ایسی نہیں کہ جس سے اس کی پوری قلمی کھل جانے حقیقت یہ ہے کہ اس شثنوی کو اردو زبان سے کچھ تعلق ہی نہیں، مولانا کا اگر اس میں قصور ہے تو صرف اتنا کہ انہوں نے دن کو دن اور رات کو رات کہہ دیا ہے۔ اب ہم خواہ آخر کی شثنوی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں

اول تو اس شثنوی کی تعریف سب کرتے چلے گئے ہیں، چنانچہ ذاب صطفیٰ خاں شیفتہ ساخن قم اپنے تذکرہ گلشن بختیاری میں لکھتا ہے:-

”شثنوی بظاہر شہرت تمام درود کہتا ہے اہل ہما وہ بہت است، واریں بہت مرغوب علم کا۔
مولوی محمد حسین آزاد آپ حیات میں کہتے ہیں کہ:-

”ایک شثنوی خوب وصال ان کی مشورہ ہے، بہت بھی لکھی ہے“

دوسرے ان کے کلام سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں درو، زبان کی معنائی، شستگی اور لطافت بدرجہ کمال موجود ہے؛ اور یہ سب باتیں شثنوی کے لئے خاص طور پر مناسب ہیں۔ مگر صاحب تذکرہ نے مغضب یہ کیا ہے، کہ شثنوی کا وہ حصہ منتخب کیا، جس سے کسی طرح صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا سراب کا مضمون اس قدر متبدل ہے کہ اس میں کوئی نیا مضمون پیدا کرنا، یا اس میں زبان کی فصاحت و سلاست دکھانا بہت مشکل ہے۔ اور چوں کہ اس شثنوی کی تعریف زیادہ تر زبان کی ہے، اس لئے صرف سراب کے چند اشعار پر حکم لگانا درست نہیں ہے۔ صاحب تذکرہ نے اپنے اس ذوق کا ثبوت تو بھی ایک آدھ جگہ کر دیا ہے؛ مثلاً، بخشش کے کلام کو پند نہیں کرتا، مگر انتہائی اشعار بہت اچھے ہیں۔ اسی طرح مصنی کی تعریف کی ہے لیکن انتہاب اس قدر خراب دیا ہے کہ اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کوئی چھاشاعر ہے لیکن اس کا کیا وجہ ہے، کہ جو شعر خواہ اثر کا بہ تبدیل لفظ عشق نے اپنا کر لیا ہے، یعنی:-

اثر انتہابی نہیں اُسپتے جانا کھلتے جانے میں دُعا پتے جانا

شوق :- انتہائی نہیں اپنے جانا چھوٹے کپڑوں کو ڈھانپتے جانا

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسا شعر یا خواہ اثر کہ کچھ تھے یا ان کے بعد ذرا شوق، اگر یہ شعر ان کا ہے تو یہ لکھنے کی پوری وجہ ہے، کہ شوق کی طرف سے یہ مثنوی گزری ہے، تو اس طرز کا اثر ضرور اس پر پڑا ہو گا۔ مولانا حالی فرماتے ہیں :-

”غیب و خیال کے اکثر حصے اور شعر قصہ قصہ سے قفاقت سے بہار عشق میں موجود ہیں“

یہ ایک مزید ثبوت ہے +

دوسرے یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ وہ مثنوی اس زمانے میں لکھی گئی جب کہ اردو میں غالباً کوئی مثنوی قلمی - باوجود اس کے مولانا حالی نے صاف لکھ دیا ہے :-

”اس میں شک نہیں کہ موجودہ حالت میں غراب و خیال کو بہار عشق سے کچھ نسبت نہیں ہو سکتی“

آخر اس میں تو ظاہر ایک حد تک کچھ نجائش بھی نظر آتی ہے، مگر ہمیں افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس سے بڑھ کر ایک ریاکار مولانا حالی کی تنقید محض ارسیم کے متعلق ایک خط میں لکھ دیا تھا جسے لاہور کے صاحب نے اپنے دیباچہ محض ارسیم میں بطور سند کے درج فرمایا ہے، نتیجہ ہے کہ ایک ایسے نابلت محقق اور صاحبِ ذوق قلم نے ایسے الفاظ میں محقق اور ذوقِ سلیم سے کوسوں دھکیں۔ اور خصوصاً ایسی کتاب کی نسبت جتنے نفوس کے اس میں لافٹ نام نہانیں ہیکڑوں نقلی اور معمولی خنطیوں سے پرے ہیں۔ ہم اس موقع پر زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے، اور اس بحث کے لئے بھی ناظرین سے معافی چاہتے ہیں، موقع آ رہا تھا اس لئے یہ چند الفاظ لکھے گئے +

۶۔ چھٹے، صاحب تذکرہ نے بعض مقامات پر پر دوسری پر دوسے میں خوب چوٹیں کی ہیں؛ جن میں صاحب کی جھلک نظر آتی ہے؛ مثلاً: شاہ ولی اللہ صاحب کی نسبت لکھا ہے کہ :-

”ذکرہ بعض فی ہلال شادت حسین اور جنت معلیٰ فی مناقب العاد یہ بن کی تصانیف سے ہیں“

حالاں کہ ان مباحث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ نہ شادت حسین کا ابطال کیا ہے، نہ مناقب العاد میں کوئی کتاب لکھی ہے، یہ محض اتہام ہے۔ اس کے بعد یہ کہ اگر کہ یہ والد ہیں شاہ محمد طہر کے، خوب ہجو طبع کی ہے؛ اور آخر میں یہ لکھا ہے :-

”کیوں نہ ہو آخر کیسے باپ کا بیٹا ہے، فی الواقع اعلیٰ مخلوق کے عالی مقصد ہی ہوتے ہیں سونا بھونکنے والا بقیوں شام کو تھکے
تھکے بچے میں خوش ٹیسے، اوندھے بھر لیں گئے لی بی! اسی مہر جو ہے“

یا منظر جان، جہان کے حالات میں کتنے زیر و

”مست و لالہ لہری تھے کہ اس روشن ساز سیال صدیقی نے، اور اس مصقلہ و نازا کام فاروقی نے، اس آئینہ زکار

آلود دنیا سے منہ پھیر لیا، اور سہ غفاسے شادین کی منازل کے طریق پر کیا؟

یا تانا شاہ کے حالات میں مؤلف عالمگیر کی نسبت یوں گوہر نشانی کرتا ہے کہ:-

”مخلو کا بننے سے استعمال ہوا شان و کس کا جو اس مست کیا، اندر کہ سہر کو کھنڈ کے وہ کچھ نکلنے کی رون پہا، جہاں صحت کا ایک ٹکڑا ہے“

”کہ مسجد کا کھ وانا زہر ہوتا، اور صبح بھوٹ ہے، تعجب کہ مولف نے جو خود جسد آباد میں رہا ہے، اس کتب
کا کھنا کیوں کر گراہ کیا ہمیں شاید ناظرین کو یہ اطمینان دلانے کی ضرورت نہیں۔ کہ کلمہ مسجد موجود ہے،
اور اب تک نظر بہ سے محفوظ ہے۔“

لیکن قطع نظر ان امہر کے وہ بعض وقت سچ کہنے سے بھی درگزر نہیں کرتا، مثلاً ذواب آصف الدولہ
کے حالات میں ان کی داد و دہش اور مردت کی بے انتہا ہیستھی کی ہے، لیکن آخر میں صاف کھ دیا ہے۔

”انہوں نے یہ کہنے اور ملک کی طرف سے غفلت تھی، تاہم ان کے اہل میں اصاف ملک کا سر فہم رکھا، آپ سر دشکار

سے کام رکھا، بشیر کوئی وقت بھلا کام کا نہ پایا، اس واسطے ساتھ عزم کے رتبہ نام کا نہ پایا؟

یا سراج الدین علی خاں آندو نے، جو نکتہ چینی شیخ علی خاں کے کلام پر کی ہے، اس کی نسبت کہیں کہیں

معوام کی طبیعت تو ان اعتراضوں سے البتہ نشی میں پڑتی ہے نہیں صاف نزع معلوم ہوتی ہے، جب ایک ہیض کی ہوا،

اُس سے ہلاتی ہے؟“

اس تذکرے کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر شاعر اور خصوصاً نامور اور مشہور اساتذہ سب کے

سب دلی کے تھے۔ دلی کو جہاں یہ غزے کہ اردو نے اس میں جم لیا، وہاں اس کا یہ غز بھی بچا ہے،

کہ جتنے اعلیٰ شاعر ہوئے ہیں وہ یہیں کے تھے۔ اگر کلیں پر نظر ڈالی جائے یہ شہر بھی عجیب غریب نظر آتا ہے،

زمانہ قدیم سے محمود آفاق اور مرج خلایق رہا، کبھی راجاؤں اور عمار راجاؤں کی راج دہانی، کبھی سلطان

اسلام کا دارالافتاء کبھی طینیانی کی بدولت بہر خراب ہوا اور رفتہ رفتہ پیر آباد ہوا، کبھی سرکچنگت محل
محل عام ہے، اور کبھی گھر گھر دن بعد ادرات شب بارات ہے، کبھی تخت کا، شان اور مجمع کمال ہے، اور
کبھی ایک مطلق العنان سودانی کی لٹک سے خاصہ مکہ ٹہسے، کبھی مورد بلیات و آفات ہے، اور کبھی
منزل حسات و برکات باغرض یہ نگری یوہیں اجڑتی اورستی، بگڑتی اورنتی رہی، مگر باوجود اس کے
اس کے خن عالم فوہیں نئی ادایہا ہوتی رہی، ادہم عادتے کے بعد فوراً سنبھل گئی، لیکن اخیر زمانے
میں جب سلطنت مغلیہ میں انحطاط اور زوال کی علامات پیدا ہوئیں، تو دو ایک چمکاپے لکے کہ پھر دنیا حال

سب سے اول نادرشاہ کا ایسا تھپہ ڈالگا، کہ اس نے بھاہی تو دنیا اس کے سترہ برس بعد ہی اسو شامی
کی چڑھائی ہوئی، پھر مہنوں نے وہ ادوم چھائی کر رہا سہا سب خاک میں ملا دیا، اب تک نہ کمال دتی میں پر
وضع لری بنا ہوئے تھے، ان حادثوں کے بعد وہ بھی نہ بکٹے، سو ایک سیر دیک کے جن کی نسبت حسادت کر کے پڑ

عمر ایام میں عہدہ شاہ جہان آباد کا بعد ہوا کہ اس فتنہ دنیا کا ایک الی کال سے، اکثر مشہور عہدہ لٹال
تھے، رشک ہفت اعظم اور حضرت عتیم تھا، تو مہرے پر شہر کے عہدہ ریح مسکن کا تنگ، اور اس غریب آباد
تقیہ سے ہفت اقدیم کے تنگ تھا، جب کہ متواتر زول کا کٹے، باعث اور کرد و دلیا کے سبب غراب ہوا،
اور صدر محبت و محض ہوا تو ہر ایک دیوں گوشہ نشین نے، ادہر ایک صابنا جیکرین نے اور ہر ایک تکرار الداسے،
اور ہر ایک عالی مقام نے، ذور کو قیمت جانا، مہر جاکے ادھر کو جہاں ٹھکانا، مگر وحید الا تبار، کہ نام نہاں اس کا پیچہ
تھا، اس طلب سامان استقلال نے خیال ہی جگے سے سرکے کا دیکھا، نقل پاؤں کے، اور حال جہانوں کے ہوئے،
اور شاہ جہان آباد کو چھوڑ کر ایک قدم باہر اپنے کچ غارت سے نکلے،

یہ وقت میں شاہجہاں سے تو کس گنتی میں ہیں، بڑے بڑے وضع ادوں اور ستو کلوں کی ٹھیک نخل جاتی
دلی کے اجڑنے کے بعد لکھنؤ آباد نظر آتا تھا۔ اقبال نے پھر دفن اس کا ساتھ دیا، اپنے دے کے صرف یہی
ایک ٹھکانا اور آسرا مسلمانوں کا رہ گیا تھا: آصف الدولہ سالکدلت نوب تھا، بل کمال کی قدر ہونے لگی، پھر تو
جوا تھا وہیں پہنچا، ادہر پنچ کر رہیں کا ہو رہا۔ غالباً سب پہلے نادرشاہ کی تباہی کے بعد سلج الدین علی خاں آہستہ
پہنچے، اس کے بعد سودا شریف نے گئے، سودا کے انتقال کے بعد بقی نے، آہستہ آہستہ دلی سے لکھنؤ پہنچے۔

یہ صاحب کے جلتے ہی دلی سونی ہو گئی، اچیر حسن میر سنا جو بات، سب لکھتے ہیں جابے، اور دلی کی رونق لکھتے ہیں گئی
 اس طرح لکھتے کی شاعری کی ابتدا ہوئی، اب پیلر لکھتے کی سوسائٹی کا اندوہ زبان اور دو شاعری کا کیا انتہا مشوہی جسکی نتائج
 مجھے خیال تھا کہ اس تذکرے سے میر بشاد اللہ خان کے متعلق کوئی نئی بات معلوم ہوگی، مگر کم سے کم اس قصے کی
 تحقیق ہو جانے کی جو اس العلماء مولوی محمد حسین آزاد نے ان کے اخیر زندگی کے متعلق لکھا ہے، مگر یہ تذکرہ ۱۲۸۲ ہجری
 میں لکھا گیا، اور ۱۲۸۳ تک میر بشاد اللہ خان مرزا سلیمان شکوہ کے ہاں ملازم تھے، یا اسی سال ذرا بعد اس علی خان کے
 ہاں رسائی ہوئی، کیوں کہ مرزا سلیمان شکوہ اس سال ۱۲۸۲ لکھنؤ سے واپس دلی چلے گئے۔ یہ واقعہ آزاد نے
 سادت یا بغاں نگین کی زبانی بیان کیا ہے، صوفیہ لکھ کر تمام واقعہ بیان کر دیا ہے کہ سعادت یا بغاں نگین
 کہہ گئے تھے، مگر یہ معلوم ہوا کس سے کہتے تھے، اور آزاد نے کس سے سنا۔ آب حیات میں بعض بعض جگہ جی اس
 نگین کا ذکر آ رہا ہے، مگر مجالس نگین میں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اتفاق سے مجالس نگین ہی ۱۲۸۲ میں لکھی
 گئی میر بشاد اللہ خان اور سعادت یا بغاں نگین دو دونوں مرزا سلیمان شکوہ کے ہاں ملازم تھے۔ اور چوں کہ یہ واقعہ
 بعد کے اس لئے پہل بھی اس میں نہیں ہو سکتا کیا چھا تو ان مولوی محمد حسین آزاد اس اثبات کا سلسلہ بیان کر دیتے ہیں
 مولف نے اپنے ویساچ میں بیان کیا ہے۔ ۱۔

یہ کتاب ہم نے دو حصوں میں لکھی ہے، یہ پہلا حصہ ہے جس میں سلاطین نامدار امراے عالی مقبلہ اور شعراے ممتاز
 معقار کے حالات لکھے گئے ہیں، دوسری جلد میں فرشتہ و شرکا کا تذکرہ ہو گا۔

اس دوسری جلد کے متعلق ہمیں کوئی اطلاع نہیں کہ لکھی گئی تھی یا نہیں +
 مولف نے شرکا کا کلام جو بعد انتخاب کے بیچ کیا ہے اس میں اتنا تعریف کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کے کلام چھپ چکے ہیں ان کے
 انتخابی کلام کو پیش کرتے کم کو پہلے عرف اعلیٰ دہ کے مشارکے ہیں، مگر جن شرکا کا کلام نہیں چھپا ان کے کلام کو
 مجھ پر عیسیٰ ہی رہے دیلے۔ خود مولف نے اپنے کلام سے صفحہ کے صفحہ تک دئے تھے، اس میں بھی انتخاب کیا گیا ہے +
 اب اس تذکرے کے متعلق اس قدر اور کہنا باقی ہے کہ اس کے طبع ہونے سے اردو لکچر میں ایک قابل قر
 اضافہ ہو گا، اور جو لوگ اردو زبان کی ترقی کے خواہش مند ہیں وہ ضرور اس کی اشاعت میں کوشش فرمائیں گے +
 { محمد تقی بی۔ اے (پرنسپل مدرستہ امینیا)
 { حمید آبادی و کمن، اکتوبر سن ۱۹۰۸ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رحمائی اور زیبائی، دلبران سخن کو اُس زینت آفریں کی حمد سے حاصل ہے، جس نے معشوقانِ زبانِ ریختہ کو یہ لباسِ بوقلموں رنگ پہنایا۔ دلربائی اور رنگیں ادائی، ناز و دُشَانِ ناطقہ کو اُس بے نیاز کی ثنا سے شامل ہے، جس نے محبوبانِ کلامِ اردو کو زیورِ الفاظ عربی اور فارسی کی آرائش کے ساتھ خزامِ ناز سکھایا۔

شنا اور حمد ہے اُس ذوالنہن کو	یہ بخشی جس نے رنگینی سخن کو
چمن کے ہم نے معنی کی جولی باس	تو ہر گل کی نئی بو ہے نئی باس

سرسبزی اور شادابی، چمن بیان نے اُس بہارِ گلشنِ نبوت کی نعمت سے پانی، جس کی آبِ یاری فیضِ عام کے باعث خارِ خاںِ نظم و مخراشِ اردو کا رشکِ رُگبِ گل ہے۔ تروتازگی اور سبزیِ گلبنِ معانی کو اُس رونقِ گلزارِ رسالت کی توصیف نے حفاظِ ربانی، جس کی نسیمِ نعمت کی موجِ زنی سے ہر فقرہ پریشانِ نظمِ ریختہ کا سریتِ سنبل ہے۔ قطعہ

روحِ للعالمیں جسے سنی ہے اُس کی ذات	گری خورشیدِ محشرے نہیں کچھ بیم ہے
گوہِ ماسِ جرمِ ہم کو آتشِ منہ دہوں	وہ شفعِ اپنا ہے، تو گلزارِ اہمہ، یہیم ہے

۱۵ اس صدمہ میں تھینے، اس جہالت پر ہے، یہی کہہ چن کی جہم ہے باس لی، اس دنیا میں خوشبو سونگھنا۔

آبداری تیغ زباں کو اُس جو شہر شیر شجاعت کی منقبت نے بخشی ہے، جس کی سیف دشمن گداز کے مضنون نے دھمکتا آبدار کبشار تہ ذوالفقار کا۔ اور وسعت میدان سخن طرازی کو اُس شہسوارِ مہدیکہ تازی کی ترفیع نے عطا کی ہے جس کی کشت گلگوں کی تحریر سے کیت نامہ کرتا ہے صوف کا ذکر توجہ بخیر ہوگا

ہے گلستانِ ولایت کا وہ باب	تذکرے کا علم دیں کے انتخاب
لفظ و معنی صریح آتش کا ہے	سطیع و لکش بیاض دیں کا ہے
درہم اللہ سر لوجِ نجات	شاہ بیت کلیاتِ کائنات
اور فرزند اُس کے عالی دوماں	تاجناب حضرت صاحبِ نماں
آلِ پیغمبر اور اصحابِ کرام	ہو زولِ رحمت اُن پر اور سلام

بعد حمد اور صلوة کے، رنگ دینے والوں کو کہن بیان کے معلوم ہووے، کہ شاہ گیتی افروزِ روشن ضمیر، شاہِ عالم بادشاہِ قازمی کی بادشاہت میں، اور شیخِ شہستانِ دولت و اقبالِ فزیرِ عظیم ہندوستان نوابِ وزیر الممالک آصف الدولہ آصف جاہ بیگی خاں بہادر ہنرِ جنگ کی وزارت میں، اور رونقِ بزمِ انصاف و عدالت نوابِ عماد الدولہ امیر الممالک گورنر جنرل دارنِ ہمیشہ جلاوتِ جنگ بہادر کی ریاست اور امارت میں، علی ابراہیم خاں مرحوم نے ایک تذکرہ شعر کا ہند کا جہارتِ فارسی میں لکھا ہے، اور نام اُس کا گلزارِ ابراہیم رکھا ہے جس کا ذکر گیارہ سو اٹھانوے ہجری اور ایک ہزار سات سو چار سی ہجری میں وہ تذکرہ تمام ہوا۔ مشہور یوں ہے کہ بارہ برس میں سرانجام ہوا۔ رفتہ رفتہ جب سرِ طبقہ بزمِ مکتہ دانی، رونقِ افزائے مغللِ معانی، سخن کی جان اور سخن دانوں کی قد و دان، صاحبِ والا مناقب، سرِ گلرشتِ صاحب کی نظر مبارک سے گذرا

۱۷ یعنی ذوالفقار کا رتبہ بڑھا

۱۸ اس ہندوستان کے مذہبِ جہلی کے عبارتِ خطِ ہمال کہتے تھے، جو اس کو فوجِ حق پر تفریس، استعمال کرتے تھے۔

۱۹ یہی گلرشتِ صاحب ہیں جن کے ایسا سہرا من صاحب نے چاروں پیش کشی۔ یہ حقیقتِ اردو زبان کا

تذکرہ ہی شخص ہے ۱۷

از بس کہ شاعر دل کا احوال اس میں مجھ لکھا تھا، ایک مدت سے صاحبِ مالی حوصلہ کخیال اس بات کا تھا کہ اگر بیان اس کا مفصل زبانِ ریختہ میں کیاجائے، تو خوب ہو، ادھر ایک شاعر کی پوری پوری غزل اپنا جلوہ دکھائے، تو نہایت طبع کے مرغوب ہو۔ مبتدی اس سے بڑا مزہ پائیں گے، اور نو مشق کیفیت بہت اُٹھائیں گے۔

چنانچہ اس خیر خواہ غنی و جلی، میرزا علی کو کہ کہ لطفِ مختص کرتا ہے، نہایت محبت و اخلاق سے فرمایا کہ تو اگر تنہا ہی اس مقدمہ میں کرے، تو ہم اس تذکرے کو اپنی طرزِ لکھیں۔ اگرچہ یہ پابندِ لغت کا اس ایام میں ارادہ حیدر آیا و کی سیکھا لکھتا تھا، لیکن اس خلقِ مجتہد کے اخلاق کا کیا بیان کروں کہ اس مضمون کو اس وقت اس غوی سے ادا فرمایا، کہ مجھ سے سوائے اس بات کے اور کچھ بن نہ آیا، کہ میں لاکھ جان سے حاضر ہوں، اور ایک سرِ مو آپ کے فرمانے سے نہیں باہر ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ خلقِ بھی سحرِ ملل ہے، جن لوگوں کا یہ آئین ہے اُن کا خوشحال ہے بغرض معائنہ دلی اُس صاحبِ مالی تدبیر کا یہ معلوم ہوا، کہ ان فارسی کتابوں کے ہندی متر کر دینے سے مراد ہمیں یہ ہے کہ صاحبانِ انگریز تازہ دلایت سے جوتے ہیں، ہم اُن کی تربیت کے لئے ساما یہ خونِ جگر کھاتے ہیں، تاکہ اُن کے ذہن میں آسانی سے یہ عبارت آوے، اور اُن کی طبیعت اُس سے بخوبی مزہ اُٹھاوے۔ تو بس لازم ہے کہ اس عبارت میں لفظ عربی اگر آوے، تو ایسا جس کو مبتدی دیکھ کر کہیں سبحان اللہ۔ اور لفظ فارسی جگہ پاوے، تو ایسا جس کو نو مشق پڑھ کر کہیں مواءہ آمید جناب اقدس الہی سے یہ ہے کہ اس طور پر سرانجام اور مقبول بنکا و خاص و عام ہو۔

الحمد للہ آج کے دن تک کہ سالہ بارہ سو پندرہ ہجری اور اٹھارہ سو ایک مطابق عیسوی

سالہ اس فقرہ سے انماز کرو کہ اس وقت کے اہلِ قلم سادہ اندک لکھنے کو کس قدر ضلالتِ شان سمجھتے تھے۔ مصنف صاحبانِ انگریز یہاں تک کہتا ہے کہ ان کی قلم سے اس نے یہ وقت گوارا کی ۳

کے ہیں، عہد سلطنت قائم ہے ایسے بادشاہ روشن دل خدا پرست سے، جس کی شہریت میں کے سامنے دینی گدائی اور غلٹ شاہی برابر ہے، اور نظر معرفت اثر کے رجوع مساوی کلام فقیر اور تلج اسکند ہے۔ تخت نشین بارگاہ سرفروزی، شاہ عالم بادشاہ غازی، قائم رکھے اللہ تعالیٰ اس شاہ و بے آزار کو، اور زیادہ کہے اُس کی قدرت اور اقتدار کو۔ اور بھل مسند وزارت کو زیب اور زینت اُس رونق بخش بزم عیش و کامرانی سے ہے جس کی مصلحتیں و نشاط کی غیرت سے تعجب نہیں ہے کہ زہرہ خرقِ حرقِ پیشانی میں ہو، اور مشتری مانند آئینہ کے گرفتار بند حیرانی میں۔ ساغر نوش غمان دولت و اقبال، مخمور بادۂ جاہ و جلال، بین الدولہ ناظم الملک سعادت علی خاں بہادر مبارز جنگ، ساتی روزگار جام امید کو اُس کے شرب مراد سے پھلکتا رکھے اور اس ایام فرخندہ فرجام میں مصلحت حکومت اور ایالت اُس امیر صاحب تدبیر سے رونق پذیر ہے، جس کی ہمارے گلشنِ عدالت میں تحقیقات ہے چاک گریبان گل کی، اور پریش ہے نالہ و نوحہ ایش ببل کی، کہ گل گریبان کیوں چاک ہے؟ اہل ببل کی آواز کیوں مدد ناک ہے؟ سوسن کی زبان بندی سوسو بار مہوتی ہے، اور زرخس کے احوال کی تلاش ہے کہ راتوں کو کیوں نہیں سوتی ہے؟ اس زبان داری پر کیا باعث ہے سوسن کی بے زبانی کا؟ اس چشم غماری پر کیا موجب ہے، زرخس کی حیرانی کا؟ قمری کے طوق گردن کی جست و جوس ہے، اور صد اُس کی توجہ کو کوس ہے، اُس میں گفتگو ہے، کہ کسی چیز کا اس کی گم ہونا ثابت ہوتا ہے لفظ کو کو کی تکرار سے، گلا اس کا باندھا گیا کس تقصیر کے اقرار سے غنچ کی ٹھری کو نیم بے اجازت ہمار کے کھولے، تو صاحبِ تقصیر ہے، اور زرخس کو گل کے خزاں مٹی سے بھی ٹٹولے، تو واجب التذہیر ہے۔

سچاں کہ مصلحت اور انصاف ویسا کہ جس کا شکل بیان ہے مصلحت اور فراست ایسی کہ جس

میں قاصر زبان ہے اسطو کو سامنے تقریر کے دعویٰ فاضل دبستانی کا، اور اقلاتوں کو رو بردہ تحریر کے
 انہماک چھپانی کا۔ یہاں تک تو اُس کی قدروانی سے اب علم کا رواج ہے، کہ ملکیت جل جاہلوں
 کے ہاتھوں سے ہوتی جاتی تاراج ہے عیاں حکم نے اُس کے وہ مدرسہ عالی شان بنالیا ہے۔
 جس کے بام عرش مقام کی پہلی سیز می اگر ساتویں آسمان کو کہتے تو بجائے کرسی شاہ نشین کی
 گمنام عرش نشانی کا رکھتی ہے۔ نسبت اس کو بیت الشرف آفتاب سے کیونکر دی جا سکتی
 ہے۔ صفائی کو دیوار کی دیکھ کر قطعاً آئینہ ہی حیرت سے نہیں پشت بردیوار ہے، بلکہ شرمندگی
 سے پانی پانی گوہر آبدار ہے۔ تفریف سے اُس امیر عالی منزلت کی عمدہ برآ ہونا محال نہیں ہے
 زبان کی، اور توصیف سے اُس والا مرتبت کی نکتہ سر ہونا طاقت نہیں ہے بیان کی۔ شہسوار
 معرکہ دشمن ستیزی، سر معلقہ گرد و خرد پر زدہ انگریزی، زبدۂ نوبۂ بان، کیم لسان، مشیر خاص حضور
 فیض محمود بادشاہ کیوان بارگاہ و انگلستان، اشرف الاشراف مارکولیس دہلی، گورنر جنرل بہادر
 ناظم ممالک محروسہ سرکار کپٹنی انگریز بہادر، و میر اعظم عساکر بادشاہی و سرکار کپٹنی متعلقہ کشور ہند،
 فدوی شاہ عالم بادشاہ غازی۔ عمد دولت میں اس عالی جناح کے از بسکہ آرام اور چین ہر ایک
 شخص کے نصیب ہے، اور عز و وقار اہل علم کے قریب، موافق حکم اس صاحب والا مناقب کے،
 کہ نام نامی اور اسم گرامی اس کا اوپر مذکور ہو اسے، اس ہیچوان نے یتہ کو لکھا، اور نام اس
 کا، بہ وجہ ارشاد اس صاحب ممدوح کے، گلشن بہند رکھا۔

اگرچہ احتیاج تاریخ کے نظم کرنے کی نہ تھی، کس واسطے کہ نثر میں سنہ ہجری اور عیسوی دونوں
 کی کیفیت لکھی ہے، اور علی ابراہیم خاں مرحوم نے شاید یہی سمجھ کر گلزار ابراہیم میں تاریخ نظم سے
 چشم پوشی کی ہے، لیکن یہ نہ چاہئے، کیونکہ نسبت نثر کے نظم پر ہر ایک شخص کان دھرتا ہے
 اور حافظہ اس کو بہت جلد قبول کر لے، قہج کیا ہے کہ اس کا اشتہار ہو، اور اہل سخن کی زبان پر
 اس کی تکرار ہو، تو جس کو سنی سنائی بھی یہ تاریخ یاد ہوگی، اس کو بہن دیکھے اس تذکرہ کے معلوم اس کی
 بنیاد ہوگی۔ بارہا صفات کے اشتہار سے ذات کو شہرت ہوتی ہے۔ اس فائدہ کے واسطے تاریخ

تکم اس کی اس طور پر لکھی گئی ہے۔ قطعہ

ہر ایک گل ہمیشہ بہار، اس حدیقہ کا	کتا سے یوں خزاں سے کہ تو کیا پشت ہے
حیراں پھر میں بے سرو پا ہمن اہل	تاریخ اس کی جسے کڑی شایہ بہشت ہے

گلگشت کرنے والوں سے چمنستان نازک خیالی کے پوشیدہ نذر ہے، کہ اس مخمبہ حدیقہ بے استعدادی نے حسب الارشاد صاحب عالی شان مرقوم القصہ کے گلشن ہند کی دو جلدیں کی ہیں۔ جلد اول یہ جو تحریر کی جاتی ہے، اس میں حشر پر دازیاں سلطین نامدار کی، اعد گوہاریاں دزرائے والاتبار کی، اور خوش استعدادیاں اُمرائے عالی مقدار کی، اور سخن تراشیاں شعرائے صاحب وقار کی، جو کہ نام آور اور صاحب دیوان تھے، بیان کی گئی ہیں۔ اور جلد دوم میں مذکور کئے گئے ہیں شعرائے گم نام وغیرہ مشہور، یا وہ نومشتق کہ ہنوز نہیں تمام کر چکے ہیں کہانی شمع دہداند اہل دلیل کی۔ توفیق اس کتاب کی تاحی میں اس ہیج نکل سے چاہتا ہوں، کہ جس کی طرف رجوع ہے جزو نکل کی۔ جل جلالہ و ہم ذل۔

باب الف

۱۔ آفتاب

آفتاب تخلص، نوریز جابنابی، میر بہر صاحب قرآنی شاہ عالم بادشاہ ابن عالمگیر ثانی شاہزادگی میں گوہر مصنف سلطنت کا نام عالی گوہر تھا۔ اسی ایام میں حماد الملک کے خون سے دلی سے مٹنے، اور بعد بہت آغاگی کے نجیب خاں کے یہاں، کہ سردار قوم افغان کا تھا اور نجیب الدولہ خطاب رکھتا تھا، خطر حیات الہی کے ہو کر ٹھیرے۔ اس میں بعد ایک مدت کے محمد قلی خاں، بھتیجے نواب صندر جنگ کو، کہ ناظم صوبہ آباد کا تھا، حوصلہ بھکا لہ کی تسخیر کا دامن گیر ہوا۔ مشورے سے نواب شجاع الدولہ کے، کہ وہ باطن میں محمد قلی خاں کے برابر کرتے کا ارادہ رکھتے تھے، خاں مذکور نے شاہزادے کو نجیب خاں کے ہاتھ سے بلوا کے، اور سیاح حزم کا ٹھیرا کے، آپہنچ

فوج کے رکاب سعادت میں داخل ہوئے، امداد آباد سے کوچ کو کے قریب عظیم آباد کے آ پہنچے اب آگے رام نرائن، عظیم آباد کے نائب نظامت، کا بے حواس ہو کر محمد علی خاں کی معرفت حضور میں شاہزادے کے حاضر ہونا مشہود ہے، اور پھر گڈ کچند مدت قلعہ میں عظیم آباد کے بندہ ہو کر لڑنا، یہ بھی تو اس سچ بنیوں کی نگاہ سے نہیں مستور ہے۔

ابھی محمد علی خاں قلعے کو لگے ہی ہوئے تھے، کہ اس میں بھاپک چند روز کے شہر جو محمد علی خاں اور میرن کی آمد آمد کا واسطہ رام نرائن کی ملک کے مع کریش لکھن بہادر ثابت جنگ کے مشرق کی طرف سے، ہوا۔ محمد علی خاں نے ان کی لڑائی سے عمدہ براہ ہونے کی طاقت اپنے پیچ میں نہ پا کے، پیش از ان کے داخل ہونے کے، کوچ بنارس کی طرف کیا، اور شاہزادہ عالی تبا عالی گوہر نے، کرم نام سی کی بند بستی سے، کہ صوبہ عظیم آباد کی سرحد میں ہے، مقبوض کر کے تھوڑی دور گئے تھے، کہ باپ کے مارے جانے کا احوال اس طور سے سنا، کہ مدی قلی خاں کشمیری، علی قلی خاں کے بھائی نے، کہ رفیق عماد الملک کا تھا، حسب الارشاد اپنے آقا کے حضور اعلیٰ میں عرض کی کہ ایک فقیر بہت بڑا صاحب کمال فیروز شاہ کے کوشل میں آ کے اترتا ہے، حضرت کو ملاقات اس سے کرنی ضرور ہے یہ حضرت یہاں سے اہل گرفتہ، حکم میں تو عماد الملک کے تھے ہی، اپنے پاؤں سے آپ قبہ میں تشریف لے لئے حوال فقیر کہاں تھا، کئی ایک خوشخوار جفا کارا بے شرم اور بے رحم اس ٹھکرے میں بٹھا رکھے تھے، جانے ہی اس بے گناہ کو پیش قبضوں سے مار کر لاش کو اوپر سے ریتی کی طرف کر دیا۔ شاہزادے نے سُننے ہی اس خبر کے، کھٹوٹے میں پہنچ کر موافق مطالبہ خاندان بابر کے ساتھ گیا، سو تتر بھری میں القاب مر شاہ عالم، کے ساتھ تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔ اور قلمدان وزارت کا مع خلعت جلد نواب شجاع الملک کے واسطے بھجوا دیا۔ ساتھ ہی اس کے خلعت امیر الامرائی کا، کہ عبادت میر بستی گری سے ہے،

اس میں توپ اور ہندوق تو بند ہوئی گئی تھی، کامگار خاں مع اپنی فوج کے جو ایک طرف سے بیٹھا، تو برابر رام نرائن کے جانگلا لوگ رام نرائن کے، از بسکہ ولیر خاں کی لڑائی کھائے ہوئے تھے، دوبارہ کامگار خاں کے مقابلے کی طاقت نہ لاکے پہا ہوئے۔

رام نرائن نے مقدمہ بے ڈول دیکھا، عین لڑائی میں کپتان کا کری صاحب کے کھلا بھیجا کہ آدھے لوگ اپنے میری کمک کو بھیجئے، کپتان مذکور نے موافق حکم نائب نظامت کے اپنی فوج کے دھتھے کئے، اور آدھے آدمی ادھر بھیج دیئے۔ لیکن لوگ ان کے بھی تو لڑائی کی محنت اٹھا چکے تھے، اور جس قدر چاہتے تھے جی لڑا چکے تھے، کچھ کام بن آیا، اور کسی طرح سے بندوبست نے لڑائی کے انتظام نہ پایا۔ چنانچہ کامگار خاں نے گھوڑا رام نرائن کے ہاتھی سے ملا دیا، اور اتنے تیر اور نیزے مارے کہ اپنی دانست میں انہوں نے مار لیا، لیکن اس مدبر نے زخمی ہو کر جوسی میں لپٹ جانے کو غنیمت جانا اور تختوں کی آڑ کو وسیلہ زندگی کا گردانا۔ غرض لڑائی بگڑ گئی، بہت سے لوگ رام نرائن کے ساتھ کے مارے گئے، اور کچھ تھوڑے سے لوگ بھاگ بھی بچا نہ گئے۔ مئی مہر مع رحم خاں اور غلام شاہ کے، کہہ ہاں فوج کے تھے، کامگار خاں کے ہاتھ میں گن قنا ہوئے۔ احمد خاں قریشی اور مراد خاں، بینا بہرام خاں پلچ کا، بھاگ کے رام نرائن کے شریک، عظیم آباد کی طرف قدم گزار ہوئے۔ شاہ عالم بادشاہ غازی نے فتح اور نصرت کے ساتھ کھیت پر ڈیرا کرنے کا حکم دیا، اور بھاگے ہوؤں کا بھیجا مطلق نہ کیا۔ اب آگے بیان ساتھ تفصیل کے موجب مدلول کلام کا ہے۔

مختصر یہ کہ آج کے دن تک، کہ ۱۲۱۵ھ بارہ سو پندرہ ہجری میں، اور جلوس مبارک کو سنہ بیالیسواں ہے، وہ اورنگ نشین بارگاہ جاہ و جلال تخت سلطنت پر ساتھ عیش و نشاط کے حکمران ہے۔

سنہ تیسویں میں عہد سلطنت کے، مشہور علی خاں ناظر کی بے بسیہی شیخ غلام قادر خاں

زیلے نے جو کوئی کی ہے مفصل بیان اس کا مضمتے، اور نہایت ترک ادبے۔ لیکن حضرت نے خود اپنی زبان بلاغت بیان سے اس رواد کو اس تفصیل کے ساتھ نظم کیا ہے، کہ اور کسی بندہ آستان دولت کی کیا مجال تھی کہ اس واردات کو اس بے ادبی سے زبان تک لاتا تا زبیکہ وہ غزل فارسی ہے، داخل کرنا اس کا بیچ کتاب کے خلاف آئین شرمندی کے معلوم ہوا، اس واسطے تینتا و تیر کا اس غزل کو حاشے پر کتاب کے لکھا ہے، اور ترجمہ اس کا لفظاً باللفظ کر کے اس طرح داخل کتاب کیا ہے نظم

حادثے کی اٹھی آمد می جومی خوانی کو	دم میں پر باد کیا میری جان داری کو
<p>مرصہ حادثہ رخاست پنے غولہی ما آفتاب فلک رصیت شامی ویدیم چشم ماکندہ شد از دست فلک بہتر شد داد افغان بچہ شوکت شامی بر باد بود جانگاہ زرد مال جہاں ہموں مرض کرہ بودیم گنہ سے کہ سزایش دیدیم کوہ نئی سال نظارت کہ داد و بیاد حمد و پچیاں بہ بیباں داد و نمود و وفا شیر داد و امی بچتہ را پر و روم حق افغان کہ پسی سال فراہم کر دیم قوم غلیتہ و افغان ہمہ بازی و بلند ایں گدا زادہ ہمہاں کہ بد و فخر ہند محل محمد کہ نہروان بہ شہادت کہ نیست نامہ داد و سلیمان و بدل یکہ ہیں</p>	<p>داوود و سرور برگ جہاں داری ما - ہو در شام زوال آہ سیہ کاری ما سمانہ بینم کہ کند غیر جہاں داری ما کیست جز ذات نہ اکند یاری ما دفع از فضل الہی شدہ بیاری ما ہست مصروف کہ غشتہ گنہ کاری ما زود دریافتہ پاداش ستم گداری ما مخلصاں خوب نمودند وفا داری ما عاقبت گشت مجربہ گرفتاری ما کردہ تاراج و نمودند سبک باری ما بسکہ گشتند مجربہ گرفتاری ما بانی جوہر ستم شدہ بدل افکاری ما چہ قدر کرد و کالت پنے آزاری ما ہر سہبتہ کہ بر گرفتاری ما</p>

بس کہ غور شد کولازم بہ طلوع اور غروب
آنکھیں غلیں تو بہ خوب کردیکھو کا میں
مملکت کا بھی خیال ایک مرض تھا جانکا
کی اس افسانہ بچے نے شوکت شاہی ریا
جو کئے تھے گنہ من سب کی نہ رکھیں
جو تھا بتیں برس سے مرے گھر کا اندر
بے گناہی نے میری اس تمہیلو کتنے میں
حق طفلان جو ہوا میں برس میں مغل
قوم افغان وغل سب نے مجھے ہانی ہی
عہد و پیمان کئے اس میں، بھلا حق تک
تھا جس افسانہ بچے کو دود پلا کہ پال
تازینیں میری ہمد جو قہیں یاں ایت
آصف الدولہ اور انگریز ہیں سیر دل سوز
مادھوجی سیندھیا فرزند جگر بند کے مات

شاہ تیمور کہ دارو سہ نسبت یامن
مادھوجی سیندھیا فرزند جگر بند کے مات
آصف الدولہ و انگریز کہ دستور سن اند
راجہ وراو زمیندار امیر و چھوٹے
تازینا پری پری کہ ہمد جو ہوند
گرچہ ماز فلک ام و زحواوٹ دیدیم

زود باشد کہ بیاید ہمد گاری ما -
ہست معروف تلافی ست گاری ما
چو عجب گز بسماں ہمد گاری ما
حیف باشد کہ نہ ساند بہ غم اہی ما
نہست جز محل مبارک بہ پرستاری ما
باز فرادہ ایزد سہ برداری ما

۱۵ یعنی سولے خاک کے ۱۲ ۱۵ یعنی یہاں صرف سبکداری اور ہتھیلی ہی چھو گئے ۱۴

کوئی پہنچا دو خبر حال کی میرے، کلام	شاید آنکھ مجھ سے خبر ساری کو
شاہ تیسرے سے ہے اک نسبت مجھ کو	دور کیا ہے جو کرے دور دل آزاری کو
راجہ و راز میندار امیر اور فقیر	چاہئے مجھے سعادت میری غمخواری کو
آفتاب آج فلک سے کیا گرے سرو پا	بغٹنے کا کل تجھے حق پھر تری سہواری کو

حضرت جہاں پناہ کے مزاج مبارک کو نہایت نظم کی طفت التفات ہے، اور بشیر شعل اشعار میں کثمتی اوقات ہے۔ ان شعروں کو اس جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں +

کچھ ہم بھلا کیوں کرنے شکوہ یار کا۔	ہم تو بندے اُس کے ہوں، وہ یار ہو اخیل کا
خانہ دل کو بھلایا اک نگہ سے اُس نے آہ	ہو جو یار بھلا اس چشم آتش بار کا
صاف کل آنکھیں تری کتنی تھیں عاشق سے پکا	کر سکے عیسیٰ مداوا اپنے کب بیمار کا
خون ہووے گا گلوں کا دیکھنا ہرگز صبا	نام مت لینا چمن میں اُس بت خرخر کا
زلف تیری دیکھ کے زاہد رگ جاں سے بنا	جاننا ہیگا سعادت باندھنا زنا رکا۔
کب ترے عشاق بیخیں چشمیں طوبی	یا د آوے دل میں جب سایہ تری دیوار کا
دیکھ کر گل بن میری یوں لگا کتنے ملیب	کوئی بھی جانے ہوا بیسما اس آزار کا
صرف کعبہ میں نہ کراؤ اوقات کو ضائع پوشیخ	دھونڈھ جا کر ہر طرف نقش قدم و لہر کا

اس قدر افسانہ وہ دل کیوں ان دنوں ہے آفتاب
دیکھ کر جوتا سے تنجہ کو تنگ دل گلزار کا۔

صبح اٹھ جام سے گذرتی ہے	شب دل آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر نہ اب نہ	اب تو آرام سے گذرتی ہے

۲۔ آصف

آصف تخلص، نور کو کب ہمت اور شجاعت کا، خورشید آسمان مر و مت اور سخاوت

کا، نواب آصف الدولہ وزیر الممالک آصف جاہ کی خاں بہادر بہر پر جنگ، خلف نواب شجاع الدولہ مقتور کا ہے، اور پوتا نواب ابونصور خاں صفدر جنگ کا۔ بعد وفات شجاع الدولہ کے کہ گیارہ سو ساسی سالہ بھجری تھے، اور شاہ جہاں پناہ شاہ عالم بادشاہ غازی کے عہد سلطنت کو پندرھواں سنہ تھا، بلکہ فیض آباد میں، کہ قدیم نام اس کا بنگلا ہے، سند وزارت کو زینت اس عالی تبار نے بخشی ہے۔ از بسکہ رسم کہن ہے کہ بادشاہ اور وزیر واسطے نام کے، عہد حکومت اپنے میں، نئے شہر کے آباد کرنے کی تلاش کرتے ہیں، اور وہاں مقرر ہو دو باش کوٹے ہیں۔ بعد چند سے ہی اس آب و رنگ گلشن وزارت نے بگلے سے کوچ کر کے خارستان لکھنؤ کو ہمارا قدم سے اپنے رشک شکوفہ زار کشمیر کا کیا۔ لکھنؤ کے تن بے جان میں گویا جان آئی، اور چشم بے نور نے بھارت پانی۔ پھر تو آبادی پر شہر کے عہد زمین کا جنگ تھا، اور معموری کو اس خراب آباد کی تشبیہ سے مفت تعلیم کی تنگ تھا۔ بسکہ اس بلند نظر کا اہل کہاں کی طرف میلان خاطر تھا، ایک ایک کمال کا ہزار ہا آدمی وہاں حاضر تھا۔ عمارت کی تعمیر پر طبیعت نہایت مصروف تھی، اور خواہش شکار کی فریج سے بشت مالوف تھی۔ ہر روز لازم تھا ایک عمارت تازہ کی بنا کا دھونا، اور ہر سال عین واجب تھا واسطے شکار کے دوسرے سفر کرنا۔ بے مبالغہ ہے کہ ہزاروں شیر مانند بکریوں کے مارنے میں آئے، یہاں تک کہ ان کی کھالوں کے منفعہ دینے والی شان بچو پہلی ہی گولی اس کے ہاتھ کی گیند سے اور مارنے کو تھا پیغام اجل کا، اور بڑے دانت ہو باقی کے بس یہی اس کے واسطے تھا دام اجل کا، مستک نہیں مست کی جب اس کا تیر بیٹھا، سو فار کا باہر نام نہ تھا۔ پہاڑ کو تنکے سے ٹالنا اس کے آگے کچھ کام نہ تھا۔ جگلی باہتی دنیائے اتنے مارے کہ آج دولت خانہ میں ایک عمارت عالی شان باہتی دانت کی موجود ہے جس کے ستون اوں سکڑیوں میں نام کو کہیں لکڑی کا نہیں وجود ہے۔ شجاعت کے سوائے سخاوت پر جب طبیعت آئی تو بہت حاتم کی دل سے خلایق کے بھلائی۔ ایک دن میں

لاکھ روپیہ سے شریف کمکی خد شگنڈاری کی، اور پہلے لاکھ روپے خرچ کر کے نجف اشرف میں نہ آصفی جاری کی۔ فیاض ایسا کہ جو کوئی سامنے کچھ لے گیا خالی نہیں پھرا ہے۔ بے مبالغہ ہے کہ خاک کی ٹمھی کو اکثر اکیس کی قیمت میں لیا ہے۔ اس میں کوئی گستاخ اگروس کی قباحت زبان پر لایا، تو وہیں بے مزہ ہو کر اس سے فرمایا کہ اتنی مروت کرنی اس شخص سے ہم نے مدت سے اپنے دل میں تھی ٹھیرائی، یہ چکی خاک کی جو اس سے لی یہنت میں پائی“ غرض جو کچھ چاہئے سب کمالوں کی جامعیت تھی۔ انوس یہ ہے کہ فوج اور ملک کی طرف سے غفلت تھی۔ نائبوں کے ہاتھ میں امالٹا ملک کا نہ انجام رکھا، آپ فطامیر اور شکاستہ کام رکھا، مشیر کوئی لایق اور کام کا نہ پایا، اس واسطے ساتھ عزم کے رتبہ نام کا نہ پایا پھیلے برس کل اس مہینہ میں سند وزارت نے حکمرانی کی، اور چین گیتی میں مانند گل غورید کے مقابل پر زرفشانی کی۔ آخر لام ازبک بکنچ ٹکشن دنیا کے ہمارا درخزاں آپس میں دست و گریباں ہیں، بیماری سے استسقی کی سالہ بارہ سو بارہ جوبی میں، کہ سلطنت کو شاہ عالم بادشاہ غازی کے چالیسواں سنہ تھا، اٹھائیسویں تاریخ ربیع الاول کی، پہر ڈیڑھ ایک دن رہے، حکو عارضی کو ملک فنا کی چھوڑ کر کارفرما فی اقلیم بقا کی اختیار کی۔ راقم آثم صغیر سے ملازموں میں اس آستانہ دولت کے مع رسالہ فرماز تھا، اور افراط عنایت اور الطاف سے اس کے ہم چشموں میں اپنے مہر و امتیاز تھا۔ اس شمع شبستان وزارت کی تاریخ وفات کا شعلہ اس جگر کباب کے ٹکھن طبع سے یوں آتش فشاں ہوا ہے **قطعه**

آصف الدولہ جب جہاں سے گیا	آگ جہاں بے دل و دماغ ہوا :-
جام عمر اس کا بھرتے ہی بسیر	خسلی کا عیش کا ایام ہوا
دشمنوں کا دل آتشیں غم سے	دوستوں سے زیادہ دل نہ ہوا
سراں تاریخ کا خیال کسے	خشک شعرو سخن کا باغ ہوا

ہوئے یوں دور کر کے پائے عناد
آج گل ہند کا چسپ لعل ہوا

یہ اشعار اس عالی جنا کے مشہور ہیں +

ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے ایسے بیٹھے کہ پھر نہ وہاں سے گئے سینواک دن کہ جسم وہاں سے گئے نام سے گزرے اور نشاں سے گئے اب تو ہم طاقت و تواناں سے گئے	جس گھڑی تیرے آستان سے گئے تیرے کوچہ میں نقش پا کی طبع شمع کی طرح رفتہ رفتہ ہم عشق! باتوں سے تیرے کیا کہنے ایک دن ہم نے یار سے جو کہا
--	--

ہنس کے بولا کہ سنتا ہے آصف
یوں ہی کہہ کہہ کے لاکھوں یاں سے گئے

دل ہمارا خانہ "الہ گھر" مشہور تھا آباد ملک دل وہ یارو کہاں رہے گا آصف نہ چھٹے عشق بتاں دل ہمارا شوخی چٹم کی شہرت کو تری سن سن کر مرے دل کو زلفوں میں بچھیرے گیو مرے دل نے زلفوں میں مسکن کیا جس جگہ آندو گرے ہے آبلہ پڑ جائے ہو پوچھتے کیا ہوش بچہ کی حالت یارو آصف نہ چھوڑ دست سخاوت کو زینا یاں تلک لعل نبوت دل کھائے برکس ہزاروں مرے جیتے دیکھے یہ بات کرتے	دلہ سو بتوں کے عشق میں اب وہ بھی بچتا ہے دلہ جس جہاں درو و عزم کانت کارواں ہو گیا دلہ موبار اگر پھر بھی بناویں اسے گھر کر دلہ شرم سے بلغم میں زکس نے پھیلائی نکھیر دلہ یہ دیوانہ اپنا ہے تہہ بے سیر کیو دلہ یہ مہاں ہے اسے شانہ، توقیر کیو دلہ آجے آتش ہوئی کیوں کر کہم کیا جانے دلہ میں ہوں، اوردات ہے، اوردتہ تنائی دلہ لایا ہے کچھ نہ ساتھ نہ جائے گا تو لئے دلہ سر سے پاکل یک گو یا صورت طاووس دلہ لب بجزیاں میں تیرے شاید آب حیاں
--	--

۳۔ انجام

انجام مختص، عمدۃ الملک خطاب، نواب امیر خاں نام، والد ماجدان کے عمدۃ الملک نواب امیر خاں ہیں، کہ جو عالمگیر غلہ مکان کے عمدۃ سلطنت میں زینت بخش مسند امارت کے تھے۔ سلسلہ نسب شریف کا اس عالی خاندان کے میر میراں نعمت الہی کو، کہ سلاطین صفویہ کے ساتھ نسبت ہو رہا تھا رکھتے تھے، پہنچتا ہے۔ بزرگ ان کے ہمیشہ ایران میں صدر نشین تھے محض غزو و قار کے، اور ہندوستان میں بھی ہمیشہ امن و عیس ہیں سلاطین نامدار کے۔ اس عالی و دومان کو شاہ عالم پناہ محمد شاہ سے ایسی صحبت برآ رہی تھی، کہ رشک تھا ان کے سب ارکان دولت کو، اور ایمان مملکت کو، حسد تھا۔ لطیف گوئی کی طرف طبیعت ان کی نہایت مصروف تھی، اور خوش طبعی سے مزاج بہ شدت مالوف۔ گردش چشم کے کچھ میں زمانے کے استاد تھے، اور شیریں کلامی میں اپنے وقت کے فریاد۔ موجود تازہ انداز کی تہ داریوں کے، اور اختراع کرنے والے چتون کی جادو کاریوں کے۔ لگانے میں دخل ایسا تھا، کہ استاد افسن کے دم شاگردی کا راستے تھے، اور ناوید کی باتوں میں بڑے بڑے گیانی ان کے آگے جی ہار تھے۔ بادشاہ کو ایسا اپنی طرف مصروف کر لیا تھا، کہ ایک دم کی جدائی ان کی جہاں پناہ کو شاق تھی، اور آٹھ ہر طبیعت ان کی طرف مشتاق تھی۔ لیکن موافقت و راندازی سے بد گوہی کی آخر آخر مبدل بہ غبار خاطر ہوئی، اور خاندان جان نہ باطن بلکہ بظاہر ہوئی بچنے لگا۔

۱۶۹ گیارہ سو اٹھتر ہجری میں ایک حکمران نے ان ہی نوکروں میں سے انہیں کے صحن صحن دولت خانہ میں بادشاہ کے قہر کیا، کہ اس روشن زبان کی زندگی کے چراغ کو ایک ہی جھوٹے میں کٹاری کے بھجوا دیا، اگرچہ اس نااہل کا بھی اسی جگہ لگ گیا تھا۔ لیکن انوس ہے نواب امیر خاں کا مارے جانا۔ اکثر اباب فہم کو گمان تھا کہ یہ اشارہ بادشاہ کا ہے اور امر جہاں پناہ کا ہے جب اس تک حرام کی لاش کو اٹھانے میں بادشاہ نے نہایت کرم

فرمایا، پھر تو عوام کو بھی اس گمان کا بے تامل یقین آیا۔

اس عالی طبیعت کو پہلی اور نگرانی کے کہنے میں مشق سے زیادہ تھی، اور اشعار اسی اور ہندوئی میں بھلی جنگی استعداد تھی۔ یہ اشعار اس ستودہ اطوار کے آئینہ گوش صفا رکھا ہیں

کیوں بلایا بھی نہیں کیا مجھ سے نادانی ہوئی	دختر رزم میں آشرم سے پانی ہوئی
کل محیط عشق کے صدموں سے پائی تھی نجات	کشتی دل بے طن کھنکھ آج طوفانی ہوئی
ہر پری تمثال جو آئینہ رکھتا تھا غنہ	ٹوٹے ہی دل کے مجھ کو سخت حیرانی ہوئی
کیا کہوں انجام میں اس عشق کے آنا زکو	دوستداروں کی محبت دشمن جانی ہوئی

غش سیری دیکھتے تھیں میں یوں کہنے لگے
”کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے چھپانی ہوئی“

نہ تو فرصت دے کہ نہیں نصبت کہیں ہم	ملہ مدقوں اس بلوغ کے سایہ میں تھکا بادل ہم
منہ تراکتے ہیں قتب سلیم حسن و عشق کے	تو ہی بتلا دے کریں کس سے تری فریاد ہم
دل تو ہے دل غلامی سے تری طاؤس دا	سانے تری کے گوہیں سوساں آرا ہم
اب کسی نے دل جلا یا مہربانی سے تو کیا	عمر مانند شرجب کر چلے برباد ہم

ساتھ اپنے سہ کے تھا انجام پاس نکلت
شکر ہے، تر پے نہ زیرِ غم جلا د ہم

۴۔ اُمید

اُمید تخلص، نام اصلی اس معدنِ کمالات کا مرزا محمد رضا ہے، رہنے والا جہان آباد،
ایام شباب میں وطن سے غربت اختیار کر کے واردِ اصغر آباد ہوا ہے، اور یہ ناطقِ ہر
کرد و حید جن کا تخلص تھا، نسبت شاگردی کی درست کر کے کسبِ کمالات کا کیا ہے۔ یہ
سلطنت میں غلامِ مکان کے ہندوستان میں آیا، اور اول بادشاہِ ہند میں بہادر شاہ

کے خطاب قزلباش خاں کے ساتھ رتبہ منصب ہزاری کا پایا، لیکن اس پائے سے ہمیشہ اس ایام میں شکوہ مندر رہا ہے، اور منصب ہزاری کے ضمنوں کو ایک بیت میں اس طرح سے موزون بھی کیا ہے۔

نشل بیل کے ہوں سدا نالاں یہ مر منصب ہزاری ہے

محمد معز الدین کے وقت میں کسی خدمت کی تقریب کے برآں پور کو گیا، اور صوبہ داری میں امیر الامر اسید حسین علی خاں کی اس خدمت سے تغیر ہو کر محبت بنیاد میں حاضر ہوا۔

اس جگہ تھوڑا سا احوال محل سید حسین علی خاں کی امیر الامر امی کا، اور صوبہ داری دکن کی جلوہ فرمائی کا، بیان کرنا ضرور ہے، کس واسطے کہ تغیر ہونا قزلباش خاں کا بخوبی معلوم ہوگا۔ جب کہ ۳۳۱ھ گیارہ سو تیس ہجری میں محمد فتح سیر اور محمد معز الدین سے لڑائی ہوئی، تو سادات بارہ نے کمال جانفشانی کی، چنانچہ سید عبداللہ خاں اور سید حسین علی خاں نے

مع اپنے بھانجے بھتیجوں اور رفیقوں کے، حسن بیگ خاں صف شکن اور زین الدین خاں بہادر خاں کے بیٹے کو، مع ان کے رفیقوں کے، شریک کر کے بلا جو کیا، تو زنجیر سے توپوں کے گھوڑوں کو لکڑی کے مقابل ذوالفقار خاں کے، کر میا، سد خاں وزیر کا تھا، جا پہنچے، اور گود گود کے گھوڑوں پر سے جیسی چاہئے تھی جاں نثاری کی، اور داورم داغی اور شجاعت کی دی۔ اس میں تو یہیں بند ہوئی گئیں تھیں، باقی فوج سے بھی تن دہی ہوئی حسن بیگ خاں صف شکن اور زین الدین خاں، بیٹا بہادر خاں کا، یہ دونوں سوار مع اپنے رفیقوں کے بہادری کا حق ادا کر کے، کام آئے، اور سید حسین علی خاں چہرہ کر کھیت میں بیٹھ گئے۔

اتنے زخم کھائے، بارے سادات کے سر لڑانے سے پانوں طرف ثانی کے اٹھ گئے۔ جو موئے سوئے، اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد معز الدین نے اپنی صورت بدل کر راہ دہی کی لی، اور محمد فتح سیر کو اللہ تعالیٰ نے سادات کی ننگ حلالی سے سلطنت عطا کی۔

نشل بیل ہمیشہ تلامذہ اور پور منصب ہزاری ماہ

سید عبداللہ خاں، بھائی کو زخمی کھیت میں چھوڑ کر، فوج کا تعاقب کئے چلے گئے ہیں، اور بادشاہ بعد ایک ہفتہ کے داخل دہلی میں ہوئے ہیں۔ اس جانبازی کے عوض میں بادشاہ نے سید عبداللہ خاں کو وزیر اعظم کیا، اور قطب الملک یا رونادار سید عبداللہ خاں بہادر ظفر جنگ خطاب دیا۔ اور سید حسین علی خاں کو بیہنجی ہونے کے سوا منصب ہفت نہری عنایت ہوا، اور امیر الامر اسید حسین علی خاں بہادر فیروز جنگ خطاب ملا۔ بعد اس فتح کے جو خدمتیں کہ ان سے ہوئی ہیں، اور جو تک حلالیاں کہ انہوں نے کیں ہیں مفصل بیان اس کتاب میں سوجب طول کلام کا ہے، اور کچھ متعلق بھی نہیں اس مقام کا ہے۔ غرض توجہ بادشاہ کی از بسکہ ان پر جس سے زیادتی، حاسدوں کو پس یہی عداوت کی بنیاد تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں بدگوئیوں نے ان کی طرف سے بادشاہ کے دل میں سیکڑوں شبہ ڈال دیئے، غضب تو یہ ہے کہ اس عقل مجتہم نے حاسدوں کے کہنے سے بے تامل مان لئے پھر تو دشمنوں نے تدبیر ان کے توڑنے کی بیٹھرائی، کہ پہلے لازم دونوں بھائیوں میں ڈالنی جدائی اس تقریب سے امیر الامر اسید حسین علی خاں کے واسطے تجویز صوبہ داری دکن کی ہوئی، اور نصرت حضور سے ملکہ گیارہ سو تائیس بھری میں اس مروت کے معدن کی ہوئی۔ ابھی دس کوں بھی دکن کی سمت کو نہیں تھی سواری گئی، کہ ساری دلی پکارنی تھی جنگ چھوٹا اور نزد ماری گئی، قصہ مختصر بعد کتنے دنوں کے، اور طے کرنے منزلوں کے، جب زبد اسے مجبور ہوا تو ایک فوج عالی شان لے کر واسطے لڑائی کے سامنے داؤد خاں ناظم برہان پور ہما، کیونکہ فرمان بادشاہی معرفت خان و دراز خاں کے اس کو آگے ہی پہنچ چکا ہے، کہ وضعیہ ہیں امیر الامر اسید حسین علی خاں کے اگر تھ سے قصور ہوگا، تو گنہگار حضور کا ہو۔ سبحان اللہ! یہ داؤد خاں وہی ہے، کہ اوائل سلطنت میں محمد فخر سیر کے امیر الامر نے اس کی جان بخشی کروائی ہے، اور احماد بادگورات سے اس کو باہر بھیجا۔ کہ سندھ صوبہ داری برہان پور کی حضور سے اس کے نام بھجوائی ہے۔ وہ حتی احسان فراموش کر کے جان بخشی کے عوض میں خاندان جان ہوا۔

چنانچہ ۲۰ گیارہ سو ستائیس بھری میں، گیارہویں تاریخ رمضان کی، لڑائی کا راستہ میدان ہوا۔ بعد بہت سی خونریزی اور کشاکشی کے داؤد خاں نے بندوق کی گولی کھائی، ہٹا ہستی کی گنوائی، اور امیر لالہ امیر وزیر جنگ نے ساتھ فتح اور فیروزی کے اورنگ آباد میں غل ہو کر من حکومت کی آرائش فرمائی۔ اس حرکت سے کبر بان پور کے ناظم سے بھئی تھی، آئے ہی اہل خدمت کبر بان پور کے سب تغیر کئے۔ اس تقریب سے قزلباش خاں بھی معزول ہو کر خدو میں حاضر ہوئے۔ از بسکہ سید قلم مجلس کا اس مجموعہ کلمات کو بہت بڑا تھا، اور مزق دانی میں اُمرا کے بہشت و غل رکھتا تھا، طرز خدمت اس کی امیر الامہ کو نہایت پسند آئی، اور داروغہی حکومت کرنا ملک کی واسطے تو قزلباش خاں کے قرار پائی۔ اس تقریب کے اکاٹ کو گیا، اور ایک مدت بھر وہیں رہا۔ بعد زوال دولت سادات کے، کہ وہ تھکے مشہور ہے، اور یہاں کچھ بیان اس کا نہیں ضرور ہے، قزلباش خاں نے رفاقت مبارز خاں کی، کہ ظہم حیدر آباد کا تھا، اختیار کی ۴

چنانچہ ۳۰ گیارہ سو ستائیس بھری میں، جب نواب نظام الملک آصف جاہ سے اور مبارز خاں سے میدان میں شکر کھینچی کے، کہ سات کوس اورنگ آباد سے ہے، لڑائی ہوئی، تو قزلباش خاں بھی ساتھ تھا۔ مبارز خاں تو سینا و جل کا پھر ہوا، اور قزلباش خاں دام ہستی میں پھنس کر دنگ ہوئے۔ بعد کئی دن کے ایک غزل نواب کی تعریف میں، اور اپنے خند تعصیب میں لکھ کر بھرائی۔ بندش اس غزل کی نواب آصف جاہ کو پسند آئی، پھر ہی دونوں میں پھر تو ایسی موافقت آئی، اسی وقت بوجہ حکم قید سے نجات ملی، اور جگہ قدیم بہتور سابق بجال ہوئی، اور تھوڑے ہی دنوں میں پھر تو ایسی موافقت آئی کہ قلعہ داری منی مرک کی نواب نے غلت فرمائی۔ یہ قلعہ ہے علاقہ میں کرنا ملک کے، وہاں ہیرے کی کھان تھی۔ چنانچہ کشندھوندی ہے، اس کے کنارے سے ہیر نکال کے وہاں ترستے ہیں چند مدت اس معدن معلنی نے ہیرے کی کھان کی داروغہ کی میں اوقات نہایت

آب و تاب کے برہی، اور اسی حصہ میں رخصت حج اور زیارت کی لی۔ بعد حاصل کرنے سے
 زیارت کے جو آیا، تو نواب آصف جاہ کو ویسا ہی توجہ اور عنایت کے ساتھ پایا جب کہ
 سند گیارہ سو پچاس ہجری میں نواب آصف جاہ حضور طلب ہوئے، اور شاہ جہان بابا
 آئے، تو قزلباش خاں بھی ہمراہ رکائے تھے۔ اس میں کچھ شورش مہنوں کی تنبیہ کے لئے
 مامور ہوئے، اور قزلباش خاں اس سفر میں فقط پاس رفاقت کر کے جدا والی سے مجبور ہوئے
 میر غلام علی آزاد تخلص، سر و آزاد جو ان کا تذکرہ ہے، اس میں لکھتے ہیں، کہ اس ایام
 میں نواب آصف جاہ کو بھوپال کے سفر کا اتفاق ہوا، تو فقیر بھی عازم بن کا تھا۔ اس سفر
 کے پہنچنے کو عنایات الہی سے سمجھ کر چلنا راہ کا اور اتر نامتوں کا باہم اختیار کیا۔ چنانچہ
 قزلباش خاں سے مکر اور متواتر ملاقاتیں اس سفر میں ہوئیں۔ عجیب مجمع کمالات نظر آیا۔
 باوصف ولایت زانی کے ہندی راگوں کے گلے اور بھنے میں نہایت طبع چست اور
 فہم درست رکھتا تھا، اور خوش اختلاطی اور رنگین مزاجی میں بھی کوئی مقام اس سے نہیں
 چھوٹا تھا۔ پیلیف اس کی زبانی ہے کہ ایک دن میں نے کچھ شکایت زمانے کی نواب الفقد
 بیٹے نواب اسد خاں، وزیر جو تھے، ان کے سامنے کی، سن کر فرما لئے لگے کہ سچ ہے دنیا کو
 اُمید کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ اگر دنیا کو اُمید کے ساتھ بسر کرتے ہیں تو
 افسوس ہے آپ مجھ بغیر دنیا کو بسر کرتے ہیں، کہ میرا تخلص اُمید ہے، غرض جب نواب آصف جاہ
 بھوپال میں پہنچے، تو بیچ نے مرہٹے کی شدتیں کہیں، اور لڑائیاں مکر ہوئیں۔ اس میں نادشاہ
 کے آنے کا غلغلہ ہندوستان کی طرف ہوا۔ نواب آصف جاہ نے اس ایام میں لڑائی کا ہل
 دینا مناسب نہ سمجھ کے، ساتھ دارو مدار کے صلحتاً صلح کی، اور مع قزلباش خاں کے دخل
 شاہ جہان آباد میں جوئے۔ آگے تادم شاہ کا آنا، اور ملی کا بونے جانا، مشہور ہے یہاں کچھ
 بیان اس کا نہیں ضرور ہے غرض جب والی ایران کا ایران کو گیا، اور شہر میں امن و امان
 ہوا، تو آصف جاہ حضور سے رخصت ہو کر کچھ دکن کو سدھارے، اور قزلباش خاں نوکری

چوڑ کر کمر کھول کر بیٹھ رہے، دلی کی محبت کے مارے چند روز تو بھی ساتھ عیش و نشاط کے دیکھا جلوہ دم اور قدم کا، آخر ۵۹ سالہ گیارہ سو اسیٹھ بھری میں سکتے کی بیماری سے لاچار کیا سفر ملک عدم کا قریب آٹھ ہزار بیس کے زبان فارسی میں اس بلند طبع نے فکر کی ہے، اور ہندی میں گاہ گاہ بطور اختلاط کے کبھی کوئی غزل کہی ہے۔ یہ اشعار اس ستودہ اطوار کے ہیں +

بازن کی بیٹی ایک مری آنکھیں کھڑی غصہ کیا ہو گالی دیا، اور دیگر لڑی کہتا ہے دایسی کوئی دوسری کھڑی گھٹا کہ ڈاڑھی جارفتل سچہ کو کیا پڑی	باناز عرو حسن ملک، جلوہ پری - رفتہ پیش و لغتہ تاجم فلک تست ایسی نہ سیتا، اور نہ بھوانی نہ را دھکا گفتہ کہ تریسے پانوں پڑم اود بلائم
---	--

گفتہ امید وصل پہ ہم تیرے جیتا ہوں
گفتا کہ چل پرے دلی مارے تجھے مری

یارین گھر میں عجب صحبت ہے دل ہمارا اسے کرتا ہے رات درو دل اس سے جو ہم نے نہ کہا دھریں پاس نفس لازم ہے	دلہ در دیوار سے اب صحبت ہے غیر کے جو ہر شب صحبت ہے ایسی حاصل ہوئی کب صحبت ہے شیشہ و سنگ یہ سب صحبت ہے
--	--

بہت اختیار ہے زیر سربار
آج امید کو تو صحت ہے

۱۵ اور تہہ زرد میں کھڑی کی بجائے تہڑی ہے جو مقدم اقتاد کا ترجمہ ہے ۱۲

۱۶ کرتا یعنی خدا ۱۲

۱۷ یعنی ریش سوختہ ۱۲

۱۸ یعنی نہ صحت ۱۲

۵۔ آرزو

آرزو مختص ہے، سراج الدین علی خاں نام، متوطن اکبر آباد کے۔ باپ کی طرف سے سلسلہ اس بزرگوار کا شیخ کمال الدین، بجائے سے شیخ نصیر الدین کے، کہ چراغ دہلوی چکا لقب تھا، ملتا ہے، اور ماں کی طرف سے شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری کو پہنچتا ہے۔ چھوٹی عمر سے طبیعت اس بزرگ زادے کی پڑھنے لکھنے کی طرف مصروف تھی۔ چنانچہ چودھویں برس شعر کہنا شروع کیا، اور چوبیس برس کی عمر تک جتنی کتابیں دسی اور ضروری تھیں پڑھ چکا، فاضلوں سے عصر کے جس قدر کہ فائدہ چاہئے تھا اٹھایا اور مرتبہ کو استعمال کے نہایت بلندی کو پہنچایا۔ بعد تحصیل علم کے بادشاہی منصب داروں میں داخل ہو کر وطن سے دور ہوا، یعنی اوائل سلطنت میں محمد فرخ سیر کی کوالیہ کی خدمتوں میں سے ایک خدمت کے ساتھ مامور ہوا۔ سال گیارہ سو تیس بھری تھی کہ دارالخلافہ ہندوستان میں آیا، اور زور شور شاعری کا زباں دانوں کو دیاں کے دکھایا چنانچہ ~~سلطنت~~ کیا یہ سببیتا لیس بھری میں، کہ شیخ محمد علی حزیں علیہ الرحمۃ ایران سے شاہ جان آباد میں تشریف لائے، تو اس بیکانہ روزگار کی ملاقات کو شاہ و گدا سب آئے۔ سراج الدین علی خاں سے جس قدر اخلاق کمنا سب ان کے حال کے پایا شیخ نے ادا فرمایا۔ لیکن اس بزرگ زادے نے نسبت غرور کی شیخ کی طرف منسوب کی، اور ناحق اپنی طبیعت ان سے محبوب کی۔ آرزو خاطر وہاں سے گھر آئے اور دیوان شیخ کا دیکھ کر بہت سے شعر ستیم بٹھرائے چنانچہ وہ سب اعتراض جمع کر کے ایک رسالہ لکھا ہے، اور نام اُس کا ”تنبیہ الغافلین“ لکھا ہے۔ عوام کی طبیعت تو ان اعتراضوں سے البتہ تشویش میں پڑتی ہے، نہیں تو صاف نزاع معلوم

۱۵۔ مولوی امام بخش مہائی نے ایک رسالہ ”تولذ فیہل“ نام لکھا ہے، جس میں خان آرزو کے اکثر اعتراضات کے جواب دیے ہیں ۱۲

ہوتی ہے، جب باریک بینیوں کی نگاہ اس سے جا لڑتی ہے۔ غرض شاعر زبردست اور صاحب استعداد تھا، اکثر مضمون میں سے مضمون کو کرتا ایجا و تھا۔ لطیف گوئی اور نظرافت میں بہ شدت متشاق، خوش طبعی اور نکین فرامی میں شہرہ آفاق تھا مگر ہر شہرہ ملاقات کا ان کو ایک جہاں سے تھا، لیکن توسل امور و دنیا میں نواب اسحق خاں سے تھا۔ بعد خرابی نے شاہان آباد کے دو اب سالہ جنگ کے ایما سے لکھنؤ میں آئے، لیکن فلک نیرنگ ہارنے بیرونی ہی کے رنگ دکھائے چنانچہ لکھنؤ میں وصال ہوا ہے، اور لاش کو ان کی، بوجب ان کی وصیت کے، نواب سالہ جنگ نے بعد سپردگی شاہان آباد کو بھجوا دیا ہے۔ بہت سی کتابیں اس ماہر فنون نے تالیف کی ہیں۔ اتنی تو نگاہ سے راقم حاضی کے بھی گزرے ہیں: فن معانی میں ایک رسالہ لکھا ہے کہ نام اس کا ”مؤید علیٰ عظمتی“ ہے۔ اور فن بیان میں ایک رسالہ اس کی تصنیف سے مشہور ”حلیۃ کبریٰ“ ہے۔ اور ایک فرہنگ لکھی ہے، کہ نام اس کا ”مرآۃ اللغات“ ہے، بطور زبان قاطع کے۔ اور سوائے اس کے حال کی اصطلاحات میں ایک نسخہ تالیف کیا ہے، کہ مشہور ہے ”چراغ ہدایت“ کے۔ شرح اسکندر نامہ کی اور قصائد عربی کی لکھی ہے۔ اور گلستان کی شرح، کہ نام اس کا ”خیابان“ ہے، تالیف کی ہے۔ ایک تذکرہ فادری گویوں کا نہایت لطیفوں کے ساتھ لکھا ہے۔ سوائے اس کے اور بھی بہت کچھ تحریر کیا ہے۔ ۶۹ھ گیارہ سو انتہیجی میں اس فراغ پڑھنے والے مدرسہ زندگی کے لئے کتاب ہستی کو گردان کے استاد اجل سے درس فنا کا پڑھا۔ قریب تیس ہزار بیت کے زبان فارسی میں اس کو کہنے کا اتفاق ہوا ہے، اور بیخبرہ کا قصہ گاہ گاہ بطریق تفسیر کے کیا ہے۔ یا شعاً ہندی طبع زاد اس کے مشہور ہیں۔

میں خانہ بیچ جا کر شیشے کا موزے	ناہ نے آج اپنے دل کے پھیر لے چھوڑ
جان کچھ تجھ پر امتداد نہیں	دلہ زندگانی کا کیا بھروسا ہے

۱۰۔ یہ سارے چھپ گیا ہے ۱۱۔ اس سے ملکر کا نام جمع معاش ہے ۱۲۔

<p>آتا ہے صبح اٹھتے تیری برباری کو دل مارنے کا نہو پہنچا گماشتوں تک اس تندہ منم سے ملنے لگا ہے جسے اپنی فسوں گری سے اب ہم تو باز بیٹھے</p>	<p>کیا دن لگے ہیں دیکھو غور شید خاوری کو کیا کوئی بانٹتا ہے اس کی سیاہ گری کو ہر کوئی مانتا ہے میری دلاوری کو بادِ صبا یہ کہنا اس دل ربا پری کو</p>
<p>آبِ خواب میں ہم اُس کی صورت کو میں ترستے اے آرزو ہوا کیا بخشوں کی یا ہری کو</p>	
<p>فلکے بنج تیرا ہ سے میرے زبس کھینچا مرے شیخِ نرانا بتی کی کیفیت نہ کچھ پوچھو راجوش بہار اس فصلِ گریوں ہی تو کھیلنے کہا یوں صاحبِ محل نے سن کر سوزِ مجنوں کا</p>	<p>دلہاں تک دل سے شب کا کوئی خیر نہ کھینچا بہارِ حسن کو دی آبِ اُس نے جب چرس کھینچا جن میں دستِ گھیس سے عبّ بنج اس برس کھینچا مستحکم کیا جو نالہ بے اثر مثل چرس کھینچا</p>
<p>نزاکتِ رشتہ اُلفت کی دیکھو سانسِ دشمن کی خیرِ دارِ آرزو ملکِ گرم گرتا نفس کھینچا</p>	
<p style="text-align: center;">۶۔ آبرو</p> <p>آبرو تخلص، شاہِ نجم الدین نام، ساکن شاہِ جہان آباد۔ اولاد میں شیخ محمد فرحت گوہری کے تھے۔ براج الدین علی خاں آبرو کے رشتہ دارانِ قریب میں۔ اور صاحبِ دیوان تھے زبانِ ریختہ کے ترکیب میں بیشتر اشعار انہوں نے بہام کے کہے ہیں، یعنی اکثر وہ الفاظ شعر میں لائے ہیں، کہ جن لفظوں کے معنی ہیں، اگرچہ بامعنی یا لایعنی۔ محمد شاہ فرہوس آرام گام کے عہدِ سلطنت میں انہوں نے جہان فانی سے رحلت کی ہے۔ ان شعروں نے آبرو ان کے دیوان کو دی ہے۔ خبر دیوں کے ہوا حق میں یہ تب کرنا دوا۔ تیرگیِ عالمی رہی چپے کی اور اپچی صفا۔</p>	

<p>کیا سب تیرے بدن کے گرم ہونے کا جھن تو تجھے کس کے لگی، لیکن کسی بے رحم نے آؤ سرد اور چشمِ تر عاشق کی سے دسوس کر دل مرا تعویذ کر تو لے کے اپنے پاس رکھ ترش روئی چھوڑ دے اور تلخ گوئی ترک کر</p>	<p>عاشقوں میں کون جلتا تھا گلے کس کے لگا گرم دیکھا ہوگا تجھ کو بیچ میں آنکھوں کے لا بدبخت ہے مختلف جس وقت ہوا آب و ہوا تو طفیلِ حضرت عاشق تجھے ہو دے شفا اور کھانا جو کہ جو خوش کا تری سو کر غذا</p>
<p>بوعلی ہے بغضِ دانی میں بتاں کے آبرو کیوں نہ ہو دے عاشقی میں اس کا نسخہ کیمیا</p>	
<p>بوسہ لبوں کا دینے کہا، اکہ کے پھر گیا دلہ پیا لہجہ اشہاب کا افسوس گر گیا</p>	
<p>قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اس کلتی ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھپھ گیا</p>	
<p>وحدے تجھے سب خلاف جو اس لیے ہمتی یہ سبز آئینہ ہے آبِ رواں اور ابر ہے گہرا چوڑے کھینے کا سارا یہ ہے خلاصہ تم اور کلر خوں سے اب آنکھوں کا گئے بلی کر شراب جو تم ہم کو ڈرا دوتے ہو جھپٹ آیا میں رقیبوں کو گویا مار دیا رستے کوئی اس طرح کے لاپچی کو کب تک پہلا میرے پیار سے قاصد اپنے دل کی بات کہتا</p>	<p>کیا لعل قیمتی دیکھو جھوٹا گل گیا دوانا نہیں کہ میں گھٹس رہوں گا چھوڑ کر کھوڑا شاید کبھو وہ سر کا بیٹھے ہمارے پاس آ۔ بادام کو پیارے پھولوں کے بیج باسا کیا شوق کو ہمارے جانے اور کا سا یار نے اپنے گلے کا مجھے جب بار دیا چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لاکھی وہ لا کہ جانے سے تمہارے جان کو مشکل ہے اب ہنلا</p>
<p>لے توں گا تری، یعنی تیری مرضی کا، تشنگانہ کا بہا میں مقصود ہے، لے دیکھو کو، دیکھو پڑھنا چاہئے، جہنم کو مروت ہو گا، لے نہیں، کو مروت، کے جو میں پڑھنا چاہئے، لے دیکھو، یعنی پڑھنے سے سارا مقصد یہ ہے، ۵۵ قداس کوئی، کو مروت، کے جو میں ادا کرتے تھے، یہاں بھی اسی طرح پڑھنا چاہئے ورنہ سعر و ناموزون ہو گا۔</p>	

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا دیوے	دل	کہ اس کو بد نالگتا ہے جیسے چاند کو گھٹنا
بچ اوپر غم کی بہتا ہے اب لوٹا ہوا	دل	زر کے لالچ اس قدر وہ سیم تن کھوٹا ہوا
جو لوٹتا نام نہن لہر دہستی کا چڑھے جو نکے	دل	میں اس کوچہ مے باتوں میں لگ جاتا ہوں لہا
عاشقوں میں جس کسی کا یار ہو رہی ہوا	دل	وہ مرا دشمن ہے لیکن چاہتا ہے جی ہا
جس طرح سے اے نامہ بر آیا ہے چلا جا	دل	جا کر کے یہ کہہ کر نہیں آیا ہے تو آجا
فرزاد کا دل کوہ کوہ کا بھرا پایا ہوا	دل	مستی سے جس کی شوق کی بہر چمتا لہو
اکھنڈ نہ تھی نہیں کہ کیا ہوگی	دل	اس دل بے قرار کی صورت
زندگی ہے۔۔۔ اب کی سی طرح	دل	باؤ بندی جاب کی سی طرح
کون چاہے گا گھر بے بچہ کو	دل	مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح
ایرو کے قتل کو حاضر ہوا کس کر کمر	دل	خون کرنے کو چلا عاشق چہست بانہ کر
جس وقت زخم تیرا لگتا ہے غیر کے تئیں	دل	اُس وقت جان سیتی جاتے ہیں جان ہم
وہ کھانڈتے ہیں ہم کو کر بانہ بانہ کر	دل	کھولے ابھی تو جاوے میاں کا نعل بھرم
کن نے آباغ میں حیران کیا نگر کو	دل	نہیں معلوم کہ یہ دیکھ رہی ہے کس کو
گستاہوں میں پکار سنو کان دھر جن	دل	جو آواز سے لوگے تو دیکھو گے ہم نہیں
ہرگز ترے لبوں کی سرخی کے تئیں نہ بچیں	دل	ہر چند سعی کر کر یا قوت و عمل مدحائیں
اک عرض سب سے چھپ کر کرنی جو ہم کو تم سے	دل	راضی ہو کر کہو تو خلوت میں لکے کرائیں
تک چلنا جن کا بھولتا مجھ کو نہیں اب تک	دل	طرح وہاںوں رکھنے کی مری انگھل میں بھرتی
ازنکے ٹھکے کھلے اب تو بھی شکل ہوئی	دل	دل کے اوپر یہ نئے سرے بلا نال لائی
میاں کے لوگ کہتے ہیں کمر ہے	دل	کہاں سے کس طرح کی ہے کہ صر ہے
دل کب آوازی کو بھولا ہے	دل	خاک گر ہو گیا بگولا ہے
اس شعر سے اُس زندگی کی خلقی حالت ظاہر ہوئی ہے، اس شعر کی تفسیرات کی طرف منسوب ہے،		

پھر تہی پھر تہی دشت دیدار کدھر گئے	دلہ	مے عاشقی کے مائے زمانے کدھر گئے
مڑھاں تو تیز تر ہے ولیکن جگر کہاں		ترکش تو ہیں بھرے ینشانے کدھر گئے
تا نک تنی پو اتنے مغرور ہو رہے ہو	دلہ	موسیٰ کمر نہیں تو فرعون کر رکھا ہے
آنحضرتؐ پہلی جنوں سی خاطر غنیمت کی	دلہ	اے کچھ بہار تجھ کو خبر ہے بسنت کی

۷۔ احسن

احسن تخلص، میرزا احسن نام، جوان نیک خصلت ہے۔ ابتدا میں میرزا رضا سے اتفاق حاصل کا ان کو ہوا ہے۔ بعد اس کے میرزا محمد رفیع السودا سے مشورہ اخذ کیا ہے ریختہ ان کا خالی کیفیت سے نہیں ہے، اور بندش شعر کی صاف اور شیریں ہے۔ فی الجملہ غربت بھی رکھتے ہیں، اور تعلق وغیرہ اکثر اکثر منقطع و بھلے چنگے لکھتے ہیں۔ ابتدا میں وزیر الممالک اب ثجاء الدولہ مرحوم کی سرکاری سرشت ملازمت کا رکھتے تھے، بالفعل کہ ۱۲۵۵ء بارہ سو پندرہ ہجری میں ایک مدت سے نواب مہر فرزا الدولہ میرزا احسن رضا خاں بہادر کی رفاقت میں ایام زندگانی کے بسر کرتے ہیں۔ لکھنؤ میں ہو دو ہاش ہے۔ اور یہ ان کا منتخب تلاش ہے +

بھیتیں کیوں گرد ہووے آہ و زاری بیشتر	ہے قرار اس دل میں کم و بیش اسی بیشتر
کیوں تفکر دین و دنیا دل ہمارا بھول جائے	یا درہتی ہے ہمیں پیارے تمہاری بیشتر
بیشتر ہمتی ہم کو اُس سے دوستی اک طرح کی	اب تو بتلا دے ہے تلوار و کٹاری بیشتر
روز بھراں ہی میں تمنا کچھ نہیں روتے ہیں ہم	وصل کی راتیں کئیں یوں ہی ہماری بیشتر

بن کے خاک اب اُس کے کوچے سے بھلا کیوں کر اٹھو
ہے مزاج اپنے میں احسن خاک ساری بیشتر

نہال ہے دل میں، نہ آہ و زاریں ہے	کوئی دم ہے یاں، سو دم واپس ہے
گئے دن جو آنکھوں سے بتے تھے دریا	ادھر دیکھ لو، خشک اب آستیں ہے

کیا دل جو کوچہ میں چین چین کے قدم رکھ نہ اپنا مرے دل سے باہر	نہ پھر وہاں سے نکلا عجب سرزمین ہے کہا مان میرا، یہ گھر دل نشین ہے
نہ کھینچ آسماں پر سر پنا تو آسن سمجھ آخرش سب کا دفن نہیں ہے	
یارو وہ ختم کیوں نہ کرے کام خدا کا	دل رام اُس کا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا
سر پہنے کوچیوں لے گئے ہم اُس کے قدم تک	دل پہنچا دیا ٹھوکر میں وہیں ملک عدم تک
سجدہ گئے خاک آسن اب تو سارے خلق کی	دل جان دی تھی اُس نے کس کی حسرت پاپوش
دل ہو دیدار سے مایوس تو سرود نہ ہو	دل چٹم میں روشنی طور سے بھی نور نہ ہو
بزم میں اُس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی	دل دھڑکتا ہے کہیر اکسین مذکور نہ ہو
ہے مجھ میں شوق، دیدہ تجھے تا نکلاں ہے	دل جیوں شمع مرا رنگہ رشتہ معجاں ہے
محو دم ہم ہوں، محروم اسرار جو کوئی	دل خلوت میں ہو کوئی، پس دیوار ہو کوئی
ماتوں کو اُس کے کوچہ میں جاتا تو ہوں	دل دھڑکے ہے دل پڑا کہ نہ بیدار ہو کوئی
پہنچی جس وقت مجھے اس کی خبر سننے کی	دل سدھ رہی مجھ کو نہ اپنے کی نہ بیگانے کی
تم تو دل مانگو ہو، یاں جان ملک حاض ہے	دل بات یہ بھی ہے کوئی آپکے فرمانے کی

۸۔ الہام

الہام تخلص، شیخ شرف الدین نام، لکھنؤ کے شیخ زادوں میں سے ہیں معمر سن ہے
دیکھتا ہوں ان کو، اسباب دنیا سے قانع یہ یک چادر میں، اور سرو پا برہنہ بیٹھے بہتے خاک
پر ہیں۔ زود گوئی کی مشق اس مرد کو حد سے افزو ہے، یہاں تلک کہ ایک صبح نہیں لکھتا جاتا
کہ دوسرا موجود ہے۔ اسی طرح سو سو بیت تک ایک دریا جوش مارتا چلا جاتا ہے، لیکن اس
زود گوئی کے باعث سے اکثر کلام ان کا گفتگو میں بھی آتا ہے۔ دودیدان فارسی زبان میں

رکھتے ہیں، اور ہندی میں بھی اکثر کچھ کہتے ہیں۔ آگے ملول تخلص کرتے تھے، اب تخلص الہام ہے۔ بیشتر اہل لکھنؤ کو، شاگردی کے سوائے، ان سے اعتقاد تام ہے۔ یہ غزل ان کی جو لکھی جاتی ہے، البتہ ایک عالم کو اضطراب دل کا دکھاتی ہے +

دیکھا نہ ہو جس نے کبھی سیاب کا عالم اے ابرفرہ ناصوں کی ضد سے تو کیا یا قوت کی رنگت پہ کبھی آنکھ نہ جاوے کل پر تو حسن رخ دلدار کے آگے	آدیکھے وہ میرے دل بیتاب کا عالم سب ارض و سما آوے نظر آج کا عالم دکھلاؤں اگر چشم کے غونا کج عالم پھیکا نظر آیا ہمیں مہتاب کا عالم
---	---

ماںِ حرا و اللہ لے ہو بندا کھینچے تو اگر دل کے تپ و تاب کا عالم	اری بیکیسی تیرے قربان ہوں دلہ برے وقت میں ایک تورہ کئی
--	---

۹- اثر

اثر تخلص، میر محمد نام، شاہ جہان آبادی۔ چھوٹے بھائی تھے خواجہ میر درد مرحوم کے، فنا تھے فن تصوف کے، اور آگاہ تھے علم معرفت سے۔ بطور درویشان صاحب معنی کے گوشہ نشینی اختیار کی تھی، اور دودو اثر کے ساتھ نہایت طبیعت ہموار کی تھی۔ بھائی سے اپنے انہوں نے کسب کمالوں کا کیا ہے، سچ تو یہ ہے کلام ان کا چاشنی سے درد و اثر کی آشنا ہے۔ ایک تنہوی بہت طولانی بیان عشق میں ان کی تصنیف ہے، اگرچہ انتخاب اس کا لکھا گیا بہت تخفیف سے ہے +

آہ کے ساتھ جی نہ گیا میرے نہیں تو کام نہ تھا کچھ تبوں سے آہ	آہ اے آہ یہ غلغل نہ گیا دلہ پر دل کے ساتھ محنت میں بنام ہو گیا
--	---

بس ہو یا رب یہ امتحان کہیں وائے غفلت! کہ ایک ہی دم میں بے وفا تجھ سے اب گلا ہی نہیں یا خدا پاس، یا بتاں کے پاس دل سے جو چاہئے سو باز مٹے بات تجھ سو کوئی جلوہ گر ہی نہیں درِ دل چھوڑ جائیے، سو کہاں؟ حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے	دلہ	یا نخل جائے اب یہ جان کہیں میں کہیں، اور کاروان کہیں تو تو گویا کہ آشنا ہی نہیں دل کبھی اپنا یاں رہا ہی نہیں میں نے دانت کچھ کہا ہی نہیں دلہ پرہیں آہ کچھ خبر ہی نہیں اپنے باہر تو یہاں گزر ہی نہیں بات میری تو معتبر ہی نہیں
کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں		
کیا کیجئے اختیار نہیں دل کی چاہیں ہم ہیں بیدل، دل اپنے پائیں پوچھ مت حال دل مرا مجھ سے بے وفائی کی کچھ نہیں تقصیر	دلہ	میں سب و مگر نہ یہ تری باتیں نگاہ میں آہ اس کا بھی تجھ کو پاس نہیں مضطرب ہوں مجھے اس نہیں مجھ کو میری وفا ہی اس نہیں
یوں خدا کی خدائی برحق ہے پراثر کی تو ہم کو اس نہیں		
میں کہاں تو کہاں، یہ کہتے ہیں جو سزا دیجئے، ہے بجا، مجھ کو	دلہ	کہ یہ آپس میں دونوں رہتے ہیں تم سے کرنی نہ تھی وفا مجھ کو
وہی میں ہوں اثر وہی دل ہے اب خدا جانے کیا ہوا مجھ کو		
ایک تنہا خاطر ہوں، جسے آنا سو ایک مجھ بیمار سے وابستہ ہیں آنا سو	دلہ	

کچھ ان روزوں دل اپنا سخت بجا رام رہتا ہے	دل	اسی حالت میں لیکر صبح سے تا شام رہتا ہے
بیلا میں کیا کروں اب اس آگے اپنی ناکامی		ترے یہ طور، اور مجھ کو تجھی سے کام رہتا ہے
اثر کیجئے کیا، کدھر جا بیئے	دل	مگر آپ ہی سے گند جا بیئے
کبھو دوستی اور کبھو دشمنی		تری کون سی بات پر جا بیئے
حرفِ فہم نہ زندگانی کی	دل	واہ کیا خوب زندگانی کی
ناک تیری عجب سبیلی ہے	دل	پتلی اور اونچی اور نیکیلی ہے
ناک ہے، یا کہ ایک تو تا ہے	دل	چنچ اب شہد میں ڈبوتا ہے
نتھے ایسے ترے پھر کتے ہیں		جا نور وحشی جہوں پھر کتے ہیں
ذائقہ میں تو جیسے یہ لب ہیں		شہد و شربت جو کچھ کہو سب ہیں
دانت جب بھٹکوا داتے ہیں		دل کلیجا سبھی چباتے ہیں
دیکھ کر آنکھیں آبدار کو یہاں		لوٹ جاتا ہے گوہرِ غلطاں
گر کبھو اس کے جی میں آوے		مسی و ناخکیاں لگا دے
دانت پھر نوں چکتے ہیں ساک		رات اندھیری میں جیسے ہوتا ہے
جب خیال آ بندھ ہے گردن کا		یہاں ڈھلک جا ہے مہنکا
گو کہ شغاف ہے تن مینا		یہاں تو بھٹکتی ہے گردن مینا
کیوں نہ کہیں وہ سب آپ کو دور		جس میں ایسا بھرا ہوا ہو غور
وہیل میں جب بازو آتے ہیں		ہاتھ پاؤں اپنے پھول جاتے ہیں

کیا خوش رہند یہ کلائی سے

اس کو دل لینے کی کل آتی ہے

اس مثنوی عالیٰ مناسب ہے اپنے دیوں کے مقدس میں مثنوی شادی میں صرت خواب ملا مثنوی کی مثنویوں کا اعتراف کیا ہے، لیکن وہ محکم کے نزدیک شعور نے مثنوی سے ایسی فصاحت و بدلاست کی توقع نہیں ہو سکتی، اس لئے اس کی وجہ ذمہ داری کہ خواب نہ رہے خواہ میرا کہ مثنوی کسی حق، وہ اس کا طرز آرا یا تھا، ہ اشعار اسی مثنوی کے ہیں۔ اس کا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں کہ یہ مثنوی خواب میں یا ماضی اور متون ہو سکتی ہے۔

۱۰۔ الم

الم تخلص، صاحب میر نام، شاہ جهان آبادی خلف الصدق خواجہ میر دروہ رحمہ کے۔
 حدیث صاحب حقیقت اور پہچاننے والے رموز معرفت کے ہیں۔ ۹۷۰ھ گیارہ سو چار سو سے
 ہجری میں رونق بخش بلوہ مرشد آباد کے ہوئے تھے، اور دوستی سے راجہ دولہ رام کی چند مدت
 اس شہر میں رہے تھے۔ بالفعل کہ ۱۲۱۵ھ ہجری میں، شاہ جهان آباد میں توکل اور قلعہ کے
 ساتھ اوقات شریف کو بسر کرتے ہیں۔ یہ اشعار ان کے نتائج افکار سے ہیں۔

دھرم کاتے ہیں بس مجھ کو فقط آپ الکل ہنگامِ فغاں تھا خض و پنبہ قہقش دام جب نام خدا دور سے وہ جلوہ نما ہو منہ دیل کا تو بیچ اُنہا بیٹھے گا اسے شیخ	بانگے ہو تو منہ مٹھا چلو منہ سے سے رگدگر سارِ رگ گل نے ہے رکھا ہم کو جگر دگر مرجائیں صفوں کی صفیں حیرت بچھ کر چھٹ اس کے نہ کچھ پاؤ نگارندوں سے بھگدگر
آجاتا ہے دکھ درد بھلانے کو الم میں کیا اس سے فزاتم ہو اٹھاتے بھلا دگر	
نہ دل بوجھ رہے قرار کے سبب واقع نہ تھے ہم توانِ بلاؤں کی بھو	نہ جیتم کو خوابِ اشک باری کے سبب جو کچھ دیکھا سو تیری باری کے سبب

۱۱۔ اشتیاق

اشتیاق تخلص، شاہ ولی اللہ نام بہتوطن بہرہ مند کے۔ اس رونق بخش دین احمدی کا سلسلہ
 ارادت شیخ احمد کو، کہ مجدد الف ثانی جن کا لقب تھا، پہنچتا ہے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے
 شاہ محمد گل کو جہان کا لکھا ہے، لیکن راقمِ حقیر کے گوشِ زد یہ مضمون نہیں ہوا ہے۔
 فی حقیقت مرتبہ علم کا اس عالمی جناب کے نہایت بلند تھا خصوصاً علم حدیث اور تفسیر میں بہت

بڑی ہوسنگاہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ اسم گزنی اس برگزیدہ روزگار کا زبانِ خلّاق پہنچ کے دن ہنگ شاہ ولی اللہ محدث کر کے جاری ہے۔ اکثر کتابیں تصنیف اس بحرِ علم کی مشہور ہیں۔ چنانچہ دوسنے کہ ایک کا نام قرۃ العین فی ابطال شہادۃ یحنین ہے، اور دوسرے کا نام جنت العالیہ فی مناقب المعالویہ، کہتے ہیں تصنیفات سے اس محی مدین کی یاد گار صوفی روزگار پر ہیں۔ والد ماجد ہیں یہ اُس رونق بخش کشور قناعت کے، کہ جس کا نام نامی مولوی عبدالعزیز ہے۔ آج کے دن تک قدمِ توکل کاڑے ہوئے شاہِ جہاں آباد میں بیٹھے ہیں، باوجودِ فضلِ حسین خاں مرحوم نے موجبِ ایما صاحبانِ عالی شان کے مدسہ قدیم کی مدرسے کے واسطے تحریک اس مرکزِ دائرۃ قناعت کی چاہی۔ نیکن اس قطبِ آسمانِ ملت و دین نے مطلقاً حرکت جگہ سے نہ فرمائی۔ اس فاروقِ زماں کی بھی تالیف سے ایک کتاب ہے، کہ نام اس کا ”تحفۃ اشئ غنویہ“ ہے، اور دوسرا نام ”روداد فن“ شاید کہتے ہیں، سچ تو یہ ہے دیکھئے سے اس کتاب کے استعداد اس بزرگ زادے کی معلوم ہوتی ہے، کہ کیا مدیا فصاحت کا بہایا ہے۔ کیوں نہ ہو آخر کیسے باپ کا بیٹا ہے۔ فی الواقعہ کہ عالی مقداروں کے عالی مقداری ہوتے ہیں، اور نابالگوں کے نابکار، بقول ایک شاعر کے *

شیر کے بچے میں غرض شیر سا فروں ہے | بھوک میں کتے کی پی کی مکی موجود ہے |

الغرض وہ جامعِ جمیع علوم معنی شاہ ولی اللہ مرحوم حسین حیات میں اپنی کوئٹہ میں فیروز شاہ کے تشریف رکھتے تھے۔ اوقاتِ شریف کو بطورِ درویشانِ اہل معنی کے بسر کرتے تھے۔ اشعارِ فارسی کے فرمانے کا اتفاق کمر ہوتا تھا، اور زبانِ ریختہ کا مشغلہ اکثر۔ یہ اشعارِ خلاصہ افکار اُس حقیقت آگاہ کے ہیں *

۱۔ دونوں نامہ خلد ہیں۔ پہلی کتاب تفسیرِ شہین میں ہے۔ شہادتِ امیر حسین علیہ السلام کی ابطال سے خدا نخواستہ اس کو کوئی تعلق نہیں۔ اور دوسری کتاب تو باطل فرضی ہے۔ معالویہ کے مناقب میں نہ کی کوئی کتاب ہمیں ۱۲
۲۔ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب، دونوں کی مصنفت نے جو بھی کی ہے۔ ۱۱۔ اس شعر نے ترصاف پر وہ اٹھا دیا ہے ۱۲

خیال دل کو ہے اس گل سے آشنائی کا کہیں وہ کثرت عشاق سے گھنڈیں آ مجھے تو دھڑکے تھانہ ہر پر اک نکاح سے آج جہاں میں دل نہ لگائے کالیوے پھر کوئی نا نہ چھوڑا مار بھی کھا کر گذر گئی کا تری - نہیں خیال میں لاتے وہ سلطنت جہم کی	نہیں صبا کو ہے دعویٰ جہاں رسائی کا ذروں ہوں میں کہ نہ دعویٰ کرے خدائی کا غور کیا ہوا وہ تیر سی پارسانی کا بیان کروں میں اگر تیر سی بے وفائی کا رقیب کو مرے دعویٰ ہے بے حیائی کا غور ہے جنہیں در کی تری گدائی کا
---	--

جہاں سے مت اشتیاق پھیرے کٹنہ
خیال کیجو کہیں اور جہم سانی کا

لوگوں کے پتھروں سے لگے کیونکہ اسکو چوٹ چھوڑ کر تجھ کو ہمیں غیر سے جولاگ لگی دوبالا ہو کے غمخواری عبث آنکھوں کو ملتا ہے	پر ایک کمر دیا ہے یہ مجنون کو دھول کوٹ نہیں ہندی یہ تیرے تلوں سے ہے آگ لگی پیالہ اور بھی پی پی سخن یہ دور چلتا ہے
--	---

۱۲۔ انشا

انشاء تخلص، میر انشاء اللہ خاں نام، بیٹے ہیں حکیم میر انشاء اللہ خاں کے ہمد
جن کا تخلص تھا باب شخص خوش اختلا و صاحب استعداد ہے۔ سوائے قصیدوں کے
ثنویان زبان عربی میں انہوں نے نظم کی ہیں، اور ترکی کی غزلیں بھی ان کی خالی کیفیت
سے نہیں ہیں۔ زبان فارسی میں صاحب دیوان ہیں۔ کٹمیری اور مارواڑی کے سولے
اور بھی بہت سی بولیوں کے زبان دہن ہیں۔ سال گذشتہ انہوں نے ایک قصیدہ زبان
ریختہ میں غیر منقوط، یعنی جن کے اشعار میں کوئی حرف صاحب نقطہ نہیں ہے، نواب
عماد الملک کی مدح میں لکھ کر کاپی بھجوا دی۔ دراصل میں اس کے الفاظ تحسین اور آفرین کا

سا پایا۔ باغفل کہ سلا جوی میں، مرشد زادہ آفاق مرزا سلیمان شکوہ کے سایہ عاطفت میں لکھنؤ کے انداوقات ساتھ قناعت اور شکستہ پائی کے سبکدستی ہیں۔ دیوان انکھاربان ریختہ میں مشہور ہے، اور کلام ان کا طرافت اور خوش اختلاطی سے معمور یہ اشعار ان کے نتائج انکار سے ہیں +

<p>کیا گنت، کیا جرم، کیا تعصیب ہیں نے کیا کیا راز وہ کہ سخت آیا تھا، میں نے جو افشا کیا کس جگہ؟ کس وقت؟ کس مہ؟ آپ کا چچا کیا جس کسی نے آن کر مذکور اس مہربان کیا اس طرح کا تذکرہ جس شخص نے میرا کیا موجود اٹھی سے؟ کہ مولائے اسے کھسا کیا؟ مرد ہے؟ یا حق تعالیٰ نے اسے خفا کیا؟ کون ہے جس نے ابی با سے نہیں بچا کیا؟ کوئی شیطان مہ نے کجا جس نے لڑ کر کیا کیا میں تمہارا نام لے کر کب بھلا رو یا کیا میرے حق میں تم نے باہر اور کا کتنا کیا صحن گلشن میں حجاب میرے دیکھا کیا وہ دوپٹا باد لے کا سا جو لہرایا کیا ایک نے گویا کہ سایہ سوری پر کیا چاندنی بانی نے بی خیلا سے بہنا کیا کیا</p>	<p>تم جو کہتے ہو، مجھے تو نے بہت رسوا کیا واسطہ، باعث، سبب، موجب، بہت، کچھ بات کی کیا کہا کہ میں نے کہا؟ کس سے کہا؟ کب؟ کس ٹھکانے؟ کچھ بتا بھی؟ نام اس کا؟ شکل کیسی؟ وضع کیا؟ گھر ہے وہ؟ یا مسلمان؟ یا نصارا؟ یا ہود؟ شیخ ہے وہ؟ یا غفل ہے؟ یا کرید؟ یا پٹھان؟ ہے جو اس سا؟ یا وہ امر؟ یا لڑ بڑھا؟ یا ادھیڑ؟ نو کری پیشوں میں ہے؟ یا اہل حرفہ وہ عزیز؟ کس محل میں رہے ہے؟ کس کس کا وہ نصیب؟ کذب، بتاں، افتراء، طوفان، غلط، باطل، برون مرحبا، شاہنشاہ، اے رحمت خدا کی، آؤں چو دھریں تاریخ اک ابرینک ساتھ جرات بھلی سی چادر مہتاب، اوپر برق کا یوں لگا معلوم ہونے، ہیں یہ دوپٹیاں ہم ہوئے گل بولی کہ تیغ آپس میں بدلی اور صحنی</p>
---	--

خود بدولت تو نہ آئے، اور انشائات بھر

آپ بن رویا کیا، لوٹا کیا، تڑپا کیا

گالی سی، اما سی، چین جیسی سی	دلہ	یہ سب سی، پر ایک نہیں کی نہیں سی
گرنائیں کے کتنے سے ماما ہو کچھ بڑا		میری طرف کو دیکھئے! میں نازیں سی
آگے بڑھے جو جاتے ہو کیوں کون ہے یہاں		جواب تہ کو کہنی ہے بھر سے ہیں سی

منظور دوستی جو نہیں ہے ہر ایک سے	اچھا تو کیا منشاء انشا سے کہیں سی
----------------------------------	-----------------------------------

بندہ اُسے جب نظر پڑا ہے	دلہ	بولتا ہے چل اٹھ، مکھڑا ہے
-------------------------	-----	---------------------------

ہوئے ہیں خاک سر راہ اُس کے ہم انشا	بڑا غضب ہے جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے
------------------------------------	--------------------------------------

۱۳۔ امانی

امانی تخلص، میرا مانی نام، خلف ہیں یہ خواجہ آٹمی کے، جن کا مذکور اوپر ہوا ہے۔
 سالہ گیارہ سو ایکاسی بھری میں وار و مرشد آباد کے ہوئے تھے، اور جناب سید الشہدا
 کی تعزیر داری کا شغل ہمیشہ رکھتے تھے سر شیعہ ہندی اپنے کچے ہوئے اکثر ممبر پر کھڑے ہو کر
 پڑھتے، اور مومنین کے تئیں سعادت گریہ کی دولت سے داخل ثواب کرتے۔ ایک شب
 جناب سید الشہد اعلیٰ علیہ السلام کی عین تعزیر داری میں، کہ عشاء گیارہ سو ستاسی بھری تھے،
 بیہوش ہو کر سیر کرنے والے روضہ رضوان کے ہوئے۔ حق سبحانہ تعالیٰ مغفرت کرے مجھ
 مرد خوش اعتقاد اور دیندار تھا۔ نشہ محبت میں اہل بیت نبوی کے سرشار تھا۔ یہ اشعار
 یادگار اُس نکو کردار کے ہیں۔

اُس کے کوچہ سستی غبار اٹھا	کون ساواں سے خاکسار اٹھا
عندلیبو بسا و آب محمدا	بلغ سے موسم بہار اٹھا
ہچکیاں لے گلابیاں روئیں	بزم سے جب وہ گسار اٹھا

<p>میرے دل سے وہیں توں اٹھا موتیوں کا مگر وقار اٹھا اک دھواں اسکے دل سے اٹھا</p>	<p>عزمِ رخصت ہو واجب ہی اس کا نہیں جو قدرِ اشک، عالم سے شع سے سوزِ امانی پہچاتا</p>
<p>دل آنکھیں تو پتھر گئیں، پر وہ نہ آیا سنگدل خف کیاب اب انہ بے اور بھی کچھ رنگ دل گر رہا ہے پیرِ درد پکھو کے نام و رنگ دل قطرہ خوں ہو بنا رشکِ گلِ اٹھنگ دل پر امانی آپ ہے سیکڑوں فرنگ دل اے نازِ دلِ اداقت ہے فریادِ سی کا ملک ل سے خبر دار کہ یہ گھر ہے کسی کا</p>	<p>راہِ تکتے تکتے آخر جیسے آیا تنگ دل ہو چکا ہے غم سے خوں، اب جلد بچائیں قدِ جانِ ہس کی کہ اک عالم سے یہ بیکانہ ہو فندقِ پاکس کی دیکھی آہ اچکے غم سے آج اپنی آنکھوں آگے کو اس کی گلی میں ہے پڑا گھیرا ہے مجھ غم نے عجب حال ہے جی کا سینہ میں جدھر رہو تر اچھونک دے آہ</p>
<p>دل دیر ہوئی وہاں مقیموں کی خبر پائی نہیں جلوہ گر ہے آفتاب، اور تابِ مینائی نہیں دل کونسا دم ہے، کہ آنکھوں بیچ پھر جانتیں تجھ کو نظارہ کلوں کا ان دنوں بھانا نہیں دل شباب آسا قیما! ہم بادہ نوشی کو ترستے ہیں تہلِ حنِ گلوں کا کل تھا سو دے آج چھڑتے ہیں امانی ہنسم و مغلوک سب کے دن گزرتے ہیں دل بھلا بتلائے کس پر کراہ آپ کتے ہیں دل یاد آویں گے بہت اتنا کھے جاتے ہیں کہ سب ہی عضو میرے آج ڈسے جاتے ہیں کھڑوں رو میں ہے، ہم بچھے رہے جاتے ہیں</p>	<p>اس کے کوچے صبا آج اس طرف آئی نہیں وہ اپنی اس بصارت پر کہ ہر ذرہ میں آہ! کونسا دن ہے کہ مجھ کو یاد تو آتا نہیں عشق میں کس کے امانی بتلا ہے جس بغیر ہمن سبیل تے ہیں پڑے، بادل برستے ہیں نہ نہ جائے عہد ہے، ہمن کا حال چل دیکھو مسادنی جانو خوش طاعتی و کون نصیبی کو امانی تو ہوا تیغِ تفت فل ہی سستی بسمل ہم تر نزعِ تلک جو رسے جاتے ہیں لے گیا کون مری تاب و تو اس کو یک لخت وہاں داندگی اپنی کہ یہ آنکھوں آگے</p>

دل	اثر ہوسنگ میں کیا، کیوں کلان کو رام کریں	دل	بتوں کے دل ہو، تو یارب یہ آہیں کام کریں
دل	وہ ایک بار بھی تیری نظر پڑے نہ اب	دل	صلح و زہد رہے یہ، تو ہم سلام کریں
دل	کس کے یہ خار مرگاں دل میں کھنکھاتے ہیں	دل	جو چشم سے لہو کے قطرے ٹپک رہے ہیں
دل	دیکھ تو کیا ہی وہ بت سنگ دلی پر نازاں	دل	تجھ میں اسے نالا جاکھا، اثر ہے کہ نہیں
دل	یارو گر وار پہ منصور نہیں دیکھا ہے -	دل	نوک مرگاں یہ مرے تختِ جگر کو دیکھو
دل	صاف مرگاں آہو چشم کا ہوں کشتہ، اسے یار	دل	سر تربت یہ چن دیجو مرے خارِ بیاباں کو
دل	زباں پر راز عاشق کا نہ لانا سر کٹا دینا	دل	سرشت کس سے ملے آیا ہے یہ شمع شہستاں کو
دل	میں نے پہلو سے گم کیا تجھ کو	دل	آہ دل آکنے نے لے لیا تجھ کو
دل	اشک، آوارگی سے تو نہ تھا	دل	میں نے آنکھوں میں گھر دیا تجھ کو
دل	نہلوں سے دل پھیلو لویا سوخت کرکتے ہو	دل	پھوٹو کہیں، کہاں کی آتش میں بھر رہے ہو
دل	اور میانِ خالِ شکر لب پہ تہارے	دل	بوسہ میں بھی شاید مزہ تل شکر ہی ہو
دل	اللہ رے صنم! یہ تری خود دنیاں	دل	اس حسن چند روز پہ اتنا غور ہے -
دل	دم بدم اس کی غلغل سے اب بچے آزار ہے	دل	دوستاں یہ دل نہیں، پہلو میں میرے خد
دل	چاہ میں کس کی دل ڈبو بیٹھے	دل	آہ! ہم کیسے دل کو رو بیٹھے
دل	کیوں امانی گیا نہ آخرِ دل	دل	کفِ افسوس اب ملو بیٹھے
دل	آہ اب میرے دم کے ساتھ ہوئی	دل	پاؤ پر عمر کے برات ہوئی
دل	ہم سا جونا توں عقب کار رواں رہے	دل	جوں نقش پا دو ہیں جوئے پھر جاں رہے
دل	صدے جو پڑے ہیں دلِ غم کے	دل	ور آنسو نہیں تھمتے چشمِ غم کے
دل	خوش خواب میں ہیں، مگر جواب تک	دل	جاگے نہیں خفتگاں عدم کے
دل	ہے صبح کو عزمِ رفتن یار	دل	تک غلیہ آفتابِ عزم کے
دل	انکھیں نہیں مند تی ہیں عجب جی پوچھے	دل	یارب دل حیراں کو مرے کس کی طلب ہے

دوم لینے نہیں دیتے ہیں یہم کے سینا لے	دلہ	کیا جانئے کیا دل کو مرے درو کہ لہجے
اھر اں کے شب و روز کاست پہچو گدنا		دن کٹ کی جوں توں کے، تو پھرات خستے
مت سے سروکار غم جبرستی ہے		کچھ عیش سے تو کام نہ آگے تھا نہ اسے
نامبر کہیو زمانے کی تڑپ تھی تھ بن	دلہ	شیخ شب دیکھ مجھ صبح تلک رونی ہے
بارا منع کیا چھوڑ دے بے رحم کی چاہ	دلہ	باز نہیں آتا، امانی بھی عجب کوئی ہے
سیر گلشن کو میں جاتا تھا جو صیاد مجھے	دلہ	دیکھ کر دور سے بولا کہ ”شکار آتا ہے“

۱۴- امین

امین تخلص، خواجہ امین الدین نام، عظیم آبادی۔ عالم دوستی اور اتحاد میں باقرینہ ہیں۔ علی ابراہیم خاں مرحوم کے یار ویرین ہیں۔ شعر فنی اور سخن رسی میں زمانے کے یادگار ہیں۔ معنوں تلاشی اور ادا بندی میں نادر روزگار ہیں۔ ذہن کو ان کے بندش کی صفائی میں نہایت ارجندی ہے۔ اور طبیعت کو ان کی تلاش معانی میں اپنے ہم معروں سے بلندی ہے۔ چند مدت نواب میر محمد رضا خاں مظفر جنگ بہادر کی رفاقت میں اوقات اُنہوں نے کیفیت کاٹی ہے۔ بعد اس روزگار کے قناعت اور جواں مردی کے ساتھ خانہ نشینی میں زندگی بسر کی ہے۔ ایک دیوان چھوٹا سا زبان ریختہ میں ان کی تصنیف ہے۔ منتخب اس کا یہاں لکھا گیا ہے۔

دنیا میں جو آکر نہ کرے عشق تباں کا	طہ	تزو یک ہمارے ہے یہاں کا نہ دیاں کا
مانند نگیں آپے کاوش میں پڑا ہے		شفاق جو کوئی ہے یہاں نام و نشان کا
کرتا ہوں امیں میں تو تئاس کی بوکین		مُنہ لال ہو اجا تا ہے محبت زباں کا
پہلے سے جو وہ شہرہ آفاق نکلتا		تب دیکھتے خورشید کا یہ نام نکلتا
تھا کچھ بھی مناسب کہ نکلو ادیا تو		گر صبح نہ نکلا تھا امیں شام نکلتا

یشک پنج مکافات کے واسطے مانس ہے۔ یہ اشعار یادگار جہدہ روزگار کے لکھے جاتے ہیں اور یہ اداق پریشان اس سے زینت پاتے ہیں +

<p>نہ ڈٹے شیخ سے زنا رہشیج سلیمانی کہ ہو جو تیغ بے جوہر سے ہے ننگِ یانی نہ بھارے آستین لکشاں شاہوں کی پٹیلی ہوئی جب تیغِ رنگ آلود کب جاتی ہے چھانی مواخا گرنہ ہووے دوست، ہے وہ دشمن جانی جوں شمع زندگانی مری ہے نہ بن تلک ہے کسوتِ کبود گل ز عطر اں تلک پاؤے نہ راجہ و نہ زبانی ساں تلک ہے منحصر غذائے ہما آستوں تلک</p>	<p>ہو جب کفر ثابت ہے وہ تھامے مسلمانی ہنر پیدا کر اول، ترک کجوبت لباس اپنا غش نامد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کی کہے ہے کلفتِ ایام ضلع قدموں کی یہ روشن ہے بزمِ شمع ربط باد و آتش سے ہے پرورش سخن کی بجھے اپنی جاں تلک بے ماتم اس چمن میں نہیں خند و طرب لاف سپہ گری نہ بکے مردِ پرست باز سختی سے گزری اہل سعادت کی یہاں معاش</p>
--	--

<p>آیا نہ ایک گل کبھی اس بہتلی تلک بے زوہن پہنچ نہ سکوں آشیل تلک پہنچا نہ پائے شمع کبوش معداں تلک لیتے ہیں خاک آن کے اُس آتلی تلک پہنچے ہے کوئی دن کو زمیں آسمان تلک احکامِ غوری نے کیا سن یہاں تلک مکمل نہیں کہ لاسکے اپنے دماں تلک مانند آسیا کے پھر دلیں کہاں تلک</p>	<p>جس کی بہا پہنچی نہ آخر خزاں تلک وہ مرغِ ناتواں ہوں کہ صحنِ چمن سے میں روضہ میں جن کے حلقہ چشم ملک سوا ہنگام طوف بسکہ ملائک ہمیشہ دماں علوم کھے ہیں دماں کے یہ آپس میں لیکر رہنے کو جگ میں صورتِ انوس کے تنیں انگشت چوسنے کے لئے طفلِ شہِ غبار اس چرخِ دوں پرست تلے بہرِ شہِ بخت بوز</p>
--	--



قصیدہ

ہے سخن سنج اک جوانِ تیں
 رات جاگڑیں اُس کی خدمت میں
 میں جو پوچھا؟ کہا بسبت چچہ
 لیکن اسے یارِ تجھ سے کتاہوں
 دماغ ہوں اُن سے ابداً نہیں
 یعنی سودا و میر و قائم و ورد
 کیا غرور و دماغ دیکھا غوت
 شش شیراز کرب و دہ
 سنگ جانیں جو بزم کا اُن کی
 اور جو احمق اُن کے سامع ہیں
 جیسے بھی اُن مَن بڑائی پر
 شعر و قطع اُن کے دیوں کی
 جس میں جو دیکھے تو آہ نکلا
 اتنی کچھ شاعری یہ کہہ نہیں
 غرض اس فہستہ کہتیں نکر
 کہا سودا کو اُن بزرگوں میں
 اور جو وہ دے بھی تو یاق ہے
 ہے وہ مداح ایک ایسے کا
 یعنی ذوابِ سیف و دلہندا

فخر مائب جو وہ کہے نہیں
 اُسے دیکھا تو تھا پٹ غلیں
 جٹ کرنا کسی کا غوب نہیں
 مل کے گوجر پر سبکینِ نفیر
 بزمِ شعراست ہیں جو صدرِ نشیں
 لے ہایت سے تاکِ حکیمِ دغیں
 کون سا کبر ہے جو اُن میں نہیں
 سمجھے بہ ایک اپنی مہین جہیں
 بو علی ہو صنفِ خالِ نشیں
 دم بہ دم اُن کی کیا لکریں سخنیں
 رشک کے مگر عجب کہتے ہیں اُمین
 جمع ہو دست تو جیسے نقش نہیں
 یا تو ارد ہوا ہے یا تقصیں
 میخ و در کون آسان و زمیں
 ہر کہے ہے اختیار میں دیں
 مست گنوا اُس کا ہر کپ نہیں
 فخر کرنا چاہے ہے اُس کے نہیں
 مسد جاہ جس کی عرشِ یریں
 جس کی شمشیر و فرق دشمن میں

<p>رفعت دست جو دے جس کے پنجہ آفتاب کی سی طبع غنچہ کی بھی گرو میں بند کیا دست وہا اپنے گم کرے ہی عدد پوچھتا ہے ہر ایک سے بچ کہ فکر میں قمر کے ترے ہر شب ایندھن کونہ آدے تانہ پڑھیں</p>	<p>دامن خلق کا ہے یہ آئیں بہرہ ور ہے ہمیشہ رونے میں تیری بخشش نے شست نہ کو تہیں یاد کرتی ہی تیغ و خنجر کیس سر مرا ٹنڈیوں میں ہو کہ نہیں حالت نزع سے زمیں ہو قرین جاے افانہ سورہ یسین</p>
<p>احکام پر ترے نہ کوئے کیونکہ کام تیر آتا ہی خست بیٹھے ہے معنی کہاں ہو خست ہر سہے کس کا تیر ترے تیر سے کہیہ</p>	<p>ہے یہ کمان حلفہ بگوش و ظلام تیر غوی کا حق کرے ہے ادیان تلام تیر انگشت ہے قضا کی کیس ہیں بنام تیر</p>

شہر آشوب

<p>اب سامنے میسے جو کوئی یہ دیو بن ہو کیا کیا میں تباؤں کے زلزلے کی شکل گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی ثابت ہے جو ڈھلا تو نہیں موزوں میں کچھ جان کہتا ہے نعرہ کو صراف سے جا کر یس کے دیا کچھ تو ہونی میسر و گرنہ اس رنج سے جب چڑھ گئے جھتیں بیٹھے لیتے ہیں بایں بسبھی وہ تو دو ماہر قاضی کی جو بھہر کہ حلا نہ کے اس میں</p>	<p>دھوی نکرے یہ کمرے منہ میں نہ باں ہو ہے وجہ معاش اپنی سو جس کا یہ میان تنخواہ کا پھر عالم بالا بہر مکان ہے تیروں میں ہو پیر گیری تو بے چارے کاں ہے بی بی نے تو کھایا ہے یہ عافہ ہر میان شواں بھی چہ ماہ مبارک رمضان ہے تنخواہ کے پھر ملنے کی یہ شکل کہاں ہے لکھ محسوس دھڑکے کی جنہیں تاب توں ہے بیٹھا ہوا اس شکل سے ہر پیر و جوان ہے</p>
---	--

ملتا ہوا اذان دیکھتے تو منہ موند کر اُس کا
 بولتا ہر خطیب اس میں تو مارے اسی اُن کو
 ریختے جو کہ حاتمہ پھر گھر میں خدا کے
 اور وہ جو ہیں کمزور سوداں اُن کے بیٹھو
 اُٹھ اُٹھ کے دکھائے ہیں انہیں حال اپنا
 یور بھی نہ ملا کچھ تو ہر اک پال کے آگے
 کوئی سر پہ کئے خاک گریباں کسی کا ہاک
 ہندو مسلمان کو پھر اُس پال کے اوپر
 یہ مسخرگی دیکھ کے وہ صاحب اتھی
 گو ہوئے جا کر کسی عہدے کے صاحب
 وہ جاگے جو راتوں کو تو مینے میں دوزانو
 خیازہ پہ خیازہ جو اوپر چرت اوپر چرت
 صید پہلبا بک کے جھلا آدمی نوکر
 مصیبت یہ اُس سے اگر آقا کو نہیں چھوڑ
 دیتے ہیں مٹکا تیر و کماں ہاتھ میں اُس کے
 سدا گری کیجے تو ہر اُس میں یہ شقت
 قیمت جو چکائے ہیں سو اس طرح کرنا
 گر خان و خانوں کی کسے کوئی وکالت
 ہر گھر میں وہ چلے کہیں قتلہ سا چھوٹل
 شام ہونے جاتے ہیں سختی و احوال
 گر عید کا مسجد میں پڑھیں جا کے مٹکانا

کہتے ہیں کہ خانہ پیش مسلمان کہاں ہے
 ہاتھ اُٹھایا داخلہ تو تھپتھپا رہا وہاں ہے
 نہ ذکر نہ صلوٰۃ نہ سجدہ نہ اذان ہے
 رستے کے جو آگے کو یہ ہر ایک دکھان ہے
 دربار رُو اس عہد میں جو غور و کلاں ہے
 اس سچ سے رسالہ کار سالہ ہی دولہا
 کوئی دمنے جو منہ پیٹ کوئی نعرہ نکل
 ارختی کا تو ہم ہے خوارے کا گمان ہے
 اگر تار جو وہاں عرض تو نہ یہاں جو نعل ہے
 اُس کی تواذیت بڑی ہی آفت جاں ہے
 کیسا ہی اگر اپنے تیش خواب گراں ہے
 منہ مصیبت سو فار کمر شکل کماں ہے
 سود و سوروپے کا جو کسی عہدے کاں ہے
 آوے تو وہ اُس کو بختوت نکل ہے
 غنڈی ہوا آئے گا اُس وقت گمان ہے
 دکن میں کہے وہ جو خرم و مغل ہے
 سجھے ہے فروشنہ وہ دندی کا گمان ہے
 اس کا تو بیل کیا کروں تجھ کو عیال ہے
 ہر کو چھریں جو اب چکلاں مادر و مل ہے
 دیکھے ہو کوئی فکر و تردد وہاں ہے
 یتیم قطعہ تہنیتِ خلن زماں ہے

<p>اگر رحم میں سلیم کے سنے نطفہ خاں ہے پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے ہوں دور پے اس کے جو کوئی شہزی خواں ہے سب خراج کھسکے گا اگر ہند سواں ہے لڑکوں کی شہرت سے سدا خمار ناں ہے چھٹے ہی تو شکر وہ طعن زبیل ہے گنبد سے کوئی پڑی کوتاہی کہاں ہے ہے آج کدھر عرش کی شب ذکاں ہے لے خیل مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے</p>	<p>سایح تو لدکی رہے آٹھ ہنس کر استحلال ہو تو کیں شریہ نس کا نمائی اگر کیجے تو ملا کی ہے عتہ دن کو تو وہ بچا رہ پڑھایا کرے لڑکے تس پر یہ قسم ہے کہ نہالی تلے اس کے چاہے جو کوئی شیخ بنے بہر فرحت دیتا ہے دم خرس کو کوئی ٹٹلو نسبت ہو چھے ہے مریدوں سے یہ بھی کواٹھ تحقیق ہوا عرس تو کر ڈاڑھی کو نکلی</p>
---	---

درجہ شہسپیل

<p>رکھتا نہیں جو دست عماں کا بیک قدم ہرگز عرقی و عسلی کا نہ تھا شمار موجی سے کش پاؤں کھاتے ہیں وہ اوجہ خستے اکتوں میں اٹھایا بزننگ مار پاؤں سے سزا جو ان کا کوئی نام لے جمار گھوڑا رکھیں ہیں ایک سہا یا خرب و خواہ رکھتا ہو یہی اسپ علی فضل شہسپیل ہرگز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار فاقوں کا اس کے ہٹے کہا نک کہو شمار کرتا ہے راکب اس کا بوا زار میں گذار</p>	<p>ہے چنچ جسے اہلق ایام پر سوار جن کے طویلے بچ کنی دن کی باج اب دیکھتا ہوں میں کز مانے کے کتھ تہنا دلے نہ دہر سے مال خراب میں گے چنا چن ایک جاوے بھی مہرباں نوکر ہیں سو وہ بچے کے دیانت کی راہ نے دانہ دانہ کاہ نہ تیار نے نیس مانند نقش نعل زمین سے مجب زنتا ناطاعتی سے اس کی کہا نک بیان کر اس مرتبہ کہ جو کہ سی پچا ہے اس کا حل</p>
--	--

قصاب بوجھتا ہے مجھ کو بک کر دے گا یاد
 جس دن اس قصائی کے کھنڈر بندھا ہو
 ہر بات اتریں گے تئیں دانہ بوجھ کر
 خط شعلہ کو بکھے ہے وہ دستہ لگایا
 سیکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھاس کا
 دیکھے ہو جب وہ تو بڑا ٹھان کی طرف
 فاقوں سے مہنٹانے کی طاقت نہیں کی
 نے اس کو اس نہ گوشت نہ کچا اس کے پیٹ میں
 پہلا ہوئی ہو تس پان پاؤ اس قدر
 گندے وہ جس طرف سے کھو اس طرف
 سمجھا نہ جاسے یہ کہ وہ اہل ہو یا ننگ
 ہر زخم پر زبک بھکتی ہیں کھیاں
 یہ حال اس کا دیکھ غرض یوں کسی خلق
 یا مر رہے یا چورے جادوی یا بودے کم
 تنہا نہ اس کے غم کو جو دھنگ تنگ ہیں
 انعقد ایک دن مجھ کو کچھ کام تھا ضرور
 رہتے تھے گھر کے پاس قصارا وہ آشنا
 خدمت میں ان کے میں بن گیا جا کر اچھا
 فرمایا تب انہوں نے کہ اسے میری جان من
 لیکن کسی کو چھٹنے کے لائق نہیں یہ سب
 صورت کا جس کی دیکھتا ہوں گا کہ جو کوننگ

امیدوار ہم بھی ہیں کتنے ہیں چلا
 گذری ہو اس منطاسے ہرلے ہر نہار
 دیکھے ہو آسمان کی طرف ہو کے بے فکر
 ہر دم نہیں ہے آپ کو شک ہے بابا
 چو کے کو آنکھیں موند کے دیتا ہو مہیا
 کھاتا ہے دانہ گھاس کی جاگ سدا بچا
 گھوڑے کو دیکھتا ہو تو بادی ہے بابا
 دھونکے ہو اپنی دم کو کہ جوں کھال کو لٹا
 ہرگز ورنہ اس کو قوت جان زینند
 باد موم ہو دے صبا اگر کرے گزار
 غارت سے زبک ہو مخرج بے شمار
 کہتے ہیں اس کے رنگ کو گسی اس متبا
 چنگل سے موزی کی تو چھڑا اس کو زنگ
 اس تین بات کو کوئی بھی ہو جو آشکار
 خوگیر کا بھی سینہ جو دیکھا تو ہو ٹکار
 آیا یہ دل میں جاسیے گھوڑے پہ ہو سوا
 مشہور تھا جنہوں نے وہ سب نابھار
 گھوڑا مجھ سواری کو اپنا دو مستعار
 ایسے ہزار گھوڑے کر دیں تم اور بنار
 یہ دقتی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار
 میرے جس کی منت ہو سب خشکیں کو خلد

بدنگ جسے لیدر بدنگ جوں پشاپ
مانیہ سخ چو کی لکندن سے تھان پر
حشری جو اس قدر قیامت کُنیں اوپر
اتاہی سرنگوں پر کہ سب گنہ گین دانت
سے پیر اس قدر کہ جوتا دے اس گنا
لیکن مجھ زوئے تو اینخ یاد ہے
کم رو ہے اس قدر کہ اگر اس کو فضل کا
ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ
مانند اس پ خاۃ شیطانی اپنے پاؤں
مٹھا تو اس قدر ہے کہ جو کچھ کہ تم سنا
دلی میں آن پہنچے تھا جس دن کہ مر نہ
مدت سے کوڑیوں کو اڑاتے ہو گھر بیچ
ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اس پر
جس شکل سے سوار تھا اس دن میں اس پر
چاکر تھی تو فتنہ مہل میں کچھ تو تھا مٹیل
انگے سے تو برا اسے دکھائے تھا نگر
ہر گز وہ اس طرح بھی نہ آتا تھا رو بہ
اس منکر کو دیکھ ہوئے جمع خاموش عالم
پہیے اسے لگاؤ کہ تاہو وے یہ رواد
کستا تھا کوئی نہ بڑھوئی نہیں یہ سپ
پرچھے تھا کوئی نہ بڑھوئی نہیں یہ کیا گناہ

بدین اس قدر کہ کرے صلیب لجاڑ
لاجنٹ لے جگہ نہیں جوں بیخ استوار
دجال منہ کو اپنے سیر کر کے ہو سوار
جیڑے پہ بسکہ ٹھوکروں کی نت پڑی ہو مار
پہلے وہ لے کے ریگ بیابان کرے شمار
شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت کے ہو سوار
لوہا منگلا کے تیغ بنا دے کبھی لہر
رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقت کا زہر
جز دست غیر کے نہیں چلتا وہ زہنار
لیکن اب ایک دن کی حقیقت کہنا دینا
مجھ سے کہنا نہیں آگاہ ہے وقت کار
ہو کر سوار اب کرو میدان میں کارزار
ہمتیار باندہ کریں ہو اس اڈ پر سوار
دشمن کو بھی خدا نہ کہے یوں ذلیل و غار
نہ سب کے پاشنوں نہ مرے پاؤں تو کھا
بیچے نقیب ہانکے تھا لاشی سے ملدا
میتا نہ تھا جگہ سستی جوں بیخ استوار
لکڑہر بان میں سے کتے تھروں پکار
یا باد بان باندہ پونکے دوختیار
کستا تھا کوئی نہ بیگا لایت کا یہ حمار
کتوال نے کہے پکیا کیوں تجھے سوار

<p>دل آئے ہوتے لطف سے کیا دور تھا سُن چکے ہم جب تلک مقدر تھا تو جاوے گا تری خم نہ ہے گا خاک میں لے ملا دیا ہو گا دل وہ مخم نہ نہیں کہ وا ہو گا ہاں میاں! تم سے اور کیا ہو گا پیری آنکھوں سے جو گرا ہو گا</p>	<p>دل گھر مرے آنا اگر منظور تھا گالیاں جو ہیں سو دیں بس کیجئے یہ دل خالی نہیں کوئی دم رہے گا بس کا دل آپ نے لیا ہو گا ہم کو کیا، گر بہار آتی ہے گالیاں غیر سے سُنا تے ہو مل گیا ہو گا خاک میں جوں اشک</p>
<p>دل یہ طفل اشک میرا عاشقی میں بے بہا نکلا سرورِ سینہ میں اس کو کہوں، یا نورا آنکھوں کا کس کو نہیں خوش آتی ہے برسات کی ہوا جوں شلخ کو ہلاتی ہے برسات کی ہوا مہ چاند ہتا ب میں منہ دھانپ کے نکلا تو ہی ہنگامہ گر کوئی ہو گا تری تصویر کا۔ اے ہنس دیکھ لے ننہ ہے یہ اکسیر کا چا بتا رہتا ہے دل پیکان اُس کے تیر کا</p>	<p>دل بتاں کے واسطے گھر بار کو اپنے بہا نکلا وہی مقصود دل ہے، اور وہی منظور آنکھوں کا کیا ایک لمحہ کو بھاتی ہے برسات کی ہوا جب آہ سر دھرتا ہوں کانپے تہن امیں خوش ترادیکھ کے منہ کانپ کے نکلا شور ہے عالم میں تیرے حسن عالم گیر کا عشق کی دولت سراپا میں طلا کے رنگ کا چوستا ہے ہوں سر پہتاں کو فضل شیر خوار</p>
<p>دل فائدہ ماس متد بہانے کا؟ کیا ہی جھگڑا ہے سوا اشکا ایسی نام آدھی کا منہ کالا</p>	<p>دل گرا راہ نہیں ہے آنے کا خط تے مارا ہے حسن پر شب خوں سخت کاوش میں ہوں بے رنگ نہیں</p>
<p>دل اپنے دیوانوں سے کیا کہتی ہیں یہ بیکھنچ جس طرح مجھ سے لے اٹھ کر کو آتش گیر کھنچ کاش نا لے کو مرے ہوئے اثر سے پیوند</p>	<p>دل ہر سینہ سے یوں لیتی ہے وہ زلف دوتا دیکھتی ہے جب مری صوفت کو بل کھاتی تیر جس طرح شلخ کو ہوتا ہے ٹر سے پیوند</p>

کہنے لگایہ آکے اُس اجماع میں ایک شخص
 بھوں ہوں میں تو یہ کہ پہلی کو بیس میں
 اس شخص میں تھا ہی کرنا گاہ ایک اور
 دھوبی کسا کی گئی اُس دن ہوئی تھی کم
 ہراک نے اُس کو اپنی گدی کا خیال کر
 دریا کے شکش ہوا اُس آن بچ زن
 پیشی اُس کی دیکھ کے کر خرس کا خیال
 کہتا تھا کوئی بھسے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا
 رکھتا کوئی تھا لاکے پہاڑی کو مٹہ کی بیچ
 کتھی بھی بھونکتے تھے کھڑے اُس کو روپوش
 بھگڑوں میں دھوبیوں کو لڑکوں کو ڈوں آ
 پہلی ہی گولی چھوٹے اُس گھوڑے کو لگی
 ہارے دھاری ہوئی اُس وقت مستجاب
 یہ کہ کے تھی میں ہوا مستعد بہ جنگ
 گھوڑا تھا بسکہ لاؤ دست و ضیف و خشک
 جاتا تھا جب ڈپٹے میں اُس کو جلیف پر
 جب ہیں دیکھا جنگ کی یہاں تو بند تھی کل

گھوڑا نہ یہ گدھا نہ یہ راکب گناہ گار
 ڈالین چلے ہے سیر کو ہو چرخ پر سوار
 ققنہ کو آسمان نے کیا بھسے دان چا
 اس ماجری کو سن کیا دونوں نگوں گنڈ
 پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کا
 تھا غم تیب ڈوبے غصت کے یک کند
 لڑکے بھی دباں تھے جمع تاشے کو میثار
 دون کا نکالیں تھ کو بھی نو چندہ ایتوار
 لیتا تھا کوئی دھوکے کے موتن سستی اہوار
 مانتہ اُس سمند خرس ناکے ہو چشم چار
 کتوں کو ماروں یا کہ مروں اپنا پٹ ما
 ایسا لگے نہ تیر کہ ہوسے متن سو پار
 دیاں سے ہر نہ کیا خشکا ہنگ گذار
 اتنے میں مہشہ تھی ہوا مجھ کو بھی دھچکار
 کرتا تھا یوں خیف مجھے وقت کا زلزلہ
 دوڑوں تھا اپنے پاؤں چھوٹے لعل سو
 لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بھل میں مل

+

مقدمہ نہیں اُس کی قہلی کے بیاں کا
 پردے کو تعین کے عدول سے اٹھانے
 ملک دیکھ منہ خانہ ہشتی آن کے اوشن
 جوں شمع سلاہوا اگر منہ بیاں کا
 کھنڈ ہے بھی ل میں طلسمات جلیں کا
 جوں شمع مرم رنگ جھکتا ہوتاں کا

<p>بے طرح چٹکے کو ہے اُس کی کمر سے پوند میں نے یہ شیشہ کیا کیا ہونے سے پوند</p>	<p>یا اہلی کسی ظالم کے پڑے پنجہ میں کو کھجھال میں دل صد چاک کیتوں کا</p>
<p>گر آئے زندگی ہو تو مارے ہیں دھار پر اتنا خفا ہو کس لئے اس خاکسار پر بھاری ہوئے ہیں کیا تجھے اپنے دھجار پر دیکھتا ہے جب ہماری آہ کا کالا پہاڑ اس کی فرمایش کا اپنے سر سے تو ملا پہاڑ جن نے نہ کبھی دیکھی ہو زنجیر ہوا پر ظالم ہے ترے ظلم کی تاثیر ہو ہوا پر نامہ مرا کہاں ہے ہے کاغذی کبوتر لکھ رہا ہے نام مقتولوں کا اس تروار پر جس طرح تروار کوئی آگے تروار پر رات ہوتی ہے ایسے بھاری ہراک سیاہ</p>	<p>مرتے ہیں ہم تو اُس کے لب آبدار پر بوسہ دیا تھا، جی میں جو آوے تو پھیر لو اس شمع روکے سامنے اتنا ہے تو تنگ دب نکلتا ہے اگرچہ سب سے بالا پہاڑ کھو دیا کوہ کن نے جاں شیریں کے لئے آدھ دیکھے تری زلف گرہ گھیر ہوا پر ڈسے ترے نار بھی نکلتا نہیں لب سے اڑتا ہے ہو کے مضطر جا اس کے بام پر ہے نہیں جو ہر نمایاں تیغ تیرے نیار پر یار کے شرکاں سے لڑ جاتی ہے یوں تیرے چکا دل خیال زلف میں ہے خواب و بید آرام ہے</p>
<p>لیکن ہوئے نہ آہ یہ بخت سیاہ سبز رہتا ہے گرد جادہ کے اکثر گیاہ سبز لبے امیں نکلتی ہے ہر ایک آہ سبز دیکھنے دے ذرا تو رہ اے چشم</p>	<p>آئی بہار ہو گئے ہر خار راہ سبز شاد اب ہے خط اس کے لب آبدار پر دل میں ترے خیال پکڑ فتنال کا یار آیا ہے اب نہ یہ اے چشم</p>
<p>گالیاں کھاتا ہوں غصہ کو پئے جانا ہوں مرتے مرتے بھی ترا نام لئے جاتا ہوں ہم تو فحشی ہیں نکاح ہوں کے، کوئی جیتے ہیں</p>	<p>کیا کموں یار سے اپنی سی کئے جاتا ہوں جی نکلتا ہے یہ لب یادیں بتے میں تری چاک سینہ کا مے لوگ عبث سیتے ہیں</p>
<p>لے آہ زندگی سے آہ جات "مرا ہے میں پر غصہ کا فہم کہا جاتا ہے"</p>	

<p>گھر میں ایک میں ہوں پڑا، اہ کئی بستے ہیں غم کو کھاتے ہیں ایسے خون جگر تپتے ہیں</p>	<p>سیل آتی ہے تو آنے دو مرا کیلے گی فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکر معاش</p>
<p>موبو جی کا کال رکھتے ہیں ہم بھی اک فونہال رکھتے ہیں جان آگے نکال رکھتے ہیں</p>	<p>سر پہ خواباں جو بال رکھتے ہیں سر پر اتنا بھول مست قمری دل تو کیا ہے، ایسے جو آوے یاد</p>
<p>ولیکن جو دیکھا، تو تھا کچھ نہیں لگا کہنے کیا ہے، کہا کچھ نہیں وہ سوئے کس طرح جس کے سہے بیمار تھیں بسان شانہ رہتا ہے انہوں کے خار پہلو میں</p>	<p>بتاں مجھ سے کہتے تھے کیا کچھ نہیں میں بوسہ جو مانگا، جو بھجلا کے وہ مجھے بے چین رکھتا ہے دل افکار پہلو میں گر قماروں کو تیری زلف کے کس طرح خواب کو</p>
<p>ملاقات تیری اگر کم نہ ہو خدا کے لئے اتنا برہم نہ ہو پر اتنا بھی خلوت میں ہر دم نہ ہو اللہ یہ خون جگر کم نہ ہو</p>	<p>مجھے تو کبھی غم بھر غم نہ ہو میں درگزر صاحب سلامت بھی ہم آنے کو مانع نہیں غیر کو ایسے کی غذا آرہی ہے یہی</p>
<p>جو صاحب عقل ہیں کہتے ہیں اہل ہوش چھکے بھکائے گا وہ صبح عید یوں آغوش سے مجھ کو کوئی لے کر ملا دے اس سبستی پوش سے مجھ کو ایسے جلنا پڑا اس آتش خاموش سے مجھ کو</p>	<p>ہوئی ہے آشنائی جب سے اس کے نوش سے مجھ کو بھلا تو ہی کہہ اس دل کسی کو یہ توقع تھی جہائی سے سراپا رنگ میرا زعفرانی ہے بھڑکتا ہے جگر میرا دل پر دغ کے دولت</p>
<p>گھر کا گھر ہے سیاہ، مست پچھو تھا ایسے بے گناہ مست پچھو وہ نہیں جاتی ہے گلہابی آنکھ ہے مگر خانہ کبابی آنکھ</p>	<p>کیا کہیں دود آہ کی تاثیر مفت مارا گیا ہزار افسوس جب دکھاتا ہے وہ شرابی آنکھ نحت دل گتہ رہیں ہیں نثر کاں سے</p>

روشن ہیں شب بھر میں یہ دیدہ بیدار دھڑکے ہے مراد دل کہ کہیں کچھ نہ لگا دیں دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی صبح گر صبح قیامت ہو، تو کچھ پروا نہیں تیری یا نکھوں کی پرستاری میں دل گھبرا گیا اس زمانہ میں امیں مت کر کسی سے متکی دل باندھے تو تیار کے کاکل سے باندھئے دھڑکے ہے دل کہ کر جو کہتے ہوا سے سیال	دل	جوں دلفیں چمکنے میں ترے کان کے موتی لگتے ہیں ترے کان سے جب آن کھلتی عمر کتنے کو کٹی، پر کیا ہی خودی میں کٹی ہجر کی جب رات ایسی بے قراری میں کٹی ہائے اس بیمار کی بیمار داری میں کٹی شع کی گردن، نندیکھی دوست دلی میں کٹی لیل کو باندھئے تو رگ گل سے باندھئے باریک بال سے ہے، تامل سے باندھئے	دل
ہم ہیں دیکھتے اور تیری یہ اوقات کٹے ایک دم ہو گئی گراؤں سے ملاقات تو کیا رنگ چہرے کا زعفرانی ہے کس سے تشبیہیں بھلا تجھ کو شع رویاں سے اتنا گرم بہل رات دن بھیکتے ہی جاتا ہے	دل	یوں گھنے کو آفتاب ہاں ہے اور تو کیا کہوں اے شانہ ترا باہ کٹے زندگی کا ہے نریہ کہ مساوات کٹے	دل
خضر نے ایک دم پہا تھلے کے آب زندگی کیا بھلا اس میکے میں جی کسی کا شاوہ منی آرام کیا ہے، تو نہ کچھ سمجھا میں غیر سے کیوں کہ وہ چھوڑے ملنا ہم کھڑے تھے سامنے، اور اخیاروں میں تھے جتنے تھے محض میں، تھسا ہے تہاں ماحلا	دل	مانگتے ہیں اب تلک اس سے صاب زندگی مر گیا آخر کہ کوئی جن نے شراب زندگی ہم تو مدت سے اُلٹتے ہیں کتاب زندگی	دل
	دل	چھوڑتا ہے کوئی اپنے بانے	دل

<p>ہاتھ اٹھانا جان سے پیاسہ پیٹ دشوار بھر عمر گدائی میں بھی کرتے رہے شاہی خط کو جو ترشے ہے بھلا فائدہ کیا ہے کیا دین سے خاف ہیں ایسے مردم دنیا تمہاری نگہیں دیکھتے ہیں نہ پٹی گنتی ہیں ہلکی پٹی تری ٹمکے جو ہوں گے مارے، نہ مہیا ہو کا کھو پانی</p>	<p>کیوں نہ دیکھا کل سبھی تو ناز برداروں میں دنیا میں جو ٹھانے تھے میاں، ہم نے نہای اب چڑھ چکی اے یار سپیدی پہ سیاہی سکہ کو سمجھتے ہیں سدا اپنا الہی ہر دم قدس جو غزل کی بیاسی، یہ کافر نکمیں ہیں ٹانڈی نایسی نکھی تریخ ہم نے، نہ لای نکھی ہے آبادی</p>
<p>انہار نہیں اگرچہ سر کا سائل کو جواب ترش ہرگز مت دے</p>	<p>بابی پر بوجہ اتاروں ہوں میں اپنے سر کا بھوکا ہے، کیا کرے گا لے کر سر کا</p>
<p>یہ جو جھنڈا یہ بے وفائی کب تک کرتا ہے کوئی حسن پر اتنا بھی غور</p>	<p>بابی بس کیجئے، پاس آشنائی کب تک دیکھیں تو سہے سہے یہ خدائی کب تک</p>
<p>کیا شہر میں آج بھر پر ہے ہولی - وعدے کیا کر دگے دل خوش کب تک</p>	<p>بابی پھرتے ہیں لئے عسیر بھر بھر جھولی ہولی کا فترار تھا، سو یہ بھی ہولی</p>
<p>ایک ہیں آشنائے غم خوار ان کی تعریف کیا کروں میں بیاں دل ہے ان کا کہیں دلیغ کہیں منہ کو ان کے خدانہ دکھلا دے چار پیسے کا سیر بھر ٹھٹھا آج دنیا میں ہیں جو کچھ ہم ہیں دیکھتا ہوں جو ان کی میں صورت گال جڑے سے یوں رہے ہیں لپٹ تس پہ چپکے پٹے ہیں ہے ماسی بچ</p>	<p>شنی، پوچھ گچھ بیوقوف بد اطوار کہتی شرماتی ہے گی منہ میں زباں گھر میں ڈھونڈو تو بھونے بھانکتی ہیں گر کوئی دیکھے خاک کیا کھا دے ہلی کے رکھتے ہیں جی میں یہ غرا مالک چار دانگ عالم ہیں یاد آتی ہے چمن کی صورت لگ رہے ہوں کو ان کے جوں پٹ جوں جڑی ہوں کو ان میں گل بچ</p>

<p>ناک ہے جوں کوڑا کی مینی حلقہ چشم حلقہ در ہے جوں ڈفالی کا ہوئے پھونادف لوگ کرتے ہیں دیکھتے اخ ہتھو جن کے دیکھے نہ ہو دیں کالے بال کھینچتا دل میں ہے پیشانی جوں کہ چوٹے پہ اندھی ہوشکی پیٹ تے ہو دے پیٹ سے جیسی ناف ہے جا ضرور کی موری منہ ہے چکنا تو پیشے خالی</p>	<p>میں تو کرتا نہیں سخن مینی آنکھ گر ہے تو گھر سے باہر ہے کان ایسے پڑے ہیں دونوں طرف منہ ہے سنا اس کی طرح بدبو ان کے دھامے کو دیکھ کرنی الحال دیکھ نقاش اس کی پیشانی کھوپڑی سر سے ہے گی یوں انکی توند لٹکے ہے پیٹ سے ایسی صاف کہتا ہوں میں بہ مجبوری کیا کہوں اس کی اور بد حالی</p>
<p>دل بیٹھا جن میں ہو دے جوں سانپ کے آگے رہے ہے سنگتیں لاگ آگینے سے ہماری جیب کو ہے کیا لگائے رہنے سے منا سکے ہے کوئی نام کو نیگینہ سے ایک کے آہ غفلتی ہے میرے سینے سے جب تلک جیتے رہے روز نہ شب آنکھ لگی کیا گھر بنج کی ہے بنت عجب آنکھ لگی غرض اشق سے عاشق کہا جس کا جی چا اگر باور نہ آوے، ہا کہ لکھا جس کا جی چا</p>	<p>دل لیکے زلف اس کی یوں حلقہ زن سے مجھ کو بتاں اٹھائے نہیں ہاتھ تیرے کینہ سے ضرور کیا ہے کہ ہوتا ہے تو جھلس نامح نہ اٹھ سکے گامرے لب سے حرف پوسکا امیں ضعیف میں اتنا ہوا بقول نفاں کیا برا وقت تھا اس شوخ سے جب آنکھ لگی بزم رنداں میں اسے دیکھ کے چپ جتا ہیں میں گندایار کے ٹنہ سے جاؤ جس کا جی چا حیات جاوداں بخشے ہے تیغ آبدار اس کی</p>
<p>یہ بھی اپنے نصیب کی غولی عشق کی پہلی یہ سلامی ہے</p>	<p>یار بھی اب گلہ لگا کرنے ہاتھ میں اپنا سر لئے رہنا</p>

دل گرفتار کیوں نہ ہو میرا	بریں جامہ ترے دو دامی ہے
زادہ کھو تو گرد نہ پھر پوش را کجے	یہاں آگ ہے چھپی ہوئی پر دے میں تے کجے
کیا چشم منماں سے رکھیں مفلسان ہر	دریا نے تو بھرے نہیں کا سے جہا کجے
پھر تا ہے کیوں بھٹکتا آشیخ ہر طرف تو	دل کتا ہے جس کو کعبہ وہ یار کی مٹی ہے
کما کرتے ہو مجھ کو قابل جو رو جھایا ہے	دل جو کوئی چاہے کسی کو اے میاں اُس کی منزل ہے
برہمن دیکھ کر پوچھے ہے اور کعبہ کے تین زادہ	پرستش ہم جسے کرتے ہیں، وہ نام خدایہ ہے
رشک گلزار ہوا داغ سے سینہ میرا	دل یار کے بھادیں تماشہ ہے، تماشہ ہے
ہس ماہر کے سامنے آتی ہے چاندنی	دل اپنے تئیں اب آپ ہنسائی چاندنی
منہ دیکھو تیرے سامنے آکر سفید ہو	مائی میں آبرو کو ملائی ہے چاندنی
ہو ورن کی چاندنی کچھ آخر اندھیری رات	ساقی پلا شراب کہ جاتی ہے چاندنی
کر آمد آمدس مہ تاباں کے نہیں امیں	کیوں چاندنی کا فرش بچھائی ہے چاندنی
غیروں سے اختلاط ہماری بلا کرے	دل اگر آشنا کرے تو تجھی سے خدا کرے
دنیا میں کہنے کو سب ہی کہلاتے ہیں بھلے	پہ ہے وہی بھلا، جو کسی کا بھلا کرے

۱۵۔ افسوس

افسوس تخلص، امیر شیر علی نام، والد ماجدان کے سید مظہر علی خاں، داروغہ قوچ خاں، نواب میر قاسم خاں عالیجاہ کے تھے۔ سلسلہ سیادت کا ان کی حضرت اسماعیل ابراہیم کو، کہ بڑے بیٹے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے تھے، پہنچتا ہے۔ وطن بزرگوں کا خائف ایک مکان ہے۔ علاقہ میں عرب کے۔ بزرگوں نے ان کے ہندوستان میں آکے کا نارفول میں سکونت اختیار کی۔ اس سبب سے وطن ان کا نارفول مشہور ہے۔ میر نکور کے باپ اور چچا کو، کہ سید مظفر علی خاں اور سید غلام علی خاں نام رکھتے تھے، نواب عہد الملک امیر خاں مرحوم

گیارہ برس ان کے متعینہ رہے۔ بعد ازاں ہونے اس سرشت کے، صاحبِ عالم و عالیان میرزا جوں بخت جہاں دارشاہ کی عنایت اور قدر و اتی از بسکد سے زیادہ دیکھی، سعادتِ قبول کی سب نے ملازموں میں اس عالی جناح کے محل کی جس ایام میں اس نیزاج شہر پوری کا غیر مغرب کی سمت نکلا، اور کچھ شاہ جہاں آباد کو چلا، تو میرزا کو یہ پہنچنے سے عوارض کے رہ گئے، اور ساتھ نہ جاسکے۔ ایک مدت سے جو کل قناعت بھر رہی ہیں نواب سرفراز الملک لہار کے دن زندگی کے بسر کر رہے تھے، مگر صاحبِ ولایتِ عالی شان بارہ صاحب نے، مشورے سے علی قدح آفرین مسٹر گلبرگ صاحب، نابھہ ریختہ لکھنؤ سے طلب کئے۔ بڑے صاحب نے لکھنؤ کے، کہ نامی اس ممدن رافت کا ہر صاحب ہے، بہ عزت تمام ان کو بلوا کے، اور شاہرہ دوسو روپے کا ٹھیلہ کے، پانچ سو روپے پانچ راہ دیا، اور کلکتے کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ جب مرشد آباد میں یہ آئے، تو فوراً بخت سے اسی دن غریب خانہ میں تشریف لائے، کس واسطے کہ ان کے نکلنے کی تقریب سے دو مہینے آگے راقم حقیر لکھنؤ سے نکلا تھا، اور دارو... کا تھا، دیدار سے اپنے انہوں نے نہایت خوش خرم کیا، اور چلتے ہوئے و مدد کلکتے کی سیر کا اس علمی سے لیا۔ غرض بافضل کمال بارہ سو پندرہ ہجری میں، بلکہ کلکتے میں، صاحبانِ عالی شان کے ساتھ میرزا کو ملاقاتیں بہ عزت تمام رکھتے ہیں۔ اور گلستاں کے توجہ کا کہنی کی سہکارسے کام لیتے ہیں۔ راقم آخر سے ملاقات ایامِ شباب سے ہے۔ فی الحقیقت کدوات ان کی زمانے کے اتنا ہے ہے عجیب جو ان خلیق اور اہل دل ہیں۔ فروتنی اور انکساری میں فرو کال ہیں منطق و معانی کے بیان میں صاحبِ استدلال ہیں۔ کلیات اور معانیات فن طبابت کے بھی بخوبی یاد ہیں۔ شعر عاشقانہ بہت مزے سے کہتے ہیں۔ اقسامِ نظم ہیں +

صبر کسی طرح نہیں اس دل تا صبور کو
دیکھ سکے گا پراسے تاجِ اتنی طو کو
دیکھنا تاجِ ہم نشین آنسوؤں کے نور کو
شعلہ طودیکھ گیا دیکھ کے اس کے نور کو

کیوں نہ ہو گھمنہ اس بست پر غرور کو
اُس بستی حجاب کا دیو ہے ابھی اٹھا تھا
پاتی نہیں فقط نہیں دُوبی ہے سب کی زینب
نکاحِ حقیقہ خود تائیاں، خن نہیں یہ لن تائیاں

کی رفاقت میں سررشتہ ملازمت کا نہایت اقتدار، اور غمزدہ قار کے ساتھ توپ خانہ کی داروغگی کے ساتھ سرفرازی تھے، اور رسالہ معقول سے حضور میں مختار تھے۔ بعد شہید ہونے نواب محمد الملک کے سید غلام علی خاں کو نیابت صوبہ الہ آباد کی بالذات بھی تھوڑے دنوں ہی آفرجایا بیاری سے انہوں نے میرد مٹھ رضوان کی کی۔ ان کی وفات کے بعد یہ ظفر علی خاں خانہ نشین ہوئے، اور بارہ برس بے روزگاری ٹھہرے۔ آخر نواب خان عالم بقاء علی خاں مرحوم نے لکھنؤ میں انہیں بلوایا، اور سرکار وزیر الملک نواب شجاع الدولہ مرحوم کے حکم میں تین سو روپے کا واسطے ان کے دربار بٹھرایا۔ ان ایام میں میر شیر علی افیس کا سن گیارہ برس کا یا کچھ کم زیادہ ہے، لیکن مولد ان کا دار الخلافہ شاہ جہان آباد ہے۔ یہ بھی ہمراہ اپنے والد ماجد کے لکھنؤ میں آئے، اور طور بود و باش کا یہیں ٹھہرائے۔ بعد کئی برس کے حسب الامر نواب صادق علی خاں کے، کہ بڑے بیٹے نواب میر محمد جعفر خاں صوبہ دار بنگالہ کے تھے، سید مظفر علی خاں دارم شد آباد ہوئے، اور داروغگی توپ خانہ وغیرہ کے ساتھ مور و عنایت و امداد ہوئے۔ آگے بیان ساتھ تفصیل کے بموجب طے ل کلام کا ہے۔ غرض جب وزیر الملک نواب شجاع الدولہ بہادر مع صوبہ دار بنگالہ صاحبان عالی شان سے معرکہ آرا ہیں، تو سید مظفر علی خاں بھی ہمراہ رکاب کے تھے۔ بعد میر محمد جعفر خاں کی وفات کے روزگار نواب سیف الدولہ کلانہوں نے نہیں کیا، بلکہ لکھنؤ چلے آئے، اور بعد کئی برس کے حیدر آباد کی طرف گئے، وہیں مال انکا ہوا۔ اس ایام میں میر شیر علی افیس کا سن انیس برس کا تھا۔ شعر و سخن کے ساتھ موانست ان کو بہت تھی، اور طبیعت کو مناسبت نہایت۔ چنانچہ صغیر سن سے شعر کہتے ہیں، اور اکثر اس شغل میں رہتے ہیں۔ اصلاح کا اتفاق ان کو میر حیدر علی حیران تخلص سے ہوا ہے، اور علی ابراہیم خاں مرحوم نے شاگرد ان کو میر حسن حسن تخلص کا لکھا ہے۔ اس کی سند چنے تنش نہیں پہنچی، اور یہ خبر اپنے گوش زد نہیں ہوئی۔ ابتدا میں یہ سررشتہ روزگار کا نواب سالار جنگ مرحوم کے ملازموں میں رکھتے تھے۔ اور یہ نواز شریف علی خاں، جو نواب مذکور کے بھائی بیٹے ہیں،

دل	تازہ بھرا وہ منہ ، گرد کیسے جو کھ نظر تو بھر	دل	منہ پہ نہ لائے زاہدا بھولے سے ذکر جو کو
دل	دوسو نہ طعنہ زن مجھے ناکسوں کی خوشنک	دل	میں نہ تھی کی نہیں غلط ، کرتے ہیں مضرب کو
دل	تو نے افسوس کیا کیا ، شبنم جا کر دل دا	دل	یہ تیری عقل جل بجھے ، آگ لگے شعور کو
دل	سمند گرم جو یہاں اس سوا کچھ پہنچا	دل	غبارِ خاک اس خاکسار کا پہنچا
دل	تو سچ بتا کر تجھے اتنی کیوں ہے بے یقینی	دل	مگر پیام کسی بے قرار کا پہنچا
دل	مٹے ہے پاؤں سے اپنے وہ لالہ دہم دم	دل	یہ مرتبہ تو دل داغ دار کا پہنچا
دل	ہے یہاں ملکِ قزاق کیوں گھرے سے	دل	لچکنے لگتا ہے اس گلزار کا پہنچا
دل	قفس سے پھنسنے کی امید ہی نہیں افسوس	دل	حصول کیا ہے جو مزدور ہمار کا پہنچا
دل	جب ملکِ عشق یارو ، نہ دل ناکام تھا	دل	اپنے میں کیا چین تھا ، اور دل کو کیا آرام تھا
دل	بخشیدو ہم کو تم سے ٹوکا ہے ہم نے بھول کر	دل	درد دل تیری بلا جو ، وہ ترا ہمنام تھا
دل	اس کے اٹھتے ہی جی پہ آن بنی	دل	دیکھئے آگے آگے کیا ہوگا
دل	معجزت کرتا ہے یہ دل اشکباری میں	دل	ہو سحر کو خانہ ماتم میں زاری بیش تر
دل	دل کے تیش بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار	دل	بے دغاؤں سے رہی ہے بھٹکویا یں شہر
دل	ہنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھ بغیر	دل	روئے ہی آہ کٹ گئی یہ رات تجھ بغیر
دل	فیوض سے تو ملے تو ملا کر : وے لے جھے	دل	کرنی نہیں کسی سے ملاقات تجھ بغیر
دل	بزم میں اس کی نہ ہنسنے میں نہ دیکھتے ہیں	دل	چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا منہ تکتے ہیں
دل	کہا میرا مطلق نہیں بابتا ہے	دل	تو بیبا ستا ہے جی جانتا ہے
دل	کوئی دل سے رہے پوچھے جیسا کوہ نامع	دل	تجھ کو خوش آئے یہ ، پر تجھ کو تو بہاتا ہے

۱۶۔ آشفقتہ

آشفقتہ تخلص ، حکیم رضا قلی خاں نام ، والد ماجد ان کے حکیم محمد شفیع محمد خاں مرحوم تھے ،

مستوطن اکبر آباد کے۔ بٹے بھائی ان کے میرزا بھو صاحب، خدا مغفرت کرے، ذرہ تخلص کرتے تھے عجب دلوں اور ذوق شوق کے ساتھ کربلائے معلیٰ گئے، اور وہیں خاک ہوئے، وہو مزیک مقدس کے دفن ہیں۔ حق سبحانہ نقائے حشر بھی ان کا، اور جمیع مومنین کا، جناب سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ کرے۔ دوسرے بھائی ان کے، میرزا رضی صاحب، وہ بھی ان سے بٹے ہیں، بالفعل لکھنؤ میں داد طبابت اور معالجے کی دے رہے ہیں سچ تو یہ ہے کہ جو اختراعات فن طبابت میں انہوں نے کئے، دیکھنے کا کیا دخل ہے، کسی نے نہیں سنے۔ صداقت اور لیاقت ان کے خاندان کی نہیں ہے محتاج تشریح اور بیان کی۔ ہمیشہ بزرگ ان کے معالج سلاطین نامدار کے رہے ہیں، اور امیروں سے بلکہ ذریعوں سے سدا ناز و اعزاز کیا کئے ہیں۔ غرض حکیم رضا قلی خاں آشفتمہ تخلص راقم آثم کے دوستان قدیم سے ہیں۔ جوان آزاد وضع، اور غرض اختلاط وارستہ مزاج، اور مایہ ارتباطیں محبت، اور یکجہلی میں خلصے، اور آشنائیوں کے بہت خاصے، حسن پرستی میں خود پسلی و شیریں کی تصویر، اشتیاق بانی میں قیس و زناد کے پیر، ہیں۔ مشور سخن کا انہوں نے میر سوز صاحب سے کیلے، لیکن شاہد میں ان کے اتنا کوئی نہیں ہوا ہے۔ میر صاحب مذکور کے طرز ادائیہ میں انہوں نے رنگینی کچھ اور بھی زیادہ کی ہے، سچ تو یہ ہے کہ رنگین ادائی کی داد دی ہے۔ چندے انہوں نے رفاقت میرزا محمد تقی خاں کی کی، جو کہ پوتے میرزا یوسف کور کے تھے، اس سبب سے دو اڑھائی برس بودجا ان کی فیض آباد میں ہوئی تھی، وگرنہ پرورش انہوں نے لکھنؤ میں پائی ہے، اور کیفیت زندگی کی وہیں اٹھائی ہے۔ پیشہ بارہ سو آٹھ ہجری میں لکھنؤ سے مرشد آباد میں آئے، ذواب مبارک الدولہ ناظم صوبہ بنگالہ مرض الموت میں گرفتار تھے، اگرچہ معالجے میں انہوں نے رنگ سیمائی کے دکھائے، لیکن قضا و قدر سے لاچار تھے۔ بعد ذواب مبارک الدولہ کی وفات کے، خلف الصدق سے ان کے، یعنی ذواب عندولہ ناصر الملک سید پیر علی خاں بہادریہ چنگ سے، نہایت مواقت آئی، اور صحبت نے بہ شدت یکدہلی پائی۔ چنانچہ سات برس کامل ان کی خدمت میں رہے،

اور قریب لاکھ روپے کے بنگالہ میں پیدا کئے، لیکن فوج کرتے دے بھی ایسے ہی بلائے روزگار تھے، اگر جس دن مرشد آباد سے نکلے تو قزمن دار تھے۔ غزوہ ذی حوجہ کو مسئلہ بارہ سو چودہ ہجری میں اپنے ہی مزاج نازک سے، ناحق روزگار چھوڑ کھٹکتے میں چلے آئے، اور زمانے کی بے رنگی کو طلق خیال میں نہ لائے، بالفعل کہ مسئلہ بارہ سو پندرہ ہجری میں، بہ عزت تمام کھٹکتے میں اوقات بسر کرتے ہیں، اور اک رنگ کی صحبتوں میں دن رات بسر کرتے ہیں۔ طبیعت ان کی مسیقی کی مگر لڑکپن سے ہے، اور ایک مناسبت بھی بھلی چنگی ان کو اس فن سے ہے۔ اپنی آشفۃ فراہمی میں غزلوں کو انتظام نہیں دیا ہے، وگرنہ مدت سے ایک دیوان کا سر انجام ہو چکا ہے۔ یہ اشعار ان تاج افکار سے ہیں +

<p>جی تھا آنکھوں میں بار تھا دل میں آبلہ ہو کے دم میں پھوٹ بہا مر گئے پر بھی ہم کو خاک ندی کھینچنے ہی تک اے کان ابر دم آخر جو بھلی آتی تھی دست و لب نزع میں جو ہلتے تھے دم شماری تلک بھی آشفۃ فقط نہ اپنی ہی تم آن دیکھتے جاؤ پیچ و تاب کو بالو کے مول دانا بجائے اشک تھے ہیں پار لے بگر دکھائے آئے تھے دامن چاک غلی کیا خرید زینہ تھے معریں پوریت اگر ہم ہو دیں گی تعین لیکن آشفۃ</p>	<p>یہاں تلک استعار تھا دل میں یہ کہاں کا بخار تھا دل میں آج تک یہ غبار تھا دل میں تیر ترنگاں دو سا رہا دل میں دو فاموش کار تھا دل میں شوق بوس کنا تھا دل میں قدموں کا شمار تھا دل میں اور ادھر ادھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ ہمارا دل ہے پریشان، دیکھتے جاؤ تہا کجی میں تھا دل، دیکھتے جاؤ ہمارا چاک گریبان، دیکھتے جاؤ جناب عشق کی تر شان دیکھتے جاؤ کوئی گھڑی کا ہمان، دیکھتے جاؤ</p>
--	---

<p>دیکھیں، تب ہم سے کیا رقیب کرے سب میں جو آوے، سو جیب کرے شور کیوں کر نہ عذیب کرے موت ایسی خدا نصیب کرے!</p>	<p>دلہ وہ اس کا خدا قریب کرے بھرے قتل، دل سے ایلا مٹل کا دیکھا چٹکے کے چپ ہونا مر گیا ایک منہم پر آشفستہ</p>	<p>یہ خرابی توہڑی مجھ پہ ترے جانے سے کس طرح قید کروں، یہ تو ٹھنڈا ہی نہیں میں سمجھتا ہوں کہ تم جا کے نہیں آئے گے شعلہ خوا آگے تو اتنا نہ جلاتا تھا مجھے دیکھتے ہی اُسے کل میرے یہ اوسان گئے اپنے کے ہوتے بھلا غیر کو مدد دے تو ذکر مجھ کو کتنا ہے منہم، تجھ کو بھی ابھال لگے بوسہ کے واسطے چٹا، تو لگا کہنے مجھے</p>
<p>چند بھی ڈبے لگے اب مرے دیر لے سے کون برا آوے بھلا، اس دل دیوانے سے؟ فائدہ کیا ہے بھلا جموٹ قسم کھانے سے آج تو آگ ہو اغیر دس کے بھڑکانے سے اپنے بیگانے وہاں جتنے تھے سب جان گئے ہم بھی جی رکھتے ہیں بیکار، ترے قربان گئے آنکھ سے آنکھ ملاتا ہے، تجھے آگ لگے بس کہیں دور بھی ہو، منہ کو ترے آگ لگے</p>	<p>دلہ دلہ</p>	<p>یہ خرابی توہڑی مجھ پہ ترے جانے سے کس طرح قید کروں، یہ تو ٹھنڈا ہی نہیں میں سمجھتا ہوں کہ تم جا کے نہیں آئے گے شعلہ خوا آگے تو اتنا نہ جلاتا تھا مجھے دیکھتے ہی اُسے کل میرے یہ اوسان گئے اپنے کے ہوتے بھلا غیر کو مدد دے تو ذکر مجھ کو کتنا ہے منہم، تجھ کو بھی ابھال لگے بوسہ کے واسطے چٹا، تو لگا کہنے مجھے</p>

باب الہا ابیدل

بیدل تخلص، میرزا عبدالقادر نام، قوم چٹا، لیکن نشو و نما انہوں نے ہندوستان ہریٹائی
ہے، جو دت ذہن سلیم، اور ذکاوت طبع ستقیم، کے باعث تصویر نازک خیالی کی بہت تکمیل
کی کھینچ کر بار یک مینوں کو دکھائی ہے۔ بیشتر اختراعات انہوں نے زبان فارسی میں کئے ہیں،
لیکن اہل محاذہ کے مقبول نہیں ہوئے ہیں۔ آسمان جاہ محمد عظیم شاہ کے ساتھ توسل رکھتے
تھے، اور مورد الطاف و عنایت شاہزادہ عالم و عالیان کے رہتے تھے۔ قوت جسمانی اور طاقت
بدنی قادر قوی سے اتنی انہیں عنایت فرمائی تھی، کہ اور ان کے معاصرین کے حصہ میں کم آتی تھی

چنانچہ اک بعد اکاب میں شاہزادے کی عین سواری کے دوا دوش میں ایک شیر نکل آیا، اور کئی بیچاروں اہل کے ماروں کو ذائقہ مرگ کا اس نے چکھایا۔ آخر میرزائے مذکور کے ہاتھ سے بکری کی طرح مار گیا، اور اپنی جان سے بیچارہ گیا۔ دفعتاً ایسے ردى خلافت سے یہ پتہ اڑھوئے، کہ روزگار پاکشیدہ، اور دنیا داری سے دست بردار ہوئے۔ طریقہ فقرا و گوشہ نشینی کا اختیار کیا، اور کو فرغیاس اور خون تمنا سے رشک گلزار کیا، لیکن دروازہ ان کا کثرت اعتقاد سے مسدود خاص و عام تھا، اور ہوسہ گاہ امیران عظام تھا۔ نواب نظام الملک صوبہ دار دکن کا خط مکرر اور متواتر اس مرکز دائرہ قناعت کی تحریک میں آیا، لیکن قلعہ آسان توکل نے حرکت کو قبول نہ فرمایا۔ ایک بیت فارسی نظام الملک کے جواب خط میں لکھی ہے، اس سے قناعت اور جواں مردی اس شہر بیٹہ استغنا کی سلوک ہوتی ہے۔

اس بیت کو بہ سبب زبان فارسی کے حاشیہ پر لکھا ہے، اور ترجمہ اس کا اس طرح دخل کتاب کیا ہے۔

کے بعض دنیا کے سرکوں، جاکھوڑوں شادان کو باندھی ہے مندی قناعت کی میں اپنے پانڈو کلیات ان کا از روئے نظم و نثر کے قریب لاکھ بیت کے مشہور ہے، لیکن اہل دنیا کی تعریف کہیں ایک صحر میں نہیں مذکور ہے۔ بحر متدارک اور کمال وغیرہ پانچوں وزن، جن کے ناظم مخصوص شعرائے عرب ہیں، اور حجم ان سے اعتیاد کرتے سب کے سب ہیں، اکثر میرزائے غزل ان اوزان میں کسی ہے، اور دوا دازک خیالی کی دی ہے۔ از بس کہ مارو دنیا سے دور فغانا پر ہے، سلاسلہ گیارہ سوئیتیں بھری میں بلدہ شاہ جان آباد کے اندر اس سرسے فانی سے عالم باقی کی طرف قوجہ فرمائی۔ ان دو بیتوں نے، زبان ریختہ میں اس قادیجن کے نام سے شہرت سے پائی۔

مست پہچ دل کی باتیں، وہ دل کہاں ہے، ہم ہیں	اس قحہ بے نشان کا حاصل کہاں ہے، ہم ہیں
۵۰ دنیا اگر دہند، صہنیم زہلے خویش	من رہتہ من خلتے قناعت پہ خویش

پروے سے یار بولا، بیدل کہاں ہے ہم میں

جب دل کے آستان پر عشق آن کر چکا را

۲۔ بیان

بیان مختص، احسن اندھاں نام، شاگردوں میں سے میرزا منگلہ جان جاناں کے تھا۔ نیکو دلی میں اختیار کی لیکن متوطن کبر آباد کا تھا۔ شاگردوں میں سے میرزائے مذکور کے عاشق منج اور شیریں زبان تھا۔ زبان ریختہ میں صاحب دیوان تھا۔ یہ اشعار منتخب دیوان اس مخمور خوش بیان کے ہیں +

دہ کے باہر مدعی ہل صورت دیوار تھا	وہ بھی کیا دن تھا کہ ہم آغوش بیکار تھا
وہ کہ جن کی چشم کا میں عمر بھر بیمار تھا	اس تجاہل پر پڑا میں یہ بھتا ہوں گو میں
پوچھنے لگا کہ اس مردے کو کیا آزار تھا	دیکھ کر تابوت کو، بیمار داروں سے مرے
دہ سو اُس کے ان آنکھوں نے کیا کہیں دیکھا	کوئی کسی کا بیان، آشنا نہیں دیکھا
دہ اس نام کے سنتے ہی ہوا کام کسی کا	اگر جوں ہی قاصد نے لیا نام کسی کا
کیا تجھ کو بیاں پہنچا ہے پنہاں کسی کا	کیوں نہ سماتا نہیں اپنے میں خوشی
دہ اے آسمان بنا تو، مجھے تو نے کیا دیا	عالم کو توج و گوہر و تخت دلوادیا
اس عشق نے غرض میں سب کچھ بھلا دیا	نئے دن سے اطلاق ہے، نہ دنیا کی کچھ خبر
خوابِ مدم سے کاہے کو مجھ کو جگا دیا	ایسے ہی میرے بخت جو جاتے تھے نیند کے
دہ لیک بیگانہ ہے مجھ سے، اور سب سے آشنا	کب تلک اس کی شکایت ہو نہ لے آشنا
دیکھ تو اے شیخ! میں تیرا ہوں کسبے آشنا	غیر کے کہنے پہ مت بیگانہ ہو کہ بارگی
دہ گردل مرا یہی ہے، تو آرام ہو چکا	ہم دم نہ فکر کر، کہ مرا کام ہو چکا
اے شیخ! اب تو شہر میں بدنام ہو چکا	اتنا ہے تجھ کو تنگ، مرے نام سے جٹ
اگر اک صبح دم آتا وہ اٹھ کر خواب شیریں سے	دہ ہمارا کیا گریباں، ناموں کا پیر بن پھینتا

جھکایا مجھ کو کس کم بخت نے ہلے!	دل	مری آنکھوں کے آگے وہ ابھی تھا
تو ساقی جام ترسا کر پلاتا تھا مجھے	دل	یار کی آنکھوں نے مجھ کو کر دیا کیسا تر
رو کر اس سے میں کہا، مرناسے یہ بیمار کج	دل	مسکرا کر وہ لگا کہنے، کہ اس کا کیا علاج
یہ آرزو ہے کہ وہ نامہ برسے لے کاغذ	دل	بلا سے پھاڑ کے پھر ہاتھ میں لے کاغذ
وہ کون دن ہے کہ فیروں کو خط نہیں لکھتا	دل	قلم کے بن کو گئے گل! اور صلب کاغذ
عرش تک جاتی تھی، اب لب تک پہنچتی نہیں	دل	رحم اتنا ہے بیاں اب مجھ کو اپنی آہ پر
مک بار فرج خلق پڑے مجھ پہ ٹوٹ کر۔	دل	لے کے قرار و دین و دل دھوش لوٹ کر
یہنا اگر ہے دل کو، تو نے بھی اسے کہیں	دل	سینہ میں اب تلک تو رکھا مار کوٹ کر
ہم سرگزشت کیا کہیں اپنی، کہ شل خار	دل	پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر
کیا ایسے سے درد دل کو کہنے	دل	ایہ صر تو سنا، ادھر فراموش
میں بس کہ خاک میں ترے کو چے کی مل گیا	دل	تس پر بھی تیرے دل میں ہے مجھ سے جفا تر
تننا بادشاہی کی کسی سفلیہ کو ہووے گی	دل	مرے دل میں خدائی کا بھی خفا ہو، تو کا فر ہو
کافر ہو، جس کے دل میں کچھ اور آرزو ہو	دل	اک مختصر سی جا ہو، میں ہوں، اور تو ہو
مست آئیو اسے وعدہ فراموش تو اب بھی	دل	جس طرح کٹا روز گند جوائے گی شب بھی
آخر تو شکایت سے مجھے منع کرے ہے	دل	سی دیکھو تلک ہاتھ سے اپنے مرے لب بھی
جہاں روں تننا میں تری اسے شمع ہو پیکار	دل	او گئے اس کل زمیں سے خستہ بول مار لکھ
قمار عشق کی بازی بھی کچھ دنیا سے باہر ہے	دل	اُسے کہتے ہیں عاشق، جو کوئی رساں نقاب مار
آنسوؤں تک پرچنے کی غیر کے تدبیر ہے	دل	مجھ سے اتنا بھی نہیں کستا، کہ کہیں دل گیر ہے
چرخ کی برہم زنی سے یہ تعجب ہے بیاں	دل	لیلیٰ و مجنوں کی یک جا اب تلک تصویر ہے
شب فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے	دل	یہی ہے صبح سے دھڑکا، کہ رات آتی ہے
جا کہو کوٹے یار میں کوئی ۰۰	دل	مر گیا استعار میں کوئی

<p>سر رکھے اس کنار میں کوئی ظالم یہ تری بگاہ کیا تھی ہم سے کبھو تو آشنا تھی آتا ہے اس کی بزم میں بار و گر بجھے پھر لے چلا ہے یہ دل وحشی اودھر بجھے تو کیوں دے فکے نمیال بال پر بجھے وگر نہ بات کا تیری جواب آتا ہے ہمیں بھی یاد وہ عہد شباب آتا ہے</p>	<p>وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا جادو تھا، کہ سحر تھی، بلا تھی، کیدھر ہے، کہاں ہے، خوشی تو رسوا بھی سے کرتی ہوا چہم تر بجھے آیا ہوں اس گلی سے ابھی، دم نہیں لیا کنج قفس سودا مری قسمت میں جانہ تھی بھگڑتے تھے سے پیارے حجاب آتا ہے جو شہراب جو انوار کہ موسم گل ہے</p>
<p>دشمن جانی بھیمرا، جو کوئی نہا ہے مجھے میں تھے عہد میں دیکھوں ہوں بھر بھونکے یا شام سے پھولی تھی کسی شب کی صبح ہمسا یہ پکارا، کہ ہونی کب کی صبح عالم کی غصے جان کھوتا میں گھا زافو پہ مرے وہ شوخ سوتا میں گھا یا اُس کے لئے کوئی کفن سیتا ہے اتنا کیو، کہ اب تلک جیتا ہے ہر چہ میں یک جلوہ دکھاتا ہے مجھے ہر چہ میں یہوسف نظر آتا ہے مجھے مت گدڑی دعا ہی کرتے کرتے منہ یار کا دیکھ لیو سے، مرتے مرتے</p>	<p>اپنے دل سے بھی عادت ہو گئی ہے اٹھنے کوئی بخشش نہیں نہ دیوانہ ہو اہلی کا کیا زلف میں اُس شوخ کے تھی دہکی صبح تک زلف کو میں ہاتھ لگایا، کہ اودھر جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا میں گھا خفوں کو مباد کیو، کہ آہستہ کھلیں مت کیو بیایاں جام اجل پیتا ہے یار و جو مرے حال کو پوچھے وہ شوخ سوطح سے یہ عشق بھگاتا ہے مجھے کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہے یارب! کتنا ہوں جناب حق میں ڈرتے ڈرتے ہے اُس کو یہ قدرت کہ بیاں سامعہ دم</p>

۳۔ بقا

بقا تخلص، محمد بقا نام، بیٹا حافظ لطف اللہ کا، شاگردوں میں سے میرزا فاخر کمین تخلص کے متاعی الحقیقت عزیز نیکہ سیخ، دوبار یکس ہیں، و معنی بند، و سخن آفرین تھا میرزا فیض سوا تخلص کے مندا اکثر چڑھا، اور اس ننگ بھر معانی کے جویش کچھ کچھ واہیات مکرر بکا، لیکن بیکر مرحوم نے مطلق اعتقاد کی، اور یہ بات کسی کہیں نے جس کی بھولی، نام اس کا اسی تقریباً تمام عالم میں ہوا مشہور ہے، سو قیری ہونہ کروں گا، کہ تیرا مشہور کرنا مجھے نہیں منظور ہے غرض اس عزیز سے زمانے نے موافقت کبھی نہ کی، اور صورت روزگار کی بیجاہے نے آئینے میں خیال کے بھی نہ دیکھی۔ افلاس سے تنگ آکر کسی کے کسے سے کچھ اعمال خیر کو اکسب شروع کئے تھے خیال میں اس سودا سٹے خام کے مجنون ہوئے، اور جیت تک جسے سودا دانی رہے سلطانہ بارہ سوچا بھری تھی، کہ حالت میں سودا دانی کے یہ بات سوچی، کہ تحصیل دولت معنی کی کیجئے، اور خاک راہ سے کر بلا معلماً اور بخت اسٹرن کے دیدہ و دل میں سرمہ حق نہا دیکھئے یہ خاتم کر کے ہماز پر سوار ہوئے، اور منزل مقصود کی طرف قدم گنار چھوئے۔ اٹھائے راہ میں اس دار فنا سے، موافق نام اپنے کے، سفر ملک بقا کا کیا۔ خوشایہ حال کہ انجام تو بہ خیر ہوا۔ یہ چند شعر اس راہ روجاؤ بقا کے گوشہ خاطر میں تھے، سو لکھے جاتے ہیں۔

یادیں ترلپے ہے دل اس ابرو سے خدا کی	آن کچھ ناشن بل ہے آہ اس ہمسار کی
دیکھئے ہیں منصب مجنوں پہ یہیلی صفتاں	طاہر خاک میں ہم کو طلاء کس کو سرفراز کیوں
کیا خط لکھیں اُس کو حرکت ہاتھ سے گم ہے	دل خامہ مرے اب ہاتھ میں انگشت شرم ہے
کس نے چمن میں رنج کیا عندلیب کو	دل فنیچے رہے ہیں دانتیل میں داب اپنی عیب کو
اس سب سے بچہ نہ چھوے قبح، اور قبح سے ہم	دل تو کیوں لئے سہوے قبح، اور قبح سے ہم
پاتے ہیں میکہ کے میں بقا روز فیض سے	نہت سبوا سبوا سے قبح اور قبح سے ہم

۴۔ بیدار

بیدار تخلص میر تقی میر نام، شاہ جہان آبادی، دوستوں میں سے خواجہ میر درد و تخلص کے تھے۔ نزاکت سے سنی کے بخوبی آشنا، اور زبانِ داناں دلی سے ہمیشہ ہم نوا رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کلام اپنا انہوں نے اصلاح کی تقریب سے خواجہ میر درد کو دکھایا ہے۔ اور اُس نقاد و بانا معافی سے فائدہ بہت سا اٹھایا ہے۔ زبان ریختن صاحب دیوان ہیں۔ کچھ اشعار منتخب ان کے دیوان کے لکھے گئے یہاں ہیں +

تو نے جو مدتوں میں ادھر کو گز کیا غیرت نہ آوے تجھ کو سنگ نہ راجیف ہم غافلوں کی آہ نہ او نہ نظر گئی اس کھیل سے کہ اپنی مڑہ کو کہارتے دیوانے کو پری سے پھراب کر دیا دچا کیدھر ہے تو کہاں ہے اجابت کہ بلدا بیدار ایسے رونے سے امان بانا آنکھوں میں چار اسے از بسکہ فرتیرا بیدار وہ تو ہر دم سو سو کرے ہے جوت جب کہا میں تے کسے سر ویاض غبی کنے کا دل گم گشتہ ہے تیرا جھ پاس	دل	تا لے نے آج کچھ تو ہمارے اڑ کیا جس دل میں تو مقیم تھا دامن غم تے بھگ کیا ہم تے نہر اپنے تیں جہلوں مگر کیا عالم کو نیزہ بازی سے زیر و زبر کیا اے آنکھوں کیا کیا مرے جی کا مڑ کیا میں تے بلند دست دعا بھر کیا دامان و آستیں کو تو لہو سے تر کیا ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگِ نعلین تیرا اُس کو جو تونہ دیکھے ہیگا قصہ تیرا کس کا تو الفتِ ہاں ہے تو کہا تجھ کو کیا جب کہا میں تے کہاں ہے تو کہا تجھ کو کیا	دل	یہ کون ہے شکار بھلا جینے کی نہیں ہے اس بھوک ہم خاک بھی ہو گئے پرا بھوک	دل	ہر دل ہوا میرہ دار بھلا تیرا اس کا جگر کے پار بھلا دل سے نہ ترے ہزار بھلا
--	----	---	----	--	----	---

	<p>وہ صبح کو ایک بار نکلا نکلا بھی تو شہر سارا نکلا آہ اب تک نہ کچھ اثر دیکھا مستبتم ہو جاوہر دیکھا</p>	<p>جب بام پہ بے نقاب ہو کر اُس روز مقابل اُس کے خوشید نالہ ہر چند ہم نے کر دیکھا آج کیا جی میں اگیا تیرے</p>	
	<p>سے گلگوں کا کوچہ میں گویا تیرے سہوٹا</p>	<p>بے بیداری کی آنکھوں سے ساقی آشکِ سحر آگے</p>	
	<p>حیف اس آئینہ صاف پر چکا ہوا رات اس لفظ میں لکھ کر کھتا ہوا تاکہ معلوم کرے حال پریشان ہوا دل سیکڑوں میں اس میں گرفتار کھتا لیکن جبار غم سے دل سے نہ سکا تمام عمر نہ لوں نام آشنائی کا شہید ہو جو کوئی اس کفنِ خانی کا ہر ایک آبد مل ہے برینہ پانی کا</p>	<p>سبز خط ترے عارض پہ نمودار ہوا آج آگے نفروں میں انکھیل میں سا کھنکھ کر زلف کی تصویر کی خط میں بھول اے شانہ کھو لیو گر زلف سچ کر ہم چہم ابرو دیدہ تر گر بھے ہو سکا بواجب چھوڑے غم تری جدائی کا آگے بہ پنجہ مر جاں مزا سے اس کے مہ قدم سے ہے سر سبز بوستانِ جنو</p>	
	<p>کہ آشیانہ عنقا ہے آستانہ دوست</p>	<p>کہو تو کس سے میں پوچھوں نشانِ خاندو</p>	
	<p>کچھ تو آیا ہے مسرہ بانی پر سجنے کالی گھٹا ادبیر جوینا کار سوچی سے نثار ہو گئے ہم اب تیرے شکار ہو گئے ہم جی تھا سو نثار ہو گئے ہم</p>	<p>حال سن سن کے ہنس دیا میرا آج ساقی دیکھ تو کیا ہے عجب نگیں ہوا اس سے دو چار ہو گئے معصم فتراک میں باندھ خواہ مت باندھ آیت سی گلی میں مر گئے ہم</p>	
	<p>اے سری جان تو مت جملہ جبار دہن نہ رہا ایک بھی ثابت مرا تار دہن</p>	<p>خاکِ عاشق ہے جو ہوتی ہے نثار دہن غلشِ خارِ دہشتی سے اب اے نامح</p>	

ہم ترے اس دلِ نازکے خطر کرتے ہیں	دلہ	ورنہ یہ نلے تو تھیں اٹھ کرتے ہیں
شبِ بہار میں نہ پہچو کہیں کیا کرتا ہوں	دلہ	صبح تک شمع کی مانند جلا کر کہیں
صورت اس کی سائی دل میں	دلہ	آہ کیا آن بھائی دل میں
تم کو کہتے ہیں کہ عاشق کا خفاں بخو ہیں	دلہ	یہ تو کہتے ہیں کہ باتیں ہیں کہاں سنیں
اٹھ گیا ہم سے گو مکند ہو	دلہ	خوش رہے وہ جہاں ہو جید مر ہو
اس سے میدار بات تو معلوم	دلہ	دیکھنا بھی کہیں میتر ہو
تجسس کیا نا تو انی سے میری	دلہ	لفٹا دسٹر مندہ فیشتر ہو
دل کو کرتا ہے نکا ہوں میں چکا	دلہ	واہ دل ہے تری میت دی کو
دیکھ آکر مری آنکھوں کی بہار	دلہ	کر دیا بلغ ہر اک وادی کو
تری مجلس میں اگر ہو گزیرہ روانہ	دلہ	نہ پڑے شمع پہ ہر گز نظر پروانہ
ہے زمانہ سے جہاں روز شب سب جھٹکاں	دلہ	شام کہتے ہیں جسے سحر پڑا
بوسہ شمع کو جلنے کے بہانے آیا	دلہ	دیکھو اس بنم نشینان نہر پروانہ
قید سے شمع کی ممکن نہیں چھوٹے میدان	دلہ	رشتہ شمع سے بانٹا ہے پروانہ
دیکھ تجھ کا کل شکیں کی ادائیں شانہ	دلہ	دونوں ہاتھوں سی لیتا ہی ہاں شانہ
اُس کے بھڑانے ترے مرہم کا کل شمع	دلہ	ہاتھ اٹھا کیوں نہ کرے تجھ کو دعا شمع
ایک دن گزرتی تجھ سے تو آشتی	دلہ	دیکھ لے کا کل شکیں کی وفا شمع
متم گیا اشک شبِ بہار میں روتے روتے	دلہ	سحر وصل کو مدت ہوئی ہوتے ہوتے
مردم چشم سے پوچھ اے مہتاباں تجھ بن	دلہ	کون سی شب کہ نہ گزری مجھ دے دے
کیوں کہ عاشق سے جلا کو چہا ناں چھوٹے	دلہ	بیل ناسے کیوں کر کہ گستاخان چھوٹے
کس کے آگے میں کروں چاک گریباں کہ	دلہ	جو ترے ہاتھ سے ناصح مراد ماں چھوٹے
عاشق کا اگر دیدہ غور نہ ہو دے	دلہ	تو رشک چہن کو چہ دلہ ریزہ ہو دے

<p>بخشی ہے جسے تجھ کو چشم نے مستی بیجا ہے شکستِ تم یا کی پیدا نہ دفا ہے نہ ہوا لغت ہے گل صد برگ دیو اس کے ہاتھ</p>	<p>وہ مست قیامت کو بھی ہٹا نہ سکا ممکن ہے کہ معشوق دل آزار نہ ہو اے سنگریہ کیا قیامت ہے دل صد پال کی کنایت ہے</p>
<p>جس دن تم کے ہم سے ہم آغوش بھگئے کہاں آج تو کہ میں کھینچوں ہوں را میں مٹی ایتک مرے احوال سے دہاں بچہ جی ہے نولا دولاں بیوی روز نہ سار نہ مجھ کو کس باغ سے آتی ہے بتا مجھ کو کہ یہ تلخ لب نکس ہیں ترے رشکِ صفتی مٹی ہار پرے تھے جو پھول کے نشان ہوا ایتک نشہ میں جی چاہتا ہے بوسہ بازی کیجئے زاد اس راہ نہ آست میں بھو اکڑی گفت پاپیں ترے صحر کی نشانی پیدا میر مجلسِ زنداں آج وہ شرابی ہے ترے اے پری پیکر سینہ نہیں ستاں دوستو جانے خواب ہاتھ اٹھاؤ ہم سے مہرباں خیر تو ہے کس پہ یہ غصہ کیجئے</p>	<p>دل شکوے جو دل میں تھے سو فراموش ہو گئے دل برنگ نقش قدم انتظار اکھوں سے دل اے نالہاں سوز یہ کیا بے اثری ہے دل چھاتی مری جوں سنگ شہرِ اقل بھری ہے دل کچھ اور ہی ہو تجھ میں نسیمِ صحری ہے دل زریب دیتی ہے تجھے نامِ خدا کم سنخی دل ختم ہے گلبدہاں میں تری تازک دہانی دل اتنی رخصت دیکھے بندہ نوازی کیجئے دل ابھی یہاں بھین لئے ٹہنہ دوستا کرنی دل مر گیا تو بھی پھولوں میں رہے خاکڑی دل خون دل جس سے مر بادہ گلانی ہے دل طاق حسن پہ گویا شیشہ جلیلی ہے دل یہ ہے وہ زخم کہ بہ ہونہ کسی مرہم سے دل آج آتے ہو نظر کچھ تو مجھے براہم سے</p>
<p>جو کچھ چاہئے آپ نہ فرمائیے ڈراتے ہو کیا قتل کو نہ سے ہم کو بیدار روں ہے اشک دریا دریا</p>	<p>دل پہ غیروں کی باتیں نہ سنو ایسے اگر یوں ہی جی میں ہے تباہی بہی بتا تو کہ ہے دیدہ تر دریا صلا</p>

تیراں میں اس میں تیراں گریا

مہر سے ترے تمام خانہ فراب

۵۔ سبل

سبل تخلص، سید جبار علی تام، متوطن جبار کھڑکی۔ چند مدت انہوں نے عظیم آباد میں گذر کئے ہیں بلکہ تھوڑے سے دن ہمارا جو بیت سنگم، بنارس کے راجہ، کی وکالت میں اوقات بسر کی ہے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ سلاطین نے اس کو چھپا کر سے بھری میں میر نکو سے بلوئے محمد آباد بنارس میں مکرر اتفاق ملاقات کا ہوا ہے۔ جو ان سلیم الطبع اور سخن فہم نظر پر آزاد وضع اور وارستہ مزاج دکھائی دیا۔ یہ اشعار اس کے خلاصہ نکالے ہیں :

نامہ دروالم میں نے جب آغاز کیا	جو ترے غم کے سوا تھا قتل و زنجیر
اتنا ہی دل غمش سے معور ہو گیا	سینہ تمام خانہ زنجیر ہو گیا
یاد تیرے ہی زلف میں دیکھا	ایک زنجیر لاکھ دیوار
کیا خیال آدے ہاؤں سے اسے پرہیز کا	ہے جو میرا اس تری چشم بزمِ انیس کا
اگل ہر ساعت برستی ہے نہ تنہا چشم سے	ہے تماشا استخوانوں میں مری نگہ کا
جب غمزدہ چشم یار دیکھا	سہ تیر جگر کے پار دیکھا
یاد آگئی مٹشیت خاک اپنی	اڑتے جو کہیں غبار دیکھا
دل خس و خاشاک کی صورت اکتاہٹ ہی	گو سدا وامن کو اپنے فرہ چھٹکت ہی رہا
جست و جویں یار کی گم کردہ راہوں کی طرح	میں کہیں ایدھر کہیں ادھر جھٹکت ہی رہا
خط ترانہ نام خلاصہ ہے ادا و ناز کا	دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے اس آقا کا
کیا اس کو جتا دیں ہم جو ہم نے کیا ہوگا	کیا کیا نہ کیا ہوگا جب دل کو دیا ہوگا
دل میں برنگ بھج تہا سے وصال کا	بڑھ بڑھ کے اشتیاق کئی بلکھٹ گیا
ہر دم مجھے نیاز سے نانی رہا	انجام کار عشق کا آخار ہی رہا

<p>اڑنے سے جب مرا پر پرواز نہی رہا سرشک آنکھوں سے میری رخن بادل کا مہو تہا سے خیمہ خزان خون آشام کی صورت چھاتی شبکہ دعوئی پھوٹ پھوٹ کر نکلے ہے بند بند سے اب پھوٹ پھوٹ کر اے درد کروں نالہ فریاد کہاں تک اے ہم قفساں خاطر حیات کہاں تک کہ لوگ ابرو بے کتے ہیں میں ترد لکڑیاں دے سو وار منہ پہ اگر اپنے تو گرہ رہتی ہے ابرو دل میں ترے تندہ خوگو کیا مہربانیاں ہیں مرے مہربان کی یعنی کہیں سے ہے گی بزرگی مکان کی</p>	<p>ویتا و فائدہ ہے رانی سے کیا مجھے سدا غلاہی کرتا ہے پھل کر آتشِ حرم خدا ہرگز نہ دکھلا دے کسی کو فوجِ بزل کے تیر حکاہ بسکہ لگی پھوٹ پھوٹ کر یہ دغ عشق مثل سینے لئے نواز کے پہلو میں رکھوں میں دل ناشاد کہاں تک در آج قفس کا ہے کھلا کیجئے پرواز نزلے سے نزلے ہیں جگر افکار کتا ہوں جز یا د حق نہ ہو ترے دل میں کھو گرہ ہر دم نو و قبضہ شمشیر کی مسج دل کی طلب ہے اور تنہا ہے جان کی درد و الم سے نزلت دل ہے بس بند</p>
<p>گو کام کا نہ ہو سے تو آواز کچھو جب تک یہ شبت خاک نہ رہا کچھو</p>	<p>لے خانہ اس غلام ارشاد کیجئے کوے بتاں تلک تہ سانی محال ہے</p>
<p>دل لے کے اس طرح بھی نہ نکلیں پچھا پھر اس آئینہ کو جاکس کے مقابل کیجئے ٹکڑیا کو سے ہے جوت کو ہمارے دل تو گزر چکا ہے مرے اختیار سے ہر بن موجودش سے آنسو کے توار سے پو اب یہ درد و است ہے ادراہنی یہ پیشانی کس لئے تو اس ہڈ بٹھا بجی ہاں ہر پو</p>	<p>ہیا سے یہ وضع چشمِ دم سے دور ہے روبر و تیرے ہی گر ظالم نہ یہ دل کیجئے انتہا ہے وہ غبارِ ہمارے مزاج سے آوارگی سے باز رکھوں آہ کس طرح گرو افزا اس قدر احصاء کر سادے ہونے محس آئی ہمارے وہ جو کچھ کہتی ہیں آتی عشق کی بازی میں بل بل جے درکار</p>

تیری ہی یاد دکر ہی تیرا ہر آن ہے	دلہ	گویا کہ اس لئے مرے مُنہ میں زبان
عمدہ پیمان بتاں بسکہ یہ سالوی ہے	دلہ	ایک اُمید تو سوا عیش و مایوسی ہے
دلخاتنہ ہی دینے عشق نے تیرا نام		محبوبہ موتن پہ مرے جلوہ ملاؤسی ہے
آئیے جسد کہ یہ سہل مجسری ہو		ہر لب زخم سے ششاق قدم پوی ہے
دُکھ درد کو کب تلک حکایت کیجے	رباعی	دوراں کی کہاں تلک شکایہ کیجے
اس کشور دل پہ فوج غم کا ہے جوم		یا شاؤ و نہفت میری حمایت کیجے

باب الثاء

۱۔ تانا شاہ

نام نامی اور اسم گرامی اس بادشاہ عشرت دوست کا ابو الحسن تانا شاہ ہے۔ سلاطین تاندار اور خواقین عالی مقدار دکن سے تھے۔ اگرچہ شہر عیش و نشاط کا اور آوازہ مسرت و انبساط کا اس عیش مجسم کے ماہ سے، یہی تک مشہور ہے، لیکن کچھ تھوڑا سا احوال اس سربراہے بارگاہ عیش و کامرانی کا یہاں لکھنا ضرور ہے جس ایام میں کہ عالم گیر غلہ مکان نے عادل شاہی اور نظام شاہیوں کو زیر و زبر کیا، اور صوبہ دکن کو بعد بہت سی خرابی کے لیا، تو ابو الحسن تانا شاہ بھی نظر بندی میں آئے، اور فلک نیزنگ بانے پہلے اس عیش و عشرت کے اور ہی رنگ دکھا سامان عیش سب برہم ہوا، اور مجمع اسباب نشاط حلقہ ماتم ہوا غلہ مکان نے جس قدر تنگی ان کے اوقات میں چاہی، انہوں نے قبول کیا، لیکن حقہ کے مقدمہ میں بہت سماجت کے ساتھ اتنی بات کہلائی بھی کہ اس کا شوق مجھ نہایت ہے، جو رعایت کہ اس کے سامان میں ہوگی وہ میں عنایت ہے۔ تاہم یہ بادشاہ عشرت دوست آٹھ پہر نشہ عیش میں غمور رہتا تھا، حقہ ایک دم مُنہ سے نہیں چھٹتا تھا، اور یہ بھی معمول تھا کہ بعد ہر چلم کے ایک شیشہ سے گلاب کے حقہ تازہ

ہو دے، پھر ایک شیشہ میں بید مشک کے حقہ بردار نیچے کو جھگوڑے، شغل میں میٹھ و نشاط کے از بسکہ دن کو کم سوتے تھے، سیکڑوں شیشہ گلاب خاص اور عرق بید مشک کے دن رات میں خنچ ہوتے تھے۔ یہ سب احوال منفصل خلد مکان کو معلوم تھا۔ علاوہ اس کے بادشاہ نے اس مخ سے کلو بھیجا۔ بارہ سولہ شیشہ لکھا کیے اور آٹھ شیشہ بید مشک کے حکم فرمائے۔ بھان اٹھ یا تو حقہ آٹھ ہر منہ سے عینیں پھٹتا تھا، اور ان کے دو مخمل کے رشک سے دھواں صد کا حقہ سر آسمان میں گھٹتا تھا، یا بیچ سے فلک حقہ بازی کی آٹھ چلیں دن رات میں یہ پتہ تھے، اور گونٹ گونٹ کر مہر پیچ و تاب کے ساتھ جیتے تھے۔ اس میں بعد کئی دن کے حضرت خلد مکان نے فرمایا کہ سولہ شیشہ گلاب اور بید مشک کے ہر روز حقہ کے مصرف میں آنے اسراف ہے، اور امورات شرعی میں پاس خاطر بجا بجا، اور مختلف رسمی معاف ہے۔ آٹھ شیشہ ہر روز یہاں سے جایا کر ایک شیشے سے بعد چلم کے حقہ تازہ کر کے آٹھ چلیں دن رات میں نہیں، جب حضور سے ہر روز آٹھ شیشہ آنے لگے، تو یہ دن رات میں لاچار چار چلوں سے دل پھلانے لگے۔ یہ ماجرا سن کر خلد مکان نے منہ کے مارے چار شیشوں کی اور تخفیف کی۔ انہوں نے اپنے حقہ بردار کو دو چلوں کی پروا کی دی بعد کئی دن کے جب دو شیشے اور کم ہوئے، تو ایک چلم دن رات میں یہ پیا کرتے تھے جس دن ان دو دنوں شیشوں کا بھی آنا موقوف ہوا، اُس دن انہوں نے عرض کیا۔ جہاں پناہ کی دولت سے اتنا کچھ بد خنچ کے معج کیا ہے کہ دس چلیں روز اسی خنچ کے ساتھ سال کا سال پاسکتا ہے، امید ہے کہ عیدنی خلد کے خنچ کا غلام کو حکم ہو دے کہ نہال ننگ حلال کا زمین میں سر فروئی کے ہو دے۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت اعلیٰ کو امورات شرعی کا بہ شدت دھیان ہے، اگرچہ مسجد کا کھوڑا لٹا، خزانہ اُس کے نیچے گراؤں کر، نہایت آسان ہے، تو جو ہارے مصرف بجا کا کھیل ہوتا ہے ابھی ایک دم میں جتن پونجی سر پہلے دھر کے بدلتا ہے غرض اُس دن سے چتر نہ پیا، جب تک کہ ان کی نظر بندی میں رہے، اور اس سرے غانی سے عالم باقی کو تشریف لے گئے۔

بھان اللہ اچھم حقیقت میں سے لڑ کوئی دیکھے تو دنیا جائے عبرت ہے، بلکہ خانہ صحت +

<p>کہاں سکندروا کہاں ہو کیا دوس کچھ ان کے ساتھ گیا غیر حسرت و غم</p>	<p>کہہ رہیں غم و غم لطف کی قہار جو ست جاہ ہیں دیکھیں دو چشم و چہرہ</p>
<p>گرم ملک گیری اور کشورستانی کے معاملہ کو سمجھنا شاہانِ علی تبار پر غم ہو اسے، گداے گوش نشین کو دخل ان امورات میں کیا ہے، لیکن بیٹے و انشمن کہتے ہیں کہ غلہ مکان نے امتیحا بادشاہانِ دکن کا جو اس محنت سے کیا، اور کہ مسجد کو کھدوا کے وہ کچھ غلہ اپنی گردن پر لیا، غلہ جانے اس حرکت کا کیا مفاد ہے تحصیل حاصل سے بھی اس میں کچھ کمیت زیادہ ہے کس حد کے پیش بڑتیر دکن کے بھی خراج و باج اس طرف سے چلا آتا تھا، اور بادشاہانِ ہندوستان کا شنشہ کہا تا تھا مال اس مشقت کا جو بہ نظر آیا، کہ اس حسن تر دوسے شاہنشاہ کو بادشاہ کر دکھایا۔</p>	
<p>واقعہ رموز ملک سے ہیں شاہ دشمن ہے تو کدائے گوشہ نشین لطف کچھ نہ بول</p>	
<p>غرض شاہ عالیجاہ ابو الحسن تانا شاہ کی طرف لوگ اس مطلع کو منسوب کرتے ہیں، اور باعتبار معاذہ دکن کے، اور بندشِ قدیم کے، کہ اس مطلع میں ہے، ابراہیم خاں مرحوم بھی گفتگو پر گوئی کی گوش دل کو دھرتے ہیں مطلع یہ ہے۔</p>	
<p>کس دیکھوں، جاؤں کہاں مجھ دن بھل بھلا اک بات کے ہو گئے سمن، یہاں جی ہی باہ بات</p>	
<p>۲۔ تاباں</p> <p>تاباں تخلص، میر عبدالحی نام، شاہ جلن آبادی۔ نہایت عزیز و بصورت اور صاحبِ جمال تھا، ایسا کہ دلی سے شہر میں بے مثال تھا۔ ہندو مسلمان ہر گلی کوچہ میں ایک نگاہ پارس کی لاکھ بجا سے دین و دل تندر کرتے تھے، اور ہرے کے پرے عاشقانِ جاننا نہ کے یاد میں اس سلطانِ بخش ۱۔ کہ سب جہداں میں اب تک سوچو ہے۔ اس کا کھدوا ناخلاف واقعہ ہے ۱۲ ۲۔ منصفہ مانتہ کے اس شر کا ترجمہ کیا ہے ۱۳</p> <p>۱۔ رموز مملکت غرض خرداں دانند ۲۔ اگر اے گوشہ نشین تو تھا صوفی و ش</p>	

میسامدم کے مرتے تھے۔ تجھف یہ سہہ کہ اس رعنائی اور دل ربانی پر خود بدولت بھی دل کو کھینچو تھے، اور ہنستے ہنستے بے اختیار صبر اور اختیار کو روٹیٹھے تھے۔ اس بے دردی اور شریں ادائی پر مانند فراد کے چاشنی دروسے آگاہ، اس سرور بھی اور سلی صفتی پر مانند مجنون کے ہمیشہ سرگرم نالہ و آہ تھے، یعنی ایک سلیمان نام لڑکے کو چاہتے تھے، اور اُس کے در و محبت سے، باوجود وصل کے، آٹھ پہر کراہتے تھے۔ دبی سلیمان، کہ بالفعل شاہ سلیمان کر کے معروف تھا، اور ادا کرنے میں راہ و رسم درویشی کے بہ شدت معروف، اس مور ضعیف نے عالم پیری اُس کا ہاتھ ۱۲ بارہ سو ایک بھری تھے، کہ بلکہ کھنڈ میں دیکھا۔ اگرچہ ریش سفید اور قد خیمہ رکھتا تھا، لیکن اُس کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کسی وقت میں بڑے بڑے گردن کش، سوئی کے نمکے سے کھلے ہوں گے۔

غرض میر عبدالحی تاباں تخلص میرزا جان جاتاں مظهر سے اور میرزا رفیع سودا سے ہمیشہ صحبت رکھتے تھے، بلکہ میرزا رفیع سودا بنا براک نظر قصبہ کے، کہ اُن کے حال پہنچی، اکثر اشعار کو ان کے اصلاح کرتے تھے۔ عین شباب کے عالم ادب و جن کے عروج میں، کہ زمان فرمان فرما نے محمد شاہ فروز آرام گاہ کا تھا، اس ماہ تاباں جن نے جامہ زندگی کو مانند کتان کے چاک کیا یہ منتخب ان کے دیوان کا ہے +

سحر سبز خط سے دونا ہوا حسن یا کا	آخر خزاں نے کچھ نہ کھلاڑ ہمار کا
اکثر جو اس زمین کو ہوتا ہے زلزلہ	شاید گڑا ہے جسم کسی بے قرار کا
کس کس طرح بھول میں گنتی میں حشریں	ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا
انگو کو چھپا رکھیں میں، میں دیکھ کے بھگا	تاباں قوتِ خاک بھی جلتا ہی رہیگا
کوئی دوسرا مجھ سا تاباں نہ ہوگا	کہ دل دے تجھے پھر پشیاں نہ ہوگا
جنا سے اپنی پشیاں نہ ہو، ہوا سو ہوا	تری بلا سے، مہر بھی پہر ہوا سو ہوا
نہ پانی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر عالم	وہ ایک دم ہی ترے روبرو ہوا سو ہوا

دلتا یاں یہی جو دل ہے تو آرام ہو چکا	دلتا یاں یہی جو دل ہے تو آرام ہو چکا	دلتا یاں یہی جو دل ہے تو آرام ہو چکا	دلتا یاں یہی جو دل ہے تو آرام ہو چکا
جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا	جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا	جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا	جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا
کوئی دیکھا نہیں یہ چپ ڈھب کا	کوئی دیکھا نہیں یہ چپ ڈھب کا	کوئی دیکھا نہیں یہ چپ ڈھب کا	کوئی دیکھا نہیں یہ چپ ڈھب کا
ایسا قاصد تو جائیو لپکا ۶۶	ایسا قاصد تو جائیو لپکا ۶۶	ایسا قاصد تو جائیو لپکا ۶۶	ایسا قاصد تو جائیو لپکا ۶۶
دیاسے بھی میں اپنا دیکھ کر جج جکے جا رہا	دیاسے بھی میں اپنا دیکھ کر جج جکے جا رہا	دیاسے بھی میں اپنا دیکھ کر جج جکے جا رہا	دیاسے بھی میں اپنا دیکھ کر جج جکے جا رہا
لیا تھا دوستی سے حزن نے دل بٹا	لیا تھا دوستی سے حزن نے دل بٹا	لیا تھا دوستی سے حزن نے دل بٹا	لیا تھا دوستی سے حزن نے دل بٹا
بھے ترسا کے اس کا فہرے مارا	بھے ترسا کے اس کا فہرے مارا	بھے ترسا کے اس کا فہرے مارا	بھے ترسا کے اس کا فہرے مارا
ہونٹوں پہ تپکھو ظالم مستی کی یہ دھڑکی	ہونٹوں پہ تپکھو ظالم مستی کی یہ دھڑکی	ہونٹوں پہ تپکھو ظالم مستی کی یہ دھڑکی	ہونٹوں پہ تپکھو ظالم مستی کی یہ دھڑکی
اکیلا منسم بلخ میں کل گیا تھا	اکیلا منسم بلخ میں کل گیا تھا	اکیلا منسم بلخ میں کل گیا تھا	اکیلا منسم بلخ میں کل گیا تھا
لیا چامے سے کھینچ یوسف کو اپنے	لیا چامے سے کھینچ یوسف کو اپنے	لیا چامے سے کھینچ یوسف کو اپنے	لیا چامے سے کھینچ یوسف کو اپنے
فناں نے مرا منہ پھرا کر کھلایا	فناں نے مرا منہ پھرا کر کھلایا	فناں نے مرا منہ پھرا کر کھلایا	فناں نے مرا منہ پھرا کر کھلایا
مری لوح تربت پہ یار و کھدا نا	مری لوح تربت پہ یار و کھدا نا	مری لوح تربت پہ یار و کھدا نا	مری لوح تربت پہ یار و کھدا نا
ترے غم سے بنیاں بے یاں تک بھگ	ترے غم سے بنیاں بے یاں تک بھگ	ترے غم سے بنیاں بے یاں تک بھگ	ترے غم سے بنیاں بے یاں تک بھگ
گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کھنے	گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کھنے	گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کھنے	گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کھنے
صبا میرا پیغام اُن تک تو لے جا	صبا میرا پیغام اُن تک تو لے جا	صبا میرا پیغام اُن تک تو لے جا	صبا میرا پیغام اُن تک تو لے جا
کسی بات کا میں نہ مشکوہ کروں گا	کسی بات کا میں نہ مشکوہ کروں گا	کسی بات کا میں نہ مشکوہ کروں گا	کسی بات کا میں نہ مشکوہ کروں گا
اپنے کتھیں کوئی سر پہ بھی چڑھاتا ہے؟	اپنے کتھیں کوئی سر پہ بھی چڑھاتا ہے؟	اپنے کتھیں کوئی سر پہ بھی چڑھاتا ہے؟	اپنے کتھیں کوئی سر پہ بھی چڑھاتا ہے؟
تمہارے بچہ میں رہتا ہے غم ہم کو میاں صفا	تمہارے بچہ میں رہتا ہے غم ہم کو میاں صفا	تمہارے بچہ میں رہتا ہے غم ہم کو میاں صفا	تمہارے بچہ میں رہتا ہے غم ہم کو میاں صفا
مہرباں ہو تو ہر گز غلط نہ آنے دوں ترے لیکن	مہرباں ہو تو ہر گز غلط نہ آنے دوں ترے لیکن	مہرباں ہو تو ہر گز غلط نہ آنے دوں ترے لیکن	مہرباں ہو تو ہر گز غلط نہ آنے دوں ترے لیکن

غیر کے ہاتھ میں اُس شیخ کا دامن ہے کچ	دل	میں ہوں ابرہہ ہوا اور میرا گریبان ہر کچ	دل
لے میری خیر چشمہ یار کی کیوں کر	دل	بیچارہ ساد کرے بیمار کی کیوں کر	دل
کہتے ہیں اثر ہیکار گریہ میں یہ باتیں	دل	اک دن بھی نہ یار آیا دوتے ہی کٹیں تیں	دل
سُخِ لُغِ غُشٰی ہو گلشن میں آئیاں ہیں	دل	کیا بلبلوں نے دیکھو دھوئیں مہائیاں ہیں	دل
بیاسہ زیں سے اُٹھتی نہیں عصا ہن	دل	نرگس کو تم نے شاید آنکھیں دکھائیاں ہیں	دل
قسمت میں کیا ہو دیکھیں جیتے رہیں کہ مر جانا	دل	قتال سے اب تو ہم نے آنکھیں لڑائیاں ہیں	دل
آشنا تو مجھ سے ایسا ہے کہ جیسا چاہئے	دل	پر جو کچھ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں	دل
شب کو چہرے وہ رشک ماہِ خادِ بخانا کو بکو	دل	دن کو چہرہ دس دواغواہ خانہ بخانا کو بکو	دل
گئے تالہ ترے برباد جوں بانگِ برس چپہ	دل	اثر دیکھا تری فسر یا دیرِ لہم سے بس جپہ	دل
سلیاں کیا ہوا اگر تو نقشہ آتانیس مجھ کو	دل	مری آنکھوں کی تہی میں تری تصویر بھرتی ہے	دل
بتاں کے شہر تازہ سائیں کب کوئی دلو کو پہنچے	دل	لگر یہاں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے	دل
تو بھلی بات سے بھی میسر ہی مٹا ہوتا ہے	دل	کیا بھلا چاہنا رسا ہی بڑا ہوتا ہے	دل
یتری ابرو سے مراد دل نہ چھنے گا ہرگز	دل	گوشتِ ناخن سے کہوں کوئی مُباہوتا ہے	دل
ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے	دل	تجھ بے مروت مروت کہاں ہے	دل
میں مشکوہ کروں جو ظالم سے لیکن	دل	مجھے آہ و نالہ سے فرصت کہاں ہے	دل
بیاں کیا کروں ناواقفی میں اپنی	دل	مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے	دل
جو اُس کی کہیں نے دیکھی ہو تاباں	دل	رگِ گل میں ایسی حرکت کہاں ہے	دل
جو کرتا ہوں فریادیں اُس کے گم گے	دل	تو کہتا ہے تاباں تو جاتا نہیں ہے	دل
ابھی پست ہو جا گا لاقول کے مارے	دل	حرا شور کچھ مجھ کو بھاتا نہیں ہے	دل

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی	راہی	یخود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجھ کو خمار شب کالا، صبح چوٹی		شیشے میں جو کچھ کسے ہو باقی ساقی
بیاں میں کیا کروں دیوانگی کا اپنی افسانہ	عس	نہ میرا گھوس جی لگتا نہیں بھاتا دیوانہ
خوش آتا جو مجھے گلہیل میں سنگ کے دکھانا		اسے نامع عبت ہی یہ ترا یہودہ بھانا
پر یہ وجود جس کا سو ہو کیونکر نہ دیوانہ		
عبث مت بک نہیں میں تانتکھنا ترانہ		مری تہ و فغان کسے سے تبا کچھ کو کیا نامع
میں اپنے جی ہی سے نیراہوں مت متانہ		بھلا چاہے تو اپنی آبرو کسے کے جانہ
مجھے صلح آتا جو تری باتوں پہ چھٹانا		
تو کیوں یہودہ بکنا ہے نصیحت کے سخن اکثر		سنوں کیونکر تری باتیں کہ میرا حال جو بہتر
رہوں تادم سے بے یارائے نامع بھلا کیونکر		کہ میری زندگی اور موت جو موقوف ہے جاہر
اگر آہے قوی جا تا دگر جاوے تو مر جانا		
کبھی اتوں کے تئیں کرتا ہوں گھوسنا اور افلا		کبھی ہوتا ہوں صوفی میں دشت کے دوعریاں
کبھی ہوتا ہوتا ہاں ساتھ میرے غم بھنگاں		مرے تئیں اس طرح سو دیکھ کر غم جو مر گرداں
کوئی کہتا ہے سودا کی کوئی کہتا ہے دیوانا		

باب الحجیم

۱۔ جہاندار

جہاندار تخلص، میرزا جواں بخت جہاندار شاہ نام، خورشید آسمان بلند اختر می اور سرفرازی کا
ولی محمد شاہ عالم بادشاہ غازی کا، رونق دینے والا بارگاہ جہانداری اور جہان بینی کو، زینت بخش
والا سند ملک گیری اور شہرستانی کو، ہر خطہ چین جہاں با فرد کا اُس کے واسطے روشن کرنے عالم
کے، ماتہ خطوط شامی آفتاب کے، دور کرنے والا تاریکیِ فلاکت کا تھا، اور دوست دریا نولل سکا

افراطِ جود و کرم سے ماتمید یہی عینا کے روشن کرنے والا خوش ناموسی امانت اور ایالت کا بخشش نے اُس کی، دشمنی آسمان کے دل سے فلکِ زدوں کی نکالی، اور بہت نے اُس کی گرہ بطلامی کی پیشانی سے بچتوں کی کھول ڈالی جس ایام میں کرنا موافقت سے امراء دولت کی۔ نشان کیون شان اس فلکِ جناح کے دار الخلافہ دلی سے بیچ حرکت کے آئے، تو موصوفہ الہ گیارہ سواٹھانویس ہجری تھے، کہ خود بدولت و اقبال لکھنؤ میں تشریف لائے۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے، جو قرا آداب و خدمت گذاری کے تھے، سب ادا کئے، خواہی میں بیٹھنے کے سوائے گھڑیوں ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہے۔ باوصف اس ناز پروردی کے کہ کبھی پیادہ چار قدم کا ہے کو چلے تھے۔ پانچوں ہتیار باندھے ہوئے ایک لالچی اور گھوری کی بخشش پر دس دس مرتبہ تجرہ گاہ پر سے جا کر آدیاں بنا لاتے تھے۔ عرض اس شہزادہ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر آتی تھی، کہ مینے میں دستِ بنا مشاعرے کی اپنے دولت خانہ میں ٹھہرائی تھی۔ شعر اسے باوقار کو اپنے چوہدار بھیج کر مشاعرے کے دن بلواتے، اور ہر ایک شخص سے نہایت الطاف اور عنایت کے ساتھ گرم جوشی فرماتے۔ چنانچہ راقم حقیر کو جب یاد فرمایا، تو اس پھر ان نے یہ تذکرہ بھی لایا کہ "مکتربین نے مشاعرے کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، از بسکہ ان مصہوتوں میں مناظرہ ہی کو یارانِ عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے، اگر ارشاد ہو تو سوائے مشاعرے کے ایک دن بندگی میں حاضر ہوں، اور اس تخمِ نا کاشنی میخیز کو موافق ارشاد کے زمینِ عرض میں جوڑوں۔ پذیرانہ ہوا، پھر چوہدار آیا، اور یہ ارشاد فرمایا کہ تیرا ماحو ہونا مشاعرے میں نہایت ضرور ہے، ستارے کا سطق ہمارے ہاں نہیں دستور ہے، عرض لیا سے نواب آصف الدولہ مرحوم کے حاضر ہوا، اور شرفِ سعادت ملازمت کا حاصل کیا۔ مکرر بین اُس دن ازراہ تفصیلات کے پڑھوائیں، اور ہر شعر پر کیا کہوں کہ کیا کیا عنایتیں فرمائیں۔ چلنی طبعِ ناز سے بہت کچھ ارشاد فرمایا، اور سامعین کو موردِ عنایت و امداد فرمایا۔ سلسلہ بارہ سو ایک ہجری میں بلدہ بنارس کے اندر اس سریرِ آراے بارگاہِ شوکت و اجلال نے تحتِ نشینی ملکِ فنا کی چھڑکراؤنگ آگاہی کشور تھا کی اختیار کی یہ اشعار منتخب اُس سلطانِ عالی تبار کے ہیں :-

	<p>اسی ہی آرزو میں مر چلے ہم بسانِ شمعِ رور و کر چلے ہم ترے دسے مع لشکر چلے ہم کہ اس گلشن میں کر اتر چلے ہم خدا حافظ تمہارا ہمسر چلے ہم</p>		<p>نہ پوچھو دہر میں کیا کر چلے ہم رہے اک شب جو بس ماتم کنوئیں اکیلے تھے ہم اب اک فوجی غم ہو نہ تھے جوں گل کی ادا دل جتن رہے در پر بتاں کے تم جہاندار</p>	
	<p>یہ دیکھ آئینہ سال چشمِ استغلاہوں میں یہ کس کی زکسِ نقان سو دو چاہوں میں مثال ابر بہاری کے اشکبارہوں میں صدف سے چشم کی تج سے گنہگارہوں میں بسانِ ماہِ جہاندار آشکارہوں میں رکتا ہے ایک ایک عجب ہی بار بار جوں لالہ دل پہ کھلتے ہیں گنبدِ بار بار چاہوں جو ٹھہرے، اگر نہیں سکتا تو بار بار</p>	<p>ملد ملد</p>	<p>جہاں تجھ سے صنمِ منت میسر ہوں میں بسا ہے میرا سراپا جو عطرِ منت سے نہ جو رہے فلکِ حیدر سے گھبرا کر نظر پڑا ہے وہ آدیزہ گنہگار سے ہے آفتاب کا سر پہ مرے جو پرتو مر میں بسکے جزوق مرے طاؤسِ اسفند رعنائی تیری دیکھ کے اس سر و باج میں آتشِ پیچھے دل کی جہاندار ہوں پسند</p>	

۲- جرأت

جرأت تخلص، بیکی امان قلندر بخش نام، میثا حافظ امان کا۔ شاعر شیریں کلام ہے ظاہر انظالماتِ کلن کے بزرگوں کے نام پر بطور خطاب کے زمانِ لکبری سے چلا آتا ہے، اور جرأت مذکور رشید شاگردوں میں میرزا جعفر علی حسرت تخلص کے گنا جاتا ہے۔ علمِ مصنفی میں مشغلہ بجلا چکا رکھتا ہے اور ستارہ کے بجائے میں نہایت دست رس رکھتا ہے۔ نجوم میں بھی اس شخص کو دخل تمام ہے، ایسا کہ ایک عالمِ لکھنؤ کا اس کا منتظر احکام ہے۔ تمام عمر زیر کی بیکاری میں بسر ہوئی ہے، اور بے روزگاری میں کٹی ہے۔ ابتدا میں نوابِ محبت خاں محبت تخلص اعانت اخراجاتِ ضروری

کی کرتے تھے، بالفضل، کہ شاہ ۱۲ بارہ سو پندرہ چوری ہیں، صاحب عالم و عالمیان میرزا سیلانی کی سرکار سے کچھ امداد ہوتی ہے۔ اگرچہ بصارت چشم سے یہ عزیز معذور ہے، پر ملاقاتوں کو دوستوں کی پھر تا دور دورہ ہے گو کہ آنکھوں سے کچھ نہیں سوجھتا ہے، لیکن مضمون رنگیں سوجھتا ہے زبان ریختہ میں صاحب دیوان عظیم الشان - یہ اس کا منتخب دیوان ہے +

دل	دن گئی رات ہوئی، رات گئی دن آیا
دل	آہ! یہ بیٹھے بھائے تجھ کو کس کا غم لگا
دل	رہنروں میں تو سا فرکو سب نام نہ بیچ
دل	اُچھے نگر میں جیسے جھلے ہے چرخ ایک
دل	ہوں میں وہ شے کہ کوئی جس کا خرید نہیں
	ابر تصویر کو گرہ سے سروکار نہیں
	دھن زخم کو گویا لب گفتار نہیں
	جس کو ظاہر میں جو دیکھو تو کچھ آزار نہیں
دل	کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے وقعت نہیں
	ہنس کے بولائیں کسی کے کام سے وقعت نہیں
دل	اُگر یہ جھوٹ ہو تو تنہا ہم ہاتھ دھرتے ہیں
	کب اپنا شیاں سے صحن گلشن میں آتے ہیں
دل	آپ کا جان کے سب مجھ پر کرم کرتے ہیں
دل	تو کہے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں
	چشم حسرت سے کہاں تک دم بہ دم دیکھا کریں
	مصلحت یہ ہے کہ اس کے پاس سے گھر چھوڑ دو
	کہتے ہو جا کر اُسے بستی کے باہر چھوڑ دو
	میں اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا
	دن بمل تحلیل و تجرأت ہوا جاتا ہے کیوں؟
	دل کو اے عشق سوئے زلف سیہ نام بھیج
	روشن ہے اس طرح دل دیراں کا دماغ، ایک
	میرے ہونے سے تو کچھ گرنی باز نہیں
	دل تو اٹھے ہے یہ حیرت سے میں کیونکر دوں
	درد کیا جانے کیا کیا یہ بیاں کرتا یار
	تیرے بیمار سا بیمار نہ ہو گا کوئی نہ
	جس کے غم میں آہ ہم آرام سے وقعت نہیں
	رو کے میں پوچھا کہ مقصد جانتے ہو تم مرا
دل	کیا قتلِ دو عالم تو نے جنبش سے اک ابرو کی
	برنگ طائر تصویر ہیں ہم باغ حیرت میں
	نالہ و آہ و غناں بھی مراد دم بھرتے ہیں
	اے ستم بجا دکب تک یہ ستم دیکھا کریں
	کچھ تو غلغلے آرنے و دشنام دے تلوار کھینچ
	کہتے ہیں آپس میں ہمایہ مری فریاد سے
	کیا کیا میں نے گناہ جو اپنے لوگوں سے یہ تم

دل	آنے کی خبر ہے اس کے لیکن	دل	آتا نہیں اعتبار دل کو
دل	اُسکے آنے میں اب جو دیر ہے کچھ	دل	یہ بھی قسمت کا میر بھر ہے گویا
	جب نہ تب غوں مرا ہی پیتا ہے		غم بہت اس کا مجھ پر شے کی ہے
	تھا یہ جرات ہی اُس کو کو چھیں		جو خاک کا سا ذخیر ہے کچھ
دل	جانتے ہیں اُس کو دوسرے پہ جانا محال ہے	دل	جس جا قدم پڑے ہے اٹھانا محال ہے
	لہنے میں اور آتش آفت بھڑک اٹھی		اب اس لگی کا دل سے بچھانا محال ہے
	کیا قہر ہے کہ بزم میں اُس شیخ کی مجھے		سب کہتے ہیں کہ تجھ کو بٹھانا محال ہے
	جا بیٹھتے تھے در پہ جو اُس کے وہ دن		اودھر کو اب تو آنکھ اٹھانا محال ہے
دل	کس کی سنوں بات میں اسے مہر لیں	دل	دھیان تو رہتا ہے تہا را مجھے
دل	غم بہت دنیا میں ہے پر عشق کا غم اور ہے	دل	ہے اسی عالم میں لیکن اُس کا عالم اور ہے
دل	گر کسی دھبے کوئی مجھ کو ہنسا دیتا ہے	دل	غم فراق تو وہیں کچھ یاد دلا دیتا ہے
	شب کو ہم کو باج تاج تو تک اس کا خیال		آنکھ لگنے نہیں پاتی کہ جگا دیتا ہے
	نحت دل کی مرے یہ اشک روان ہیں بھا		برگ گل جوں کوئی دریا میں بہا دیتا ہے
	گھر سے وہ جاوے جہاں میں بھی نہیں ہوں		نہیں معلوم مجھے کون بتا دیتا ہے
دل	سخت تجھ بن بحق سن ل کا ستا ہے مجھے	دل	گر بٹھاتا ہے یہ اور گاہ اٹھاتا ہے مجھے
دل	دل بھڑکے ہے ٹکڑے صحن و جان کھلے	دل	سُگر گرم ہے آتش اسے قرآن دکھاوے
دل	مرہنے کی جاہاں میں ہم خوب پاگئے	دل	جوں دہل دلد کے دل میں سما گئے
	ہم گلشن جہاں میں جوں آتشیں ناز		اک دم کی زندگی کا تماشہ دکھا گئے
دل	جوش گل چاک قفس سے دبدم دیکھا کئے	دل	سبے یاں لوٹیں بہاریں اور ہم دیکھا کئے
دل	شب بزم یار میں ہم بیٹھے تھے پر اُس کی	دل	چتون سے تھا یہ ظاہر یہ شخص یہاں سے نکلے
۱۵ جب ہمیں اُلگ گئی ہے تو قرآن مکمل ہے کس کی ہرکت سے بچ جائے			

دل	عزیز واصل میں بھی ہم جو رو کر نہ سوتے تھے
دل	کچھ ہم تو نہ بچے کہ شب وصل کہد مر تھی
دل	ترے بن بستر اندوہ پر کچھ یادیں کر کے
دل	سواندیش تھا روزِ جگر کا اُس دن کو رو تے تھے
دل	نیک زلف سے جو رخ پہ نظر کی تو حسرتی
دل	پڑا تو تاجوں پہروں یار نہ پستیں نہ کر کے

۳۔ جوش

جوشش تخلص، شیخ محمد روشن نام، وطن ان کا عظیم آباد ہے، خوش لیاقتی ان کی جو کچھ کہتے اُس سے زیادہ ہے۔ طبیعت ان کی نظم ریختہ میں نہایت رسا ہے، اور معنی بیگانہ سے بہ شدت آشنا ہے۔ چاشنی درد کی کلام سے ان کے ظاہر، اور علم و وسوسے سے یہ بخوبی ماہر ہیں۔ بشیوہ اختیار انہوں نے میر درد کا کیا ہے، اور اس طور کو بہت خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ علیٰ لہذا ہم نے مرحوم نے گلزارِ ابراہیم میں لکھا ہے کہ جس آیام میں یہ تذکرہ لکھتا ہوں، تو شیخ مذکور نے اشعار اپنے بچہ کو بنارس بھجوائے، تاکہ نام اُس کا اس تذکرہ میں لکھا جائے۔ نہایت پسند آیا مجھ کو اسلوب ان کے بیان کا، چنانچہ اس طرح لکھا گیا انتخاب ان کے دیوان کا۔

دل	کس طرح سے اوصاف ہو خلاق بھانگا
دل	عاشق کو ہے کب جلوہ مستحق کی طاقت
دل	اس گلشن ہستی سے غلِ راہِ عدم لے
دل	عقار کی طرح گو کر نشانِ وہ نہیں رکھتا
دل	اس دل کو دکھانا ہوں میں بازارِ محبت
دل	ہم تہم پہم کیوں کہوں میں اسے شعلِ زار کا
دل	سر کا بے غدی کا یہ مختار کار ہے
دل	پیتا ہے گر تو بادۂ محبت سمجھ مے
دل	بزم میں یک شب بھی نہ آیا نہ دلِ گلگیر کا
دل	قدت نہ قلم کی ہے نہ مقد و نہ باں کا
دل	مہتاب کو دیکھ، نہیں مقد و رکناں کا
دل	نیزنگ نظر آئے ہے کچھ رنگِ بیاں کا
دل	لمتا ہے پتا نام ہی سے اسکے نشان کا
دل	خبرہ نہیں جوشِ مجھے کچھ سو و نیل کا
دل	عالم ہے کچھ جہاں ہی دلِ داغدار کا
دل	کیا اختیاس ہے دلِ بے اختیار کا
دل	جوشش بڑا ہے حدِ دل کے غمار کا
دل	غاذہ اسے شمعِ مشکِ واہ بے تاثیر کا

<p>جو ہر ذاتی ہے یہ جو ہر تری شیر کا کو کہن ہو تو نہ دم مارے وفا داری کا زور عالم ہے غرض دل کی گرفتاری کا یاد ہے اس کو عجب طور دل آزاری کا یہ عید گر قرار ادھر کا نہ ادھر کا پر یہ سودا تو کبھو سے نہیں جاتے کا شع کے سنانے کیا حال ہے پرانے کا دل تری زلف میں ابھرا ہے مگر شانے کا کسی طرح سے حق اس کا ادا نہ ہو گا یہ تیر کس کے جگر میں لگانا ہو گا جو ہے ہی ترار و نا تو کیا نہ ہو دے گا</p>	<p>و مہدم آلودہ رہنا خون سے فشاں کے دیکھ کر رنگ منم تیسری جنا کاری کا چشم پر آج بکے لب خشک و مایہ آشفته مسکراتا ہے مجھے دیکھ قیہوں کے حصو جی یہ میں گلزار کی اتن کنج قفس میں گر کوئی کا شبھی لے نہ ترے دیوانے کا کیوں منعظ ہوں اُسے دیکھ کے دیکھ تو ہی ہاتھ اٹھا نہ ہی نہیں یا جو بھلانے سے سُر اس کی تیغ سے جب تک مجھ نہ ہو گا کل اُن نے بیٹھ کے غیر دل میں کی نگہ پھر دل و جگر پہی آفت نہیں قطع جوشش</p>
<p>ہم پر جو کبھی کرم کرے گا بادر جو تری قسم کرے گا کس کا کس کا تو غم کرے گا خانہ ویران ہوا ہزاروں کا ہوش اڑھائے ہوشیادوں کا منہ تو دیکھو شراب خواروں کا ہستی کو نہ پا ثار دیکھا دو دل کو نہ بے غبار دیکھا بس ہم نے ترقا تار دیکھا دیکھنا مجھ کو ادھر چھپ جانا</p>	<p>غیروں پر تو ستم کرے گا ہم سہی وہ ہو گا سادگی میں جوشش ست رو دل و جگر کو دیکھ کر خن کھنڈاروں کا دیکھیں گراس کی چشم برفن کو اس کی آنکھوں کو دیکھیں جوشش ہو چشم جباب وار دیکھا جو شیعہ نہاعت اس محل میں ہم مر ہی گئے پ تو نہ آیا اس ادا کا تری ہوں دیوانا</p>

اب میرے اسکے نامہ و پیغام ہو چکا مانند نقل شمع ہر اک مستحق جلا اسے اشک تیسرے ہاتھ سے کیا کیا لگا یہ چشم خوں نشان یعنی یہ دل ہی جگر تھا جھک کو معال یار میرے کہاں ہوا حرفِ توان بھی اُس کی زبان پر لگ گیا جلا دیر سی جان کا یہ آسمان ہوا مری تسبیح نہ کوئی تھک کو بار چاہے گا دیا ہے ایک کو دل وہی دل دہری نہیں کرتا یہ ہمارا ہی کلیجہ ہے کہ ہم شہرے ہیں	دلہ	لیتا تھا اُس کو دل سویا اُن کا نامہ بر تنہا یہ عشق میں نہ دلِ ناتواں جیلا نہ دل رہا نہ چشم بھی نہ جگر رہا وہ کیا ہوا زمانہ بے نیس جو اثر تھا غش آگیا وہ سلسلے میرے جاں ہوا بے طاقت اس قدر یہ دلِ ناتواں ہوا سر پر کمر ہے کھینچے ہوئے تنج کملکشاں ہزار پیار کرے گا ہزار چاہے گا کوئی اس غم کہ میں اپنی غم دہری نہیں کرتا جوتے سامنے آئے ہیں دم ٹھہر چکی ہیں	دلہ
آہ ہے یا قلم تراش ہے یہ اب تردد ہے یہ تلاش ہے یہ بہت تھکے گلاب پاش ہے یہ کہ سدا نبیستی کو ہستی ہے وہی سودا یوں کی ہستی ہے	دلہ	ایک عالم کی جاں خزش ہو یہ روئے تاہو سب زکشت امید دیدہ ترکو دوست رکھ بوجوش اپنی دہے ثبات ہستی ہے نام کھینچے ہو جس کا ویرانہ	دلہ
بسکہ نازک ہے مجھے باندھے ڈھاتا ہو بے طرح حال مرا مجھ کو نظر آتا ہے ہونے کو تو ہوتے تھی لیکن نہ ہو سکے	دلہ	جی میں جس وقت کہ معنوں کو رہا ہے چشم تر آہ بہ لب خستہ جگر ہوں بوجوش شبشم کی طرح سامنے اُس آفتاب کے	دلہ
تو کاتھ نہ کھینچو جھاسے تھے ہم بھی تو صورت آفتاب اس کے مقابل نہ ہوا چاہئے	دلہ	کچھ کام نہیں ہیں دفا سے کل سے گلے گلے ملے تم چشم سے غافل نہ ہوا چاہئے	دلہ

دلہ	دلہ	ہوے صہائشیں تشریف لائے جس کا بھی چاہے	دلہ	دور درباں نہیں رکھتے ہیں آوے جس کا بھی چاہے
دلہ	دلہ	گرد میں غنوں نے نافے کے نافے بانہ لائے	دلہ	چمن میں کھل جو گئی زلف مشک جوتی سی
دلہ	دلہ	مرنا تو بہتر ہے جو مر جائے	دلہ	جی سے کسی کے نہ اُتر جائے
دلہ	دلہ	سوئے حرم یا طرف بت کدہ	دلہ	الغرض اسے شیخ جدمر جائے
دلہ	دلہ	نت نئے مڈریں نہ آنے کے	دلہ	ہم دیوانے ہیں اس بہانے کے
دلہ	دلہ	قلعے سے آنسو کے ہیں اک لخت ثمر سے	دلہ	کیا آگ بھستی ہے مرے دیدہ تر سے
دلہ	دلہ	آشنا جبے ہوئے نہس بت ہر جانی سے	دلہ	در بدر خاک بہر چہ پتے ہیں سوداوی سے
دلہ	دلہ	گر جان دے کوئی نہ اس کے ہونگے	دلہ	بہاوی جی شوق سے لیں گے اس کا بس کے ہونگے
دلہ	دلہ	جوشش نہ کہ ان بتوں سے ہرگز امید	دلہ	یہ کس کے ہوئے ہیں ادکس کے ہونگے

باب الحاء

۱۔ حاتم

حاتم قلعہ، شاہ جہان آبادی ہشور ریختہ گویوں میں سے دلی کے تھا ہم عصر شاہ عالم الدین
آبرو اور سیدتی سدا کا مشاعرہ خوش بیان تھا صاحب دودیاں تھا، ایک دیوان میں نہایت فصیح ابہام کیا ہے،
اور عصر بعد متاخرین کے سرا انجام کیا ہے جاسے طور متاخرین اور طرز ابہام کا۔

گلشن اس گل بہر ہر نظر میں حیراں ہو گیا	بھاڑ بھاڑ اور بوٹا بوٹا دشمن جاں ہو گیا
ایک نے پانی نہ اب تک نبض کی رفتار حین	دور و میرہ اتھتہ مشق طبعیہاں ہو گیا
اشک خوں آلودہ میسے اس قد بعدی ہر ج	سہا بجا مصلوں سے ہندستان بدشتاں ہو گیا
شور و یدیاں مک ملاحمت کا تری پہنچا ہے شور	بے نمک آگے ترے لہجے تک دلیں ہو گیا
فیض محبت کا تری حاتم صحیاں ہے ہندیں	مغل مکتب تھا سو عالم نیچ تا باں ہو گیا
سمن نے یاد کرنا نہ لکھا ادہم ہے فائل	دلہ بجا ہے محض لکھنا ہمیں کا فہ خطانی پر

۲۔ حسین

حزین قلعہ میر باقر نام، متوطن شاہ ہلن آباد۔ شاگردوں میں میرزا جان جاناں ظہر کے قزو
لی سے جب برائی انہوں نے لاچار کی، تو حکیم آباد میں بود و باش اختیار کی سرفیق تھے نواب
بافرہنگ سید احمد خاں صولت جنگ کے، زندگی بسر کی ہے انہوں نے ساتھ رحلت نامہ جنگ
کے بہت فہیمہ اور آشنائے درست، دوستیوں میں نہایت چالاک و جست۔ زبان رکھنے میں
صاحب دیوان ہیں، غلامہ اشعار ان کے دیوان کے لکھے گئے یہاں ہیں ♦

ختم نے آباد کیا خانہ دیراں میرا	ابر مرزاں سے ہوا سنہریاں باں میرا
یکہ کے باغ سے رخصت ہوئی بلبل گر بہشت	ط لکھا تھا یوں کہ فصل گل میں چور میں ارشیاں لٹا
گوارا ہو گیا دل پر جامے ہویا رحسہ	دلہ ہیں رنج و الم سے ہو گئے صحبت ہلا آخر
غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب	دل دیتا ہے ساتھ دینے سے مجھ کو جواب دل
خصل گل آخر ہوئی، کیا دیکھ ہوں گے شاد ہم	دل کچھ کرے صیاد، اب ہوں گے نہیں آزاد ہم
رحم آتا ہے مجھے اس مشت خاک اپنی پہ پاؤں	دل خوبرویوں کی ہوا میں ہو چکے برباد ہم
اس بے وفا کے ہاتھ سے کچھ مجھ کو بخش نہیں	دلہ پاؤں تلک بھی لٹے مجھے دست رس نہیں
دیراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ اب	دل چاہیں کہل میں، تو کہیں خار و خس نہیں
کچھ کہا شاید اُن نے قاصد سے	دل یہ ہے کہ وہ اضطراب نہیں
آوے نہ کیونکہ رشک مجھے بلک پان سے	دلہ لیتا ہے کیا مزہ وہ سخن کے لبان سے
نہ وصل میں اُسے راحت، نہ بھر میں آرام	دلہ کسی طبع سے حزنیں دل کے تیشیں نہ نہیں
تو نہ ڈر نہ گناہا نقاب کے تئیں	دلہ میں سمجھاؤں مجھ کا اضطراب کے تئیں
کیونکہ خاطر خواہ دل کے درد کی تقریر ہو	دلہ کب یہ معنی لفظ میں آتے ہیں، کیا تقریر ہو
کچھ گئی بھر میں، کچھ وصل میں گر لیں سی	دلہ کیا مری عمر کی اوقات پریشاں گدزی
غریباں کے درد و غم نے کیا ناتواں مجھے	دلہ یاں تک کہ موبھی تن پہ ہونے ہیں گراں مجھے
کیوں کر دردِ جنا کی شکایت میں رستی	دلہ کرتا ہے وہ وفا میں کبھو امتحاں مجھے
وفا میری اگر جو دغا تجھ کو دے سکھلائی	دلہ تو کیا آرام سے یہ زندگی لٹے کٹ جاتی
حزن میں تو دل کا کس طرح ظاہر دل اس سے	دلہ مجھے کہتا ہے تیری بات مجھ کو خوش نہیں آتی
مجھے کہتا ہے تیرا دل کہاں ہے	دلہ قیامت شیخ ہمیرہ اب گلاں ہے

۳۔ حسرت

حسرت تخلص، میرزا جعفر علی نام، متوطن شاہ جہان آباد کے، میثا میرزا ابوالکھیر کا تھا۔ صاحب قصاید و دیوان ہے، اور سر حلقہ مسوزنان خوش بیان ہے۔ اکثر لومشتی لکھنؤ کے معجرات دم شام گودی کا مارتے ہیں، اور یا استاد کہہ کے پکارتے ہیں۔ نخاس کے اند دکان حلائی کی یہ عزیز رکھتا تھا، اور اوقات اسی وجہ حلال سے بسر کرتا تھا۔ سالہ بارہ سو دس بھری میں تھمہ بند کر کے ٹکان دجو کو سیر باز رعدم کی ہے، خدا بخشنے اس عاقبت محمود کو +

اتنا سودا یہ دل زار ہوا، کچھ نہ ہوا کاٹنے عشق جتنا تائیں اس کو حسرت	کچھ بھی یہ عشق سے نیر لہر ہوا، کچھ نہ ہوا سیری صورت سے معین ہوا، کچھ نہ ہوا
بجا تچہ کو مرین عشق سے ملتے حذر آیا۔ رقیبوں کے حوٹے کو کے خطا کو نامہ پڑ آیا نہیں غنوں سپہنم، اس مہن کے وصف لکھ	دلہ کہ آئینہ میں شکل اپنی جو دیکھی مجھ کو ڈر آیا دلہ عزیز دیکھا کسوں قاصد تو میر اکام کر آیا! یہ لذت دی کہ پانی منہ میں ہر غنچہ کے بھر آیا
اسی جان میں رکھتے ہیں ہم جان جدا تری فرقت میں ہے شام و سحر مجھ کو کعبہ شکل کہہ سکوں محنت پرے ہیں کام میں سے	دلہ جواب داس ہے اپنا بھی آسمان جدا دلہ جو شب کی تو دین کل، جودن کا تو شب شکل ترے آگے ہیں سب ساں سہل آگے ہیں سب
ہوئے ہم بے تک بندے، بہون سو راہ کو تے نہیں جلے جل شمع، اب نزدیک سے غاموش ہو جاویں تھوہنے ترے ظالم یہاں تک تفرقہ ڈالا	دلہ حرم کے ہونے والا، اتم خوشی ملنے کو تے نہیں دلہ یہ انسانہ سستا کر قعدہ ہم کو تاکر تے نہیں دلہ کہ ملنا ہو گیا دشوار اب خزاں سر خزاں کو
برنگ آبلے واسے یہ کیا زندگانی ہے	دلہ کہ جس کے پاؤں پہنتے ہیں اسی کو سر لگانی ہے

کس کلسے جگر جس پہ یہ پیدا کر دے	دل	لو دل تہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کر دے
تا بچ کیا صبر دل و جاں پھر اب آگے		کیا خاک بچی ہے جسے برباد کر دے
تسے بن کس طرح پیاسے مری اوقات گزری	دل	ابھی سے دل کو بیانی ہر کیونکرات گزری
کیا راہ میں غیر دس سے ملاقات لگائی	دل	جو صبح سے یاں آنے تلک رات لگائی
آٹا جو زمانہ ہو تو اس صید نے دل کے		میتا دے ملنے کے لئے گھات لگائی
اس زلف میں جا و فات پائی	دل	اس دل نے عجب ہی رات پائی
ہمارے کام پہ ہر چند آسمان پھر	دل	تجھے قسم ہے! جو تو اس طرف کو آن پھر
چلا تھا لشکر غم چڑھ کے گھر پہ محبوں کے		مجھے جو دیکھا تو دو دین اور نشان پھر
دل درو بتاں سے آہ کیونکر نہ کرے	بہاوی	پر آہ تو تب کہے جو اس سے نہ ڈرے
وہ نیکل ہے جیسی دشمنوں میں گھال		ہم لیوے تو سر نہ، نہ دم لے تو مرے

ہم حیران

حیران تخلص، میر حیدر علی نام، ساکن شاہ جہان آباد کے۔ شاگرد رائے سرپرست ننگہ دیوانہ تخلص اُستاد کے علم شعر سے تو بخوبی آگاہ نہیں ہیں، لیکن اشعار ان کے سب کے سب دلچسپ و شیریں ہیں۔ بندش شعر کی ان کے اُستادانہ ہے، استاد جانتا ان کو ایک زمانہ ہے۔ نواب امیر الدولہ حیدر علی خان مرحوم کی لائت میں، اگرچہ نوکر وزیر الممالک نواب آصف الدولہ مغفور کے تھے، لیکن اسے میکوئل سے کہ مالک و اصل باقی کا تھا، تو سل رکھتے تھے۔ بعد ائے مذکورہ کے مرنے کے ایک آدمہ برس تو تنخواہ کی طرف سے اذیت اٹھائی، پھر تو ایک مرتبہ نواب آصف الدولہ مرحوم سے کچھ ایسی موافقت آئی کہ کچا پاس کے سو روپے اضافہ کیا، اور سو سوار کا رسالہ۔ بالفضل

۱۵ یہ معوجرات کی طرف بھی منسوب ہے۔ اس نثر میں تافہ کی پابندی سے سخت تعجب پیدا ہو گئی ہے مطلب

۱۶ یہ کہ سب کچھ میں کا تخلص میدان ہے، اور استاد حق ہیں، میں من کے شاگرد ہیں۔

کہ سارا بارہ سو پندرہ ہجری ہیں، مع رسالہ تخریج لکھنؤ میں لیتے ہیں، احواد و پیش کی دیتے ہیں۔ یہ اشعار اس ستودہ اطوار کے ہیں +

لوہی وضع ہے، ادب میں یہی بہاتِ نصیب! ہم لب گور ہوئے خوں بہ بگر اس غم سے صبح ہر رخسارِ غم میں ہیں ہوتی ہے شام کچھ ہیں شکوہ نہیں جو سے تیرے ہر گز مسجد میں پھر سے منت بوم پھرتے حیراں ہوانہ ہم کو کبھی سیرِ باغ و کشتِ نصیب دلِ تیز و کا تج پوچھتے ہو حال، اپنے جانے کا وہل ان کو نہ رات کو ڈر در و دل غیر کے ہونے سے نہ کہنے پایا	تو نہیں ہر چکی بس اس سے ملاقاتِ نصیب! کرنی اس غنچہ دہن سے نہ ہوئی باتِ نصیب! آہ جاگنے کے مرے کون سی اب راتِ نصیب! ہم ہمیشہ ہی ہیں آجان کچھ اوقاتِ نصیب! شمع جی پر نہ ہوئی تم کو کراماتِ نصیب! کریں گے زینت کا کیا یا دہم زینتِ نصیب غمِ فراق سے کب کا ہوا ہشتِ نصیب دیکھئے کیسے بنے ان پڑی بات کدھب کل تیر ہوئی حیران کو ملاقات کدھب
دکھ اس سے کون کہے، تابِ التماس کہاں ہوا ہے اب تو نے دوستوں سے رابطہ لے لکھیا بھن گیا، کب تک کرو گے ہلے بیداری	دل کے ہے ہوش بجا، دل کدھر، عاں کہاں! تمہیں اب آنے کی فرصت ہمارے پاس کہاں اُنھوں میں ہی جہاں سی، یا کہ یہ اُنھ جانے بیداری
کل کہا میں نے میرے گھر چلنے سن کے تیوری بدل لگا کھنے مجھ کو کتنا ہے، میرے گھر چلنے	اس میں کچھ کم نہ ہو گی محسبِ بوی ترسم در ادب تو سب ڈوبی دیکھو اختِ ملاط کی غوبی،

۵۔ حسرت

حسرتِ تخلص، ہیبتِ قلی خاں، نقبِ سناکنِ عظیم آباد کے، شاگردِ میرزا جان جاناں نظر کے تھے۔ چند روز انہوں نے رفاقتِ نوابِ شروکتِ جنگ کی، کہ خلفِ نوابِ صولتِ جنگ

ناظم رکنہ کے تھے، کی ہے۔ اور کچھ دنوں ان کو خدمت عرض معروض کی نواب سراج الدولہ لکھنؤ
 بنگال کے حضور میں بھی ہے۔ یہ شہنشاہ گیارہ سو پچانوے ہجری کے اندر نواب مبارک الدولہ
 میر بہار علی خاں بہادر صوبہ بنک کی رفاقت میں نہایت عزت اور پریشانی کے ساتھ اوقات
 بسر کرتے تھے۔ بشہنشاہ بارہ سو دس ہجری میں اس کے فانی سے سفر کر گئے۔ بڑے ہی لطیفہ
 گو اور حاضر جواب تھے، بذلہ گوئی اور علم مجلس میں انتخاب تھے۔ قریب دو ہزار بیت کے دیوان
 اس عالی درو مان کا ہے۔ یہ انتخاب ان کے دیوان کا ہے۔

رات کا چہ ہوا یہ خواب سر	دل گیا صبح آفتاب مرا
یتیم کو چہ سے باز نہیں آتا	یہ دل خاناں خسراب مرا
نہ جانوں کرے کیا خانا کا لگنا	دل لہو پانی کرتا ہے یہ پان کھانا
عجب طبع کا خشتِ حسرتِ ٹھانا	دل کبھی اُس کے کو چہ نہ آنا نہ جانا
بسکہ دُکھ دیتا ہے میسر دل کو وہ بدخو مرا	دل کل نہیں پاتا ہے مارے درد کے پہلو مرا
دل ہوا غم میں آب کی سی طرح	دل پر چلے ہم شراب کی سی طرح
ہاتھ میں جام لے ملا مجھ سے	صبح کو آفتاب کی سی طرح
پچھانیں مشکِ گلگوں کس طرح کا !	دل گریباں ہو رہا ہے جا بجا سنس
اشک پر اشک چلا متصل آدے باہر	دل یہاں تلک دئے آنکھوں سے دل آویزاں
بعد مرنے کے ہماری خاک کو برباد کر	دل دے بگولے کو کہ لے مجھوں کا گھر آباد کر
ترے جمالِ جہاں گیر سے بنے کیوں کر	دل میں ایک تیرا دیوانہ، ترا ہزار میں دل
زلفِ دینچِ یارِ دیکھتا ہوں	دل کیا نیسل و نہار دیکھتا ہوں
پھر یار سے ان دنوں میں بارے	دل صحبت کو برا کر دیکھتا ہوں

آپ ہی اپنے یا رتھے، جانائیں	دل	خیر میں میرے تھے پہچانائیں	
ہرم نہ ہوں، تو ہو، تو جس طرح کریں	دل	شع ہے محفل میں ہر وہ نہ نہیں	
کعبہ بھی ہم گئے، نہ گیا ان تو کھا شمس	دل	اس درو کی خدا کے بھی گھر میں دہائیں	
مر گئے انتظار کے ہاتھوں،	دل	کیا کہیں! اپنی بار کے ہاتھوں	
پھر سچا دی کرے تو اٹھیں		سو کہاں روزگار کے ہاتھوں	
فر باد سے ہمسری کرے کون	بہی	سر کس کا پھر ہے یوں مری کون	
چل کشمکش جہاں سے حسرت		ہوتا رہے نت در سپرے کون	
سدا بارش ہی میں رہتی ہیں میری چشم تر سداں	دل	تو ایک دو دن برس کو ہم سے آسکتا ہے سداں	
اڑا دے اے دوسرے! شورش سودا سب ڈرکو	دل	بہار آتی، تو کیدھر دیکھتا ہے، چوںک دے گھر کو	
مجھے افراط رقت میں بجا نہیں بات کر آئی	دل	کر کر سکتا نہیں ڈوبا ہوا قفسہ ریا پانی میں	
سنا ہے آج بچانہ میں جام مے پستوں نے	دل	نسا یا دین دو دنیا دونوں جہت اس کو کہتو میں	
ہم دعاؤں کے نہیں عشق میں گھر جلتے ہیں	دل	اس محبت میں پرند دل کے بھی پر جلتے ہیں	
دیکھ اس لب کو ترے، آگ ہیں بل دیا قوت		تیرے ان دانتوں کی جھلکی سے گھر جلتے ہیں	
ان قنگوں کی میں حسرت پر سوجاتا ہوں		بے کلیجہ ہیں یہ کجبت، قہر جلتے ہیں	
تو جو لب گرمیاں کرتا ہیگا مجھ سے ہر دم		دیکھنے والوں کے حسرت سے جگر جلتے ہیں	
نہ جی لگایو اس سے جو درد مند نہ ہو	دل	کسی کا دل کسی ظالم کے پاس بندہ ہو	
گو دل بروں کے ماہ سے بخ پر نقاب ہو	دل	پوشیدہ ہو سکے ہے جو کوئی آفتاب ہو	
لب بام آکے یہ تیرا کھرے رہنا تو آفسر	دل	سو اینی نہ پو گیا آفتاب آیا، قیاس سے	
دراغ دل بھیسہ تازگی پہ ہوئے	دل	اب شگوف ہمار کرتا ہے	
تراخو درمے عجز کے مقابل ہو	دل	اُصر ہمار، ادھر ایک شیدہ دل	
پلا شرب، ہوئے شرب آب کی ہو	دل	گمشادی اپنا بھگڑا کھڑی دکھاتی ہو	

لے اڑا کام اپنا پروانہ	دلہ	ہائے ہم بال و پر نہ رکھتے تھے
جیسے بھٹکے پھر کئے حسرت		یاد کے دل میں گھر نہ رکھتے تھے
قص ہی میں ہیں رہنے دے میناؤ	دلہ	کہاں اب ڈرکیں جب بال و پر گئے
تجھ کچھ بھی ہے حسرت منکر دل کی		کہاں کھویا اُسے تو ہائے گھر گئے!
نامح عبث ستاست، ہیں مبتلا کس کے	دلہ	کچھ دل بھی گیا پھر ہے ہر، پھیرے کر کیا کسو
یہ گل ہزار اپنے جانے میں پھول نیچے		ویسے کھلے نہ دیکھے بند قبا کسو کے
جدائی کی ہوا دہک گئی اب آگ سینو کی	دلہ	لگے اڑنے بیوہ کے آہ کے کیا طح جینے کی
تا شاہ کا یہ سکر حال جیسے نہ گیا	بہی	جی تک میں دیا، مال جی سے نہ گیا
یہ لوح مزار پر جاری لکھنا		سہم گئے، پہ تراخیل جی سے نہ گیا
زاہد جو نہیں ہے یہ سکر دل سے آگاہ	بہی	کستا ہے کہ کافر ہے تو اسے روئے سیاہ
ہوں جس کی پرستش میں کسوں کیا یاد		آتا ہے وہ بت، دیکھو اللہ! اللہ!
کب شہر کو چھوڑے، جو سیانا ہوگا	بہی	صہر ا دیکھے گا، جو دوانا ہوگا،
ہم دونوں میں سیر کر کے دیکھا حسرت		رہنا تو وہاں، جہاں کہ جانا ہوگا
میخانہ میں کیا پھرے ہے مشکلی مشکلی	بہی	زاہد و اعظ سے دور، بھٹکی بھٹکی
قامنی سے ڈسے نہ محتسبے ہرگز		یہ دختر رز ہے، جس سے اٹکی اٹکی

۶۔ حسن

حسن تخلص، خواجہ حسن نام، متوطن شاہ جہان آباد کے، بیٹے خواجہ ابراہیم بن غیاث اللہ بن محمد شریعت بن ابراہیم کے ہیں۔ جو کہ مشہور خواجہ کہا ر کر کے تھے چشتی اور ساکن پہاڑ گنج ہیں۔ بڑے ہی لطیف گو اور بذلہ سخن ہیں۔ علم موسیقی ہندی سے بخوبی ماہر، اور استعداد اس علم کی ان کی تصانیف سے ظاہر علم نجوم میں بھی دخل بھلا چکا رکھتے ہیں۔ اور فقہ و درویشی میں

تو ادا لکھو معتقد رہا رکھتے ہیں۔ علوم متداولہ سے بھی خوب آگاہ ہیں، خصوصاً علم تصوف کے بادشاہ ہیں تو سل سموت دنیا میں ان کو ذنب سرفراز لعلہ میرزا حسن رضا خاں سے ہے، اور ہیں طاقت و تلیک جان سے ہے، بخشی نام لیک رنڈی ارباب نشاط سے ہے، اس پر مرتے ہیں ماحد اکثر نام اس کا مطلع میں غزل کے داخل کرتے ہیں۔ زبان ریختہ میں صاحب دیوان ہیں کچھ اشعار منتخب ان کے لکھے گئے یہاں ہیں ۔

<p>دل کی دھبے پہ ہوتے نہ پذیرا دیکھا شدت گریہ سے، لے خاک نہ سوجھا، دیکھا ایک عالم نے آپ کو گھورا دیکھا کیا غضب ہو گیا گریں نے بھی دیکھا دیکھا</p>	<p>حل دل اپنا میں ہر ایک سے کھوا دیکھا وقت نظارہ نہ رو، کستے تھے اے چشم تجھے گھورتے ہو مجھے کیا تھرکی آنکھوں سے تم دیکھنے سے مرے کا ہے کو غضب ہو تھر</p>
---	--

<p>کب میرا یہاں کام اتام ہوگا اس آغاز کا کیوں کہ انجام ہوگا تو مینا د! بگڑے ترا دلم ہوگا خدا جانے کب دل کو آرام ہوگا تو اس میں متھارا بڑا نام ہوگا</p>	<p>تب اس حیلہ گر کو نہ کچھ کام ہوگا یہی شور و شیشِ عشق ہے تو اٹھی ! رہی بے قرار سی اسیر دل کی یونہیں سوئے ہم تو، پر بے قرار سی وہی ہے اگر نزع سے جان بخشی حسن کو</p>
--	--

<p>کسی کے دل کو جو خوش کرو گے خدا تیار بھلا کرے گا</p>	<p>جو بندہ خانے میں آئیے گا، فقیر تم کو دعا کرے گا</p>
--	--

<p>پھر یہ جلوہ نہ کسی عود پہی کا دیکھا یہاں تب تئیں آخری ہوا کام ہلا خانہ ماتم میں ہو پڑے سے زاری پیر مرے ساتھ بکتا ہے، عاقل کو دیکھو چلو راہ رو، اپنی منزل کو دیکھو</p>	<p>عالم اس حور کی جو جلوہ گری کا دیکھا پہنچے دہاں کہ جب تئیں پیغام ہلا حل دلاسوں سے کو ہے آہ ذرا سی پیر بھلا میں دوانہ سہی، پھر یہ ناصح یہاں تھک کے بیٹھے ہو کیا راہ میں تم</p>
--	---

<p>اے لب یار سیٹھا ہوتا</p>	<p>مک جلا دے ہمیں گویا ہوتا</p>
-----------------------------	---------------------------------

<p>پر جو تو بھی کہیں میرا ہوتا جب توے دھڑکے کو فطرت ہوتا قطرہ کیا ہو دے ہے دیا ہوتا عین خلوت میں اکیلا ہوتا موند لے آنکھ کو تنہا ہوتا دل دریا ہے کہ جوش مارتا ہے دل صورت اسی بہانے دکھلاتا ہے دل یہ بھی سرکار کی کرم بخشی</p>	<p>میں تو سب طرح سے تیرا ہوں کیا ماؤں تب وعدہ فردا کے یار اے مے اشک سر مڑ گاں پر تو دھونڈھے ہے حسن خلوت کو سر گریباں میں جھکا دل میں بیٹھے چلنے سے کب اشک مارتا ہے اگر لڑتے قل ہی کر جائے مجھے غم نے ایذا جو اے صنم بخشی</p>	
<p>دل نہ تھی وہاں خبر سپہی تن بدن کی تو ہونے سے جان بخشی حسن کی دل بیاں دل جلایا، اد وہاں تاشیہ کچھ نہ کی موجب تمہارے قول کے تیر کچھ نہ کی تقصیر یہ ہوتی، کہ میں تقصیر کچھ نہ کی اب اس کی جان بخشی کی تدبیر کچھ نہ کی دل سادہ کی جھڑی دیدہ گرین لگاؤ اور رنگ و سرمے ذرا سان لگاؤ اُس بت کا مجھے آٹھ پھر دھیان لگاؤ</p>	<p>دل حقیقت کہیں کیا ہم اس اکس کی اگر جاں کنی میں وہ جاں بخشی آوے یہ تو نے مجھ سے نالا شکیبہ کچھ نہ کی کیوں تم خفا ہو، کہ میں کسی بات پر مایل کچھ اور تو ہوا نہیں ہی ساری عمر میں مترتا ہی جاں کنی میں حسن ہیفتا تنے رات دل نمک اپنا یہ روئے نہ اگر دھیان لگاؤ شیر نگر تیز ہے آگے ہی، جو چاہے دن رات مری تجھ سے دھڑکے ہی یاد بیا</p>	
<p>دل پر نمک ایسا ہو کہ یہ دل تملانے سے رہے بے سبب اب آپ جو ایدھر کے آنے سے رہے آؤ تو سب یک طرف، منہ بھی دکھانے سے رہے دیکھ تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے</p>	<p>دل کب میں کہتا ہوں کہ میری جان جاننے سے رہے ہم نے ایسی بھی تو کچھ چوری نہ کی تھی آپ کی آؤ کس کس بے وفائی کا میاں کیجے شہد اُس نے کس کس طرح نالہم کو اپنے دے سے رہے</p>	

۷۔ حسن

حسن تخلص، میر غلام حسن نام۔ شاہ جان آبادی۔ بنیا میر غلام حسین صاحبک تخلص کا، ابھی
 میر امای ہروی کے دلی کے پرانے شہر میں بودہ باش رکھتے تھے مہر سن سے ولرو لکھنؤ میں
 نواب سالار جنگ اور خلف ان کے میر نواز علی خاں مر در جنگ کی رفاقت میں اوقات انہوں
 نے ساتھ عزت اور غربت کے بسر کی ہے، اور اصلاح سخن کی میر ضیاء الدین ضیا تخلص سے لی ہو
 اقسام علم سے توجیع علوم میں انہیں اقرار بھی ملانی ہے، ہاں مگر اشار میں ان کے البتہ ایک
 صفائی اور روانی ہے، قریب آٹھ ہزار بیت کے انوار نظم میں دیوان ان کا ہے، اور ایک
 تذکرہ بھی ہندی گویوں کا زبان رنجیت میں لکھا ہے۔ بے نظیر اور بدر میر کے احوال میں کیا
 خوب مثنوی لکھی ہے، اور مشہور بارہ سو پانچ ہجری میں سیر و فضلہ رضوان کی کی ہے۔
 یہ اشعار منتخب دیوان ان نیکو کردار کے ہیں +

گنجیدہ تم کچھ تری وحدت کے بیاں کا	دلہ	تو چاہئے غامد بھی اُسے ایک لفظ کا
چھوٹا نہ وہاں تغافل اس اپنے وہاں کا	دلہ	اور کام کر چکا یہاں یہ خط طر کا
نہ بتی تھیں تیں، نہ تھمتے تھے آنسو	دلہ	حسن تجھ کو کیا رات غم تلک کی کا
ایسی ہی! باتیں اس بیوقوف نے چھیریں	دلہ	رونے ہی روتے جس میں جھلنا
کچھ تو صد ہی آہ: نہ خاک بھی، نہ جو	دلہ	آدھ کو لگ رہا ہو حسن گوش نقش کا

اس شیخ کے جانے سے عجب حال ہو میرا	دلہ	جیسے کوئی بھولا ہوا پھر تا ہے کچھ ایسا
چھوڑ دے کوئی کسی کیلئے جس طرح سے کچھ	دلہ	ہم نے نہشت میں تری کون نکال پھوڑا
اپنی جال نہ لے اور کہیں مجھ کو کیسا	دلہ	تیری خاطر سے میں آتا ہوں نہیں مجھ کو کیا
وہ ملک دل کہ پنا آباد تھا کھو کا،	دلہ	سو ہو گیا ہے تجھ بن اب وہ مقام جو
دیں مہرے اٹھنے کا حسن کا بی نہیں	دلہ	پاؤں دیوانے نے پیسہ لایا، بیاں لکھ کر

اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے، تو کیا	دل	ہو چکی دیاں بہار ہی آخر
اُس شمع نے بھیجے کاسے مگر تیرا پر	دل	جاتا ہو جو دل کا سرخ پھر ہوا پر
دیکھا جو دیاں اُس کو، گان سحر فگیا	دل	آئے نہ ہوئے لکاش کہم کو تیرا تک
آن کر عکسہ دہریں جو بیٹھے عزم	دل	شمع ساں اپنے تئیں آپ ہی رو بیٹھے ہم
اس کی جب بزم سے ہم ہو کے تہنگ آئیں	دل	اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آئیں
خُن میں جب تیں گری نہ ہو، جی دیو کوں	دل	شمع تصویر کے کب گرد تہنگ آتے ہیں
اپنے دل سے تو کبھی ہم ترا شکوہ نہ کریں	دل	ہو کر آرزو تم ایسے ہی تو بولا نہ کریں
ترسے بن باغ میں جس وقت غم جو دل کھلتی ہیں	دل	خراش ناخن غم سے جل کے زخم پھلتے ہیں
ذلیل اس طرح منہ پر زلف کو کچھ اکراؤ قالم	دل	ذرا اٹھ بیٹھ تو اس دم گرد و دودھ آتے ہیں
سے منہ دل کی جو زلفوں کے گیا پرے میں	دل	شب کو کیوں نکلا اکیلا، بچھنا پر یوں
کتا ہو تو کتنے سے میں ہی نہا جتا ہوں	دل	تو بھی کہیں ہو جتا ہیں یوں ہی جاہتا ہوں
مجھ پر ہی تیرا یہ ستم و جور کچھ نہیں،	دل	لیکن ترا ہر ایک سے یہ طور کچھ نہیں
روٹھا کرے وہ کیوں نہ کسی اندر حسن	دل	یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے، اور کچھ نہیں
صیتا کی مرضی ہو یہ اب گل کی ہوس میں	دل	نالے نہ کریں مرغ گرفتار قفس میں
وہ اور زمانہ تھا کہ غو بان میں متی الفت	دل	ایسا نظر آتا نہیں اب ایک بھی دس میں
دم رکتا ہوا آتا ہو لب تک ترے غم سے	دل	حقے پڑے ہیں بیکر مے تاغز میں
دل اپنا اسی باتوں کو اٹھ جاتا ہو تجھ سے	دل	جا بیٹھے ہو قول کے جو ہر ناک دس میں
تیرے ہنہام کو جب کوئی کاسے جو کہیں	دل	جی ڈھک جاتا ہو میرا کہیں تیری نہ ہو
غیر کو تم نہ آکھو بھر دیکھو	دل	کیا غضب کرتے ہو اصر دیکھو
دیکھنا زلف و رخ تہیں ہر وقت	دل	شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو
اکنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گندتی	دل	پرایک بیان تو جو جس بن نہیں گندتی

جان و دل ہیں اُداس سے میرے	دل	اُٹ گیا کون پاس سے میرے
ساتھ دیکھوں ہوں کسی کے جو کسی دہس کو	دل	میں بھی جی رکھتا ہوں مجھ کو بھی ہوس آتی ہے
کیا چھیتے ٹپوچے ہے کہ گھرتی راہیں ہے	دل	کنے کو تو گھر یہاں ہے، اپنی اپنا دیں ہے
سیر ہے تجھ سے مری جان جو جس کو چلیے	دل	قوی جب ساتھ نہ ہو دے تو کدھر کو چلیے
جب میں چلتا ہوں تیرے کوچے گھر کے کبھی	دل	دل مجھے میرے کہتا ہے "ادھر کو چلیے"
غزنی عشق سے ہیں سب جو ورتا رہے	دل	ایک آواز پہ دوساز کے ہیں تار رہے
دن توقع ہی توقع میں کہاں تک گندے	دل	مر گئے مجھ میں، بس اب تو کہیں رہے
جی تو ایسا ہی غنہ تھا کہ نہ ملے گا کبھو،	دل	پر ترے ہنس کے لپٹ جانے میں تار رہے
گر بخت اپنے جاگیں تو اک کام کیجئے	دل	سایہ میں اُس کی زلف کے آرام کیجئے
اب میں بھی بے قرار ہی پر اپنی لیاقت	دل	بس خیر! آپ شوق سے آرام کیجئے
بھولے سے نام لے کے مرا ہٹ بتا گیا	دل	پیار ی لگی یہ مجھ کو تری بات سچ کی
کئی دن تیرے چپ رہتوں شک انکھوں کے برائے	دل	غل غریدہ رو گھر سے کہ عالم خوب تر سائے
تو ہر چند دل تیرے بھی کچھ سخت تر سا ہے	دل	لیکن سخت اگر کہئے، تو کب میرے جگر سا ہے
گریباں ہلک امد خاموش مجھ کو دیکھ کہتا ہے	دل	تو کہوں کیا بات اس سے، یہ تو کچھ دیورہ سا ہے
رہنے نہ دے گا اُس بن یہ دل تو ایک دم بھی	دل	کیوں روئے کر ہم اپنا کٹھنیں عبث بھر بھی
دریا میں ڈوب جائے، کہ یا چاہ میں پڑے	دل	اے عشق پر نہ کوئی تری راہ میں پڑے
آجا کہیں شتاب! کہ مانند نقش پا	دل	نکلتے ہیں راہ تیر سی سر راہ میں پڑے
یوں غیسر کچھ نہیں، تو بلا کو بُری لگے	دل	تو کچھ نہ کہ، کہ ہم غسار کو بُری لگے
کیا ہنسنے اب کوئی اد کیا رو سکے	دل	دل نکالنے ہو تو سب کچھ ہو سکے
رہے جس میں غلہ سدائیتی کا	دل	بس اے زندگی! ایسی ہستی سے گندے
انکھوں کو اُس کی دیکھا تو ہستی نظر پڑی	دل	پھر ساتھ اُس کے مادہ ہستی نظر پڑی

<p>باسے وہ لچ آیا تو بستی تفسر پڑی انصاف کرو، چاہئے یہ یا نہ چاہئے، تجھسا جو مجھ کو چاہے، تو پھر کیا نہ چاہئے رہتے ہیں ہم وہاں روزِ انزل ہے تنکے</p>	<p>سارا جہاں حساب تھا اکھنوں میں تجھ بغیر جو چاہے آپ کو تو اسے کیا نہ چاہئے مجھ سے لئے تجھ کو چاہا تو چاہا عجیب نہیں مڑھاں سے جھانٹتے ہیں جو اس گلی کے تنکے</p>
<p>چاہت میں کسی کی ہیں، نہ نیراری میں سو یا اکوئے ہیں عین بیداری میں ہر لحظہ نیا شوق دلا جاتے تھے اب تک تو کئی بار تم آ جاتے تھے</p>	<p>دنیا واری میں اہل نہ دیں داری میں حسرت کدہ دہر میں قصیری کی طرح ہر آن میں آپ کو دکھا جاتے تھے کہیں دیر لگی ہے، کس نے نہ کا تم کو</p>
<p>مثنوی درجو لکھنؤ و قسریہ فیض آباد۔</p>	
<p>زنا سے ہر مہرٹ رکھتا بہانا کہیں اونچا، کہیں نیچا ہے رستا کسی کا جمونہز تحت اثری میں سا سکتا نہیں جو خیر کا دم بغل میں طبع زنگی کی بجھے ہے ہر اک گھر غن کا سادل یہاں ہے پڑے پٹی کا تیل جیسے نظر میں کہ ہے اس گھر کی بھائی کا وہ نا ہٹی بنیا و بعد اس کے جلاں کی ولیکن مثل زلف زشت و بیچ رُکے دم، اہل اُس کی جان نکلے پھر سے گلیوں میں مگر انا وہ دور</p>	<p>نہیں یہ لکھنؤ، ہے یہ زانا زبیں یہ ملک سے پتھر بہ بتا کسی کا آساں پگھلے ہو یاں زبں گھبان ہے یہ شہر باہم سیہ گیل سے گلی یوں تر ہے ہر فراخ سے یہاں کس کا مکاں ہے کنوں بی ہوں پھر اس تنگ گھر میں کنوں کتنا اسے ہے محل سے ہر کہوں کیا میں قلمت اس مکاں کی ہزاروں ماہ اس میں بیچ و بیچ جو اس کے زیر سایا آن نکلے جو کوئی رات کہ ہوئے یہاں گھر</p>

نہیں امکاں جو گھر اپنا وہ پاوے
 زمیں کو دفن سے یہ شہر ہم صدد ہے
 چھٹے ہے گو متی جب گرد آکر
 رکھے ہے پار ہو سکنا تب امکاں
 سو سے قندیاں دیکھا نہ کچھ لود
 چلا میں یہاں سے دل اپنا اٹھا
 مجب مسورہ آباد پایا،
 کھلا بازار اور رستہ کشادہ
 دور رستہ راستے میں تنارتا
 وہ جی ہے شہر کا ترپو لیا یوں
 ادھر کو جو ہری، اودھر کو برتار
 روپے اور ہش فی دیکھے برستے
 فیض پتی اور فالودے کا عالم
 ملا شربت میں جو اس کو تلوے
 ملائی دودھ کی دیکھو تو گویا
 بلندی پر ہے حلوائی کی دکان
 دھری ہیں گولیاں اور یوں اندر
 منٹھانی کی کرین تھریٹ تاجند
 منبر ہوں خانگی اور کسی آکر
 چمک و من کی دکھایوں چلے ہے
 وہ سبز کان میں نیب بنا گوش

بلا خورشید کو جب تک نہ لاوے
 اگر شیعہ کہے نیک اس کو سپہ ہے
 جناب آسا ہے پھر تین سب
 پڑھے جب آدمی پر آدمی یہاں
 سو ہے روپوش وہ بھی دیکھ یہ طور
 کہ کیجیے سیہ فیض آباد جا کر
 مثال محل ہر اک دل شلو پایا
 بیاض جب دلی جیسے ہو سادہ
 کسی سنیق تک دیکھا ہوتا
 کہ جیسے تین روجیں جم میں ہوں
 ادھر صراف، اور ادھر طلا سنا
 دیئے تھموس پہول زنگ کے دستو
 کہے تو چاند اور تارے ہیں باہم
 شبہ کہ کا سما پانی میں پاوے
 اسی میں مال حلوائی نے کھویا
 ستارے گرد ہیں جیسے پلھان
 کہ گویا چاند اور تارے ہیں ہرے
 قلم کی ہو گئی اب تو زباں بند
 کریں ہیں سیہ لالہ دل نگار
 کہ بجلی اپنے ہاتھوں کو ملے ہے
 کہ جس کو دیکھ طوطی کے اڑیں ہوش

شعل اس کی یہ اور منہ کا پسینا کوئی کرتی تھپن جالی کی سادہ کیا اس دامن میں تکر کو یوں مید مسافر اس طوفان آن نکلے	ہے گویا پھول پر شبنم کا مینا گریباں کو کئے چھاتی تک کسا دہ سہ کے ہوں گریباں میں ہر خوشید نہ نکلے دہاں سے غیر از جان نکلے
--	---

باب الحاء ۱۔ خاکسار

خاکسار تخلص، محمد یار نام، شاہ جہان آبادی، قدم شریف کے خادموں میں سے تھا، بڑا ہی شاق
زبان ریختہ کا۔ ہمیشہ تھمتی میر تخلص سے نوک جھک کرتا رہا ہے، اور ان کے اشعار میں مشاعروں
کے اندر اکثر تحریف کیا گیا ہے۔ صاحب دیوان اور شاعر خوش بیان تھا۔ علی ابراہیم خاں مرحوم
نے لکھا ہے کہ شعر اس عزیز کے میسر نہ آتے تھے، اس جہت سے اشعار اس کے دخل
اس تذکرے کے کمتر ہوئے ہیں۔ یہ اشعار طبعاً داس کہن استاد کے ہیں +

تھا زلیخا کو جہاں سے مرگن خان عزیز کل مجھے قتل کر اس دشمن دہن کا ذرے کیوں نہ مصحف دہان کو مجھ کو زیاد خاکسار پوش سے بھی دیکھا ہے تیرا مزاج	ہم نے بھی تجھ سے تو بے ہر نہ کی جان عزیز بول لا لوگوں سے یہ تمہارے مسلمان عزیز کس مسلمان کو نہیں دین اور ایمان عزیز آپ میں آؤ، اپنے تئیں پہچان عزیز
دل شیفہ کر کے کیا لیا تو تیری زلف سیہ سے اے پیار کا	دل اے خانہ خراب کیا کیا تو مجھ کو یکسر برباد سوواسے
قیامت بھی ہوگی تو میری ہاں سے	دل مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے

روئے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی وہ اس خانانِ خراب کو چھپکا خدا کرے !
کیا ہے مائل تجھے ناصر مرے جھانے سے وہ آہ اجڑی شمع ہے راحت مجھے جل جلتے سے

باب الدال

۱۔ درو

درو مقصود خواجہ میر نام۔ متوطن شاہ جہان آباد کے، خلف العندق حضرت ناصر دہلوی کے ثبات قدمی میں اس قطبِ آسمانِ استقلال کی، اور زاویہ گزینی میں اس مرکزِ ابرو فضل و کمال کی نقل مشہور ہے، اور زبانِ نرو جہور ہے، کہ جس ایام میں معمرہ شاہ جہان آباد کا، اور ہر ایک کوچہ اُس غبتہ بنیاد کا، مجمعِ اہل کمال سے اور کثرتِ خنبانِ عظیم الشال سے، رشکِ ہفتِ تعلیم اور غیرتِ جنتِ نعیم تھا، تو معموری پر شہر کی عرصہ ربعِ مسکوں کا تنگ، اور وہ خراب آباد تشبیہ سے ہفتِ تعلیم کی تنگ تھا۔ جبکہ متواتر نزولِ آفات کے باعث، اور مکرورِ دہلیات کے سبب خراب ہوا، اور مصدِ عقوبت و عذاب ہوا، تو ہر ایک درویش گوشت نشین نے، اور ہر ایک صابرِ خزاویہ گزین نے، اور ہر تو انگریز نالہ رستے، اور ہر امیرِ عالیِ مقدار نے، فرار کو غنیمت جانا، اور بھاگے اور کھو جھڑ پایا ٹھکانا۔ مگر وہ سید و لاتبار، کہ نام نامی اُس کا خواجہ میر تھا، اُس قطبِ آسمانِ استقلال نے خیال بھی جگے سرکنے کا نہ کیا، تحملِ بلاؤں کے اور حالِ جفاؤں کے ہوئے، اور شاہ جہان آباد کو چھوڑ کر ایک قدم اپنے کنجِ عزلت سے نہ گئے۔ اگر شیخ فرید شکر گنج اُس کوہِ تحمل کو دیکھتا، تو چاشنیِ فقر اُس کی حیران ہو کر مانندِ شکر کے انکشتِ تیج کو کاٹتا۔ اور اگر سید حسین خٹک سوارینچ اس عرصہ کے ہوتا، تو زینِ پوشِ خدمت کا اُس کے کاغذ پر پڑال کے دھڑتا۔ غرض اس مجمعِ فضل و کمال کی التفاتِ طبیعتِ دلفِ نظم کے ذواصلے شہرت اور نام کے بلکہ واسطے گرلنے اور دلاںِ خام کے ہے۔ اُس شہسوارِ معرکہ مخموری کے تو سنِ تندِ خرامِ حلم نے پیچِ قلم و معنی آفِ زینی کے ایک گام بے راہی نہیں کی، اور اُس یکتا و عرصہ معنوں

تراشی کے ست رنگ آسمان سیخام سے بیچ میدان بلند مقامی کے ایک قدم کوتاہی نہیں کی تعجب نہیں ہے اگر اُس عندلیب گلشن معنی کے کلام معجز نظام کی تحریر سے صنو کاغذ کا ہر رنگ برنگ گل ہو، اور نغمہ زبان قلم کا ہم آہنگ صغیر بلبل ہو۔ اگرچہ دیوان ان کا بہت مختصر ہے، لیکن سراپا درد وار ہے۔ زبان فارسی میں بھی اکثر غزلیں کہیں ہیں سچ تو یہ ہے کہ وہ بھی خالی کیفیت نہیں ہیں۔ رابعیوں کی طرف مسایل تصوف میں فطرت طبعیت آئی ہے، اور شرح بھی اُس کے شکل مقاموں کی آپ ہی فرمائی ہے۔ طریقہ فقر میں بہت بڑے کا سب اور شامل تھے، اور راوی طرقت کے طلبوں کے واسطے رہنمائے کامل تھے۔ ۱۲۰۰ء باہر سودو بھری میں اُس بلبل گلشن آرزو نے دام ہستی سے نکل کر شاخسار کو جہنمِ حرم کے آباد کیا ہے۔ یہ منتخب ان کے دیوان کا کچھ

مقدور کے ہے ترے و صنوں کے قرم کا بستے ہیں ترے سایہ میں شیخ و بزمین ماندہ جاب آنکھ تو اے درد کھلی تھی اہل زمانہ آگے بھی تھے، اور زمانہ تھا باد نہیں ابھی تجھے غافل چہنقریب	دل	حقاک خداوند ہے تو لوح و قلم کا آباد بھی سے تو ہے گھر دیر جسم کا کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی حکم کا براب جو کچھ ہے، یہ تو کسی نے سنا نہ تھا معلوم ہو دے گنا کہ یہ عالم فناء تھا	دل
ایک بیک نام نے اٹھا میرا مقل و گلزار خوش نہیں آتا	دل	جی میں کیا اُس کے آگیا ہوگا بلغ بے یار خوش نہیں آتا	دل
جاں پہ کیلا ہوں میں، میرا جگر دیکھنا تو کرو فانی کچھ اُس سے کہ واقف نہ ہو باہر نہ اسکی توفیق خودی سے اپنی جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف رہا ہم نے چاہی، پر اُس کو چہ سکایا دیکھا جہنم میں صبح کی کتنی تھی ہو کہ چشم تر شبنم	دل	جی نہ رہے یا رہے، مجھ کو دھر دیکھنا کہتے ہو کس سے یہ تم ٹمک تو دھر دیکھنا اے عقل بے حقیقت! دیکھا شعور تیرا جی میں سارا ہے از بس غور و تیرا دل سے جو نقش قدم دل کو اٹھایا نہ گیا اتھار بلغ گویوں بھی رہے، لیکن کدھر بنم	دل

۲- وردند

<p>ایسا اچھا قہدت کا صلغ نے چوم یہی تھا ہمارا و تیرا قرار فراموش کرنے کی یہ فصل تھی؟</p>	<p>اس کی خوبی کی ازبک و صوم ارے ساتی اے جانِ فصل ہمارا ہمارے پہنے کی فیصل تھی؟</p>
--	--

تری جان کی سون غنیمت ہوں میں
 مری عقل میں کون انباز ہے
 فلک چنچ مارے گا گرمہ ہزار
 نظر تو کرو ملک چمن کی طرف
 چمن میں بھرا ہے نشہ یاں تلک
 تجھے جان گل کے لہو کی قسم
 تجھے جام کے چشم تر کی قسم
 اداسے لیکنے کی تجھ کو قسم
 تجھے جام صبا کے سر کی قسم
 تجھے ناز مستی کی اپنے قسم
 قسم ہو تجھے بے سبب جنگ کی
 ارے بے وفا ہے مروت صنم
 تجھے دختر زکی حسرت کی سوں
 تجھے دھند کر قبول جانے کی سوں
 تجھے ناتواؤں کی طاقت کی سوں
 شب عید کے تجھ کو چاؤں کی سوں
 جو تونے کیا ہے کو مجھ جیسے لرم
 کہ تو سرکشی سے نہ کر پانال
 تجھے رحم مجھ پر کچھ آتا نہیں
 نہ توڑ آئینہ اپنے خدیار کا
 یقیں جانیو گردن ہو ایک آن

سلیقوں میں ظالم قیامت یوں
 ارسطو مراک دو اساز ہے
 نہ لاوے گا مجھ سا کوئی روبرو
 مشکوذا کو آیا ہے سستی سے کف
 کہ جاتی ہے نرگس کی گردن ٹھلک
 تجھے بلخ کے ننگ و بو کی قسم
 تجھے اپنی پہناں نظر کی قسم
 نشہ سے بسنے کی تجھ کو قسم
 تجھے اپنے مینا کے سر کی قسم
 تجھے خود پرستی کی اپنے قسم
 قسم ہو مے نام کے ننگ کی
 میں دیتا ہوں تجھ کو قسم پر قسم
 تجھے مغیچوں کی شرافت کی سوں
 تجھے اپنی سو گند کھانے کی سوں
 تجھے پتھاروں کی فرصت کی سوں
 تجھے اپنی مندی کی پاؤں کی سوں
 تو اتنا کر اے ظالموں کے امام
 مرے خون کو اپنے اوپر حلال
 مگر جیو نامی سرا بھاتا نہیں
 زیاں غوب نیں اپنی سرکار کا
 تری مسہر بانی کا مجھ کو گماں

نہل جائے سچی نائیدی کر ساتھ	تو صورت نہ پڑے ہماری حیات
اس دھڑکے سے جلتے ہیں سیمی میں باد	ہے غم سے رقیبوں کے مرادل ناشاد راہی
سنگ آیا دلیک سخت آیا فساد	ہر دیز کے شیشہ خاد عشرت پر

۳- دل

دل تخلص شیعہ محمد باہ نام۔ متوطن بلوچہ عظیم آباد کے بے نسل، اوس بے نظیر عالم محبت و وداد کے شیخ محمد روشن جوش تخلص بڑے بھائی ہیں، جن کی خوبیاں باب الحکم کے اند بیان میں آتی ہیں۔ غرض دونوں بھائی مسیندہ اطوار اور حیدہ خصال ہیں، طریقہ یک رنگی میں بے مثال ہیں یہ ابیات دل غراش اس اہل دل کی تلاش سے ہیں۔

تیری زلفوں میں پھندا دل ہی نصیر ہوئی	تقد جاں لیجئے حاضر ہے گنگار دل
تا لے ہی سدا بھر دل عمر کے بھرتے ہیں	ہیں نزع میں ہم تجھ بن جیتے ہیں شوق ہیں
جول آئینہ یہ ستم رسیدہ	بہتا ہے دماں آب دیدہ
تمہارے در پہ جو زبان نے آتیں پکڑی	بزرگ نقش قدم ہم نے بھی زیں پکڑی

۴- دیوانہ

دیوانہ تخلص، اسے شریف کھ نام، رشتہ دار راجہ مہاراجن کا تھا۔ نہایت بزرگوں اور وضع مغلیہ بہر تھا۔ دو دیوان زبان فارسی میں اس نے لکھے ہیں، اور اکثر ریختہ گو لکھنؤ کے مہر زاجر علی حسرت، اور میر حیدر علی حیران، اس کے شاگردوں میں سے ہیں بخند باہ

۱۵ مل کتابیں فرد کلام نہیں تھا معلوم نہیں مصنف ہی کو نہیں لایا جس نسخے ہم نے نقل کیا ہے اس کے کاتب نے چھوڑ دیا ہے یہ مندرجہ بالا چار شعر ہم نے، متن شعر، معنہ مضمرات متن سے نقل کیں۔

چاندی میں اچار گرم روی ساہ دم میں کی، اور آتش فنا پیکر و جو دو کونجی۔ غازی منقوش اس کا دس ہزار بیت سے زیادہ ہے۔ یہ ہندی اس کا طبع آہ ہے +

جس نے تب سننے تو کرتا ہے وہ اقرار ہے بزم میں رات بہت سادہ و پر فن چھوٹے دیکھ بیمار کو تیسے یہ طبیعوں نے کہا جان پر آجی ہم مری خاموشی سے جس کی خاطر کے لئے یار سب بغیر دل ہے کتری تیغ کے گئے ٹل نہ جا دسے یار کہاں کیا یار باشی کیجے ہلکے گوشہ میں بیٹھ کر دیوانہ تنہا	لفٹنگو ہم سے اُسے پر نہیں انکار بغیر گرمی بزم کہاں اُس بیت عیار بغیر تھو جلی اس کو شفا شربت دیدار بغیر بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب انکار بغیر کیونکہ دیوانہ بھلا رہے اب اُس یار بغیر رستم کا کیا جگر ہے جو زہرا چھل نہ جائے وہ بانی دسے وقت کہاں کن خوش معاشی کیجے اب ناخن غم سے دل خراشی کیجے
--	---

باب السین

۱۔ سَوَدَا

نام نامی اور اسم گرامی اُس شاہ بازعش پر واز معنی کامرزار رفیع ہے۔ متوطن دار الخلافہ شاہ جہان آباد کے۔ بیشک مقام اُن کی طبیعت خلک فرسا کاموافی اُن کے نام کے نہایت رفیع اور منیع ہے۔ روز تولد سے ساٹھ برس کی عمر تک دلی میں ساتھ کمال عز و وقار کے رہے، اور طبع رسا کی مربی گری سے انیس و چالیس سلاطین نامدار اور روزرائے عالی تبار کے رہے۔ اگرچہ

لے منصف جس خاص استقامت میں رہے سب شک و شبہ نہ کو استقال کو بیان کیا ہے، اُن میں ایک خاص جملک

ہائی ہوتی ہے، جو مصنف کی مرضی پر شعریں +

ذات اُس بچانہ رودگار کی کثرتِ اشتہار کے باعث مستغنی ہے تکیف سے غافل مدائح نگار کی، لیکن انصاف کہتا ہے کہ کچھ تھوڑا سا احوال اس متغنی الصفات کا لکھا چاہئے، مگر مذکور سے اُس شاہ بیتِ کلیات معانی کے، بیان کو ان اوراق پریشان کے، زیبِ مذینت دیا جاوے۔
 حقِ قویہ ہے کہ میرزا سے مذکور سرِ حلقہٴ مخموران اور سرِ آمدِ معنی گستران تھے۔ آشنائے معنی بیگانہ اور معنوں تازہ کے پیداکرنے میں بچانہ تھے۔ اقامِ نظم سے دیوان اس مطلع دیوانِ سحر بیان کا بھر ہے، اور افواجِ نظم کو کیا کیا زور و شور کے ساتھ بیان کیا ہے۔ خصوصاً طرزِ قصیدہ کو کس صفائی اور تحلف سے ادا کر کے اس طاقِ بلند پر رکھا کہ دستِ وہم نازک خیالانِ ہندستان کا اس کے خیال تک نہ جاسکا۔ آگ کو یاد میں اُس تیشِ زبان کے جہمِ شہسار سے جوشِ قطراتِ حرقِ اغفال ہے، اور پانی کو نجالت سے اس طبعِ روان کی خاک میں چھینے کا خیالِ زبانِ ہندی شریفِ ہمزبانی سے اُس کی مہرِ فراز، اور نظمِ ریختہ کو طبعِ معنی آفرین پر اُس کے گھمنڈ اور ناز۔ جب کہ بعدِ خراب اور دیران ہوئے شاہِ جان آباد کے نقل و حرکت کا اتفاق میرزا سے مذکور کو اس شہر سے ہوا، تو اُدھر شہروں کی یہ کہتے ہوئے آخرِ بلدۂ لکھنؤ میں طوشت کا کیا۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے بہت قدر و منزلت کی، اور چھ ہزار روپے سالیانہ کی جاگیر مقرر کر دی۔ چنانچہ بیشتر قصیدے نواب آصف الدولہ مرحوم کی تعریف میں کہے ہیں، اور کیا کیا ترقی تازگی کے ساتھ مضامینِ عالی باندے ہیں جب کہ سنِ شریف اس خضرِ راہِ سخن دانی کا ستر برس کو پہنچا۔ تو داعیِ اجل کو لبیک اجابت کہ کس سے جو دم سے پیا منزلِ عدم کا ہوا۔
 تاریخِ وفات اُس رفیعِ قدِّ محفلِ نکتہ دانی کی ہر ایک سخنِ سخن نے کسی ہے، لیکن یہ تاریخ اُس فرہاد بے ستونِ معنوں تراشی کے سنگِ مزار پر کندہ کی ہوئی ہے +

خلد کو جب حضرت سودا گئے	فلک میں تاریخ کے ماہر ہوا
بولے منصفِ دورِ گر پائے غلام	شاعرانِ ہند کا یہ سدا گیا
آغا باقر کا امامِ بارگاہِ اس محبتِ امام علیہ السلام کا مدفن ہے، سایہٴ قدومِ امام کے با	

اس گلشن بہار کی عجب دیر ہے لیکن سودا جو کبہ گوش سے بہت کے سنے تو جگہ تھی دل کو ترے دل میں اک زمانہ تھا جی مرا جہ سے یکہتا ہے کزل جاؤں گا لطف و اشک کہ جوں شمع گلا جاتا ہوں پھیڑت بادہاں کہیں جوں نہمت گل	جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں مضمون ہی ہے جس دل کی غزل کا مرے بھی شیشہ کو اس سنگ میں ٹکاتا تھا ہاتھ سے دل کتے دیا بین گل جاؤں گا رحم ای آہ مشرب بار کھل جاؤں گا پھاڑ کر کہے ابھی گھر سے گل جاؤں گا
---	--

۲- سوز

سوز تخلص، سستیہ نام، ساکن قراول پورہ شاہ جہان آباد۔ سید علی نسب، اودھ غنوی میں
استاد، طرز ادا بندی کے بادشاہ، اور صحت مضمون و دود آہ تھے۔ کلام ان کا سر سے پاؤں تک
سوز و ساز ہے، اور پاؤں سے سر تک نانو نیند شعر کے پڑھنے میں صاحب طرز خاص تھے، اور
ایشن محبت میں مایہ موزقت و اخلاص۔ حکیم تیراندازی اودھ کماں داری میں بہ شدت دل آشنا لکھتے
تھے، اور حسن شفیقہ نویسی میں نہایت دست رسا۔ ابتدا سے جوانی میں انہوں نے ساتھ کام دل
کے ایام زندگانی کو صرف نشہ بے خمار کیا، اور سزا اٹھا رکھیں جس جلوس شاہ عالم بادشاہ غامی
کے وارستہ مزاجی کی تخلیق سے لباس فقر اختیار کیا۔ لکھنؤ میں تشریف رکھتے تھے، اہم اوقات
ساتھ توکل و مقامت کے بسر کرتے تھے۔

۱۲۳۳ء بارہ سو بارہ ہجری میں مرشداً بادشاہ تشریف لائے، لیکن اطوار سکونت کے وہاں
کچھ نظر نہ آئے۔ اسی سال پھر لکھنؤ تشریف لے گئے، اور اس دار فناء سے راہی ملک بقا
کے ہوئے۔

علی ہر ایم خاں مرحوم نے گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ جس سال یہ تذکرہ میں لکھتا ہوں،
توسیر مذکور نے کچھ اشعار اپنے مع چند فقرہ نثر لکھ کر مجھے بھیجے تاکہ داخل تذکرہ کروں۔ چنانچہ لک

آؤ فقرہ میرے مذکور کی شکر کا بھی غان مذکور نے تذکرے میں لکھا ہے۔ ترجمہ اس کا زبان ریختہ میں اقم
 حیر نے اس طرح کیا ہے کہ جو شے حق جہاد تعالیٰ نے خلق کیا ہے، بلکہ جتنے غاروں میں، کتے ہی
 کام آتے ہیں، اور بندگان خدا ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر یہ سوز و غصہ ہے کہ کسی کو اس سے
 حلاوت حاصل نہیں ہوتی ہے، سوا سکوت اور کراہیت کے۔ سبحان اللہ! یہ بھی قدرت الہی
 کا انہارِ کمال ہے، کہ ایسی شے خلق کی جاوے جس سے کوئی فائدہ نہ اٹھاوے پس اگر کوئی
 منکر سوال کرے کہ ناکارہ غصہ تو نہیں ہے؟ فیہ تو اس لائق ہے کہ نام اس کا قابل جلانے کے
 ہے یہ غرض میرے مذکور صاحب دیوان میں۔ اشعار منتخب ان کے لکھے جاتے یہاں ہیں +

ابلیاں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا	ور	آہ یارب! رازِ دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا
دروے محروم ہوں دریاں سو مجھ کو کا کم کیا		یارِ غافل تھا سو میرا بارِ شاطر ہو گیا
میں نے جانا تھا صحیفہ عشق کا جو سیکے نام		واہ یہ دیوان بھی نقلِ دفاتر ہو گیا
کیا مسیحائی تیرے سبب میں اوسنم		بات کے کتے ہی دیکھ سوزِ شام ہو گیا
دیکھو دن کو چھپرے مست ظالم کہیں فک جانیگا	ور	ہاں خیر از نقطہ غوں اور تو کیا پائے گا
قتل کی نیت تو کر آیا ہے تو کیا دیر ہے		پرہیز تو ار کا ظالم بہت پچھتانے گا
پچھی کتابوں تجھ کو آسوز کو دیں ستا		ست ستا ظالم! کہیں تو بھی تیا جانیگا
منہدی گر چشمِ ظاہر دیدہ بسید اہو پیدا	ور	درو دیوار سے شکلِ جمالِ یار ہو پیدا
ترپتی کیوں ہو اسے بلبل کمال اتنا تو پیدا کر		کہ تیرا شک جس جاگر پڑے گلزار ہو پیدا
یہاں تک کفر پر اچا ہنسنے گر خاک گلشن ہو		بجائے ہر گرج محلِ رششہ زنا ہو پیدا
قیمتِ خنجرِ چراغاں ہوں، کیا یہ بھی تعب ہے		کہ یہی خاک سے سبزے کی جاگر خار ہو پیدا
مسیحائی ہر تیری تیغ میں کیا سوز کو ڈر ہے		جولاکھوں بار ہو و قتلِ لاکھوں بار ہو پیدا

جی ناک میں آیا بُتِ گلفام نہ آیا	ور	جیتا تو الہی سرے کچھ کلام نہ آیا
دنیا میں ہی دوستی ہوتی ہے مری جان		جیتک نہ لیا دل تجھ کو آرام نہ آیا

	<p>رحمت سے بھلی تو لبِ یام نہ آیا درشت سے اُسے یا و مر نام نہ آیا جی ناک میں آیا، بہت گلِ فام نہ آیا دل بھلا اس کے دل کا تو ارمان نکلا یہ نور شید بھاڑے گریبان نکلا</p>	<p>حالم کی تمنائیں تھی جاں لبِ آیا قاصد تو پوچھا تھا کہ قاصد ہو تو کس کا تفاخ کی حالت میں یہی سوز کو لب کھڑے رہو والو مگر سوز ہے یہ مر اکتہ ایسا تو ہے جس کی خاطر</p>
	<p>ہاتھ میں اک روز تو دامانِ قائل ہوئے گا کیا ہیں روئے سے ہنر کچھ نہ چل سکا سوز کا دل جس گھڑی خوسے بل سچ کا جو تم سے تباں ہو گا سوا اتہ کرے گا خط آن کے یہ جملہ کوتاہ کرے گا</p>	<p>قتل کر دے بے گنہہ رضی ہو سچے اس لئے اب کے قطرہ سے سو جاتے ہیں موتی نہ جا صلہ زلزلوں سے آخر پھر تجھے آدیا گارحم کعبہ ہی کا اب قصد یہ گمراہ کرے گا زلفوں سے پڑا طول میں اب عشق کا جھگڑا</p>
	<p>قطرہ اشک بھی گہر ہوتا کاش میں اُن کا نام نہ برہوتا حالِ میسر سے باخبر ہوتا گر تب توں کو خد کا ڈر ہوتا ہے ہست پر زیادہ ہوتا</p>	<p>اپنے روئے سے گرا رہوتا جن کے نامے پہنچتے ہیں تجھ تک پھر نہ کہتا ستم کسی پہ اگر خونِ عشاق کرتے کیوں ناحق سوز کو شوق کعبہ جا بیکا</p>
	<p>تو عمر تک نہ لیتا نام مگر آشنائی کا بیاں ہم کیا کریں طبع کی اپنے نارسائی کا رکھے ہے ہر قسم اس دہریس دعویٰ خدائی کا وے دیکھا جسے بندہ ہے اپنی خودمانی کا</p>	<p>اکوئس جانتا ہے عشق میں دھڑکا ہوا نہ پہنچے آہ و نالہ گوش تک اُس کے کھوپٹا خدا یا کس کے ہم بندے کہا دیں سخت بھل خدا کی بندگی کا سوز ہے دعویٰ تو خلقت کو</p>
	<p>لیکن نہ حسن و عشق کا جھگڑا چکا سکا دل کی خبر کوئی نہ تری کو سے لاسکا</p>	<p>قاصد ہزار طسح کے قصوں میں لاسکا قاصد ہر طفل اشک گئے بار بار لے</p>

<p>کیا فائدہ ہو روئے سے اسے چشم نہ رہیں رستم نے گوہراڑا اٹھایا تو کیس ہوا اسے سوز غم کو چھ قاتل نہ کر مٹ خطرہ نہیں ہر جگہ کو اسے محنت اپنے ہی کا ہر مہج منہ چڑھے ہو اس تند خو کے اٹھ کر گستاخ تھامیں اسے دل اس کام تو باز عارض کو تیسے پہنچ کر کس کی ٹھہلاہٹ رستم قوتیج تو ہے میدان کے سخن کا تجہ پہ قربان مری جان دل و دیں سیر ہوئے محل شلخ ہوا میں سو بھی لیتا ہی بہن زلفوں کا اگر عجب کو سہ و کھار نہ ہوتا خوگر جو داوے سے طبعی اپنے کو پایا گرا آئکہ اٹکتی نہ کسی شوخ سے جا کر</p>	<p>کب اشک دل کی آگ لگی کوٹھیا سکا اُس کو سدا رہے جو ترانہ اٹھا سکا تو ایک بھی بتا دے کہ وہاں جا کے آسکا تو نے مخاطب بننا جب سے بہاوی کا کیا آہنی کلیجہ دیکھو ہے آری کا دیکھا مزانہ تو نے نادان عاشقی کا پیلے ہزارہ تو ہے گل کا رنگ بھکا اسے سوز کس کو دعویٰ ہے تجھ سے سری کا ایک باری تو سن افسانہ نہیں میسر کس قدر شوخ ہے اللہ دیکھیں میسر یہاں تک تو پریشان یہ دل زار نہ ہوتا تو ز میر سے ملے یوں سے یہاں نہ ہوتا تو دل بھی کہیں سوز گرفتار نہ ہوتا</p>
<p>ایک دن اک شخص نے اس کو کہا یعنی کہ عاشق ہے تراجمی کر سوز</p>	<p>تو نے تو یہ ذکر سنا ہوئے گا ہو تبسم یہ کہا ہوئے گا</p>
<p>بلبل نے جس کا جلوہ جا کر چمن میں دیکھا خوشیا آدے جیسے ابر تک کے اند ہیں دیکھنے سے میر کیا فائدہ کسی کو اس سو اکھچ نہ پایا تے دیوانے کا کسی طرح ترے دل سے مجھ سے بچنے کا نکلنے کا نہیں سینے سے دل جو دھڑکے گا</p>	<p>دو آئکہ موند ہم نے من ہی میں دیکھا عاشق کو تیسے جن نے یوں پہنچ دیکھا دیکھا انہیں نے بھگت بن سے سخن میں دیکھا قطرہ غول ہے مگر غار بیاباں میں لگا مرے سوال کا منہ سے جو اٹھے گا جو نکلے گا تو جلا سا کبا نکلے گا</p>

	آئے نہ دیکھو اس کو گلتا ہے بغیر	جاتا ہر سوز جس دن کتا ہر ہنشن سے	
	دل اور مرک ویکہ لیجو مڑ کے آہا فَاَکَا نَمَّ ۲۰ نَمَّ ۲۱ ۲۲	مروت دشمنان غفلت پناہ صَرَفَتْ الْعَمْرُ فِي هَلْوٍ وَلَعِبَ	
	پھینے دل اس طرح کہ دغا کو نہ ہو خبر سر اس طرح سعید کہ نصف کو نہ ہو خبر بوسہ لوں اس طرح کہ جنا کو نہ ہو خبر دل چاکریوں کر دں کہ قبا کو نہ ہو خبر سچ تو ہے ان بے وفاؤں کی کہاں کا منتلا عند لیبو چھوڑ دو تم گلستان کا اختلاط نہ دیکھوں جیتلک نکلوں کی کچھ باور نہیں آتا اسے سن تو تجھے ہر گز خدا کا دہنیں آتا الہی میں مروں کیوں کر مجھ کو تم نہیں سنا	یوں دیکھ لے ہر وہ کہ ادا کو نہ ہو خبر عشاق تیری تیغ تلے اوستم پناہ رضعت جود تو مجھ کو تو میں تیکر یا دل کا نامح تو چاک حبیب کا مانع ہو اس قدر اب خدا کرنے لگا دل کو تباں کا اختلاط اب کوئی دم کو مچاوے گی خزاں یاں کو دھمکا یہ سب باتیں ہیں قاصد یا میرے گھر نہیں آتا پراسے دل کو لے کر اپنے تلوں کے تلے ملتا کسی کے دل میں ہو گا سوز مر جاو تو بیکر	
	دوبستہ ہوں چشم خوں چکاں کا منون ہوں جسم ناتواں کا ایمنیا ہے نکائے ٹکھات بانکا	دلہ کیا دیدہ کردں میں اس جہاں کا ہر گز نہ ملا تری گلی سے سوز آگے ذرا سنبھل کے جانا	
	سسر تن کی کیا سرت ندوں کا رونا نکلا خدا کے واسطے دیکھو کہاں کی جا کہاں نکلا دلہ کہ اُغتھا ہے ہر دم جاہرست جھبو کا میں بھولا میں بھولا میں چھ کائیں چکا وٹاں اب پڑا ہے گام میدان ہو کا	دلہ جگر سواہ دل کی نالہ سینہ سے فغان نکلا جو دل تھا جسے پہلو میں لب عرش غلم پر الہی محبت کو لک جائے لوکا فریب محبت نے مجھ کو پھنسا یا جہاں روز پریوں کا رہتا اکھٹا	
	دلہ دو کب چو کتا تھا خاٹنے نہ چاہا	مرا قتل کیا دل رہا تے نہ چاہا	

<p>دہرے کن کن ملوکوں کا کیا خانہ خراب اہلِ تہتاق کا منہ سے نہ دیتے تھے جواب کون سا ان میں ہے رتم کون سا افراسیاب واہ واہ اُن کو بھی کہ لو آفتاب اودھ تاب میں پڑا کھاتا رہوں گا تا قیامت پیچ قباب ایک دنیا داسے مل کر بنے مالی خباب</p>	<p>دل چہ غم غفلت کھل کر لکٹ کیکہ تو اے مست خواب مسندِ فرعونیت پر بیٹھتے تھے جو بہ بازو خاک میں پنہاں ہوئے ایسے کہ کچھ پیدا نہیں بارہ سامع کے لئے افلاک پر ہیں جو دماغ پوچھو تو باز نہ کر کس پر چلا ہے تو کمر ان دنوں میں سوز کو دیکھا ہے یار و واہ وا</p>
<p>دل کو چہ کہ جوتے ہیں میخانے کے خشک ہونٹ کچھ بنے دھب ہیں پلینے کو خشک یا الہی ہاتھ ہوں تلے کے خشک دین مٹے سے لگ کر اے آبشار ہم تم نالے کریں نیک جاہیں سو گوار ہم تم اے لالہ دماغ دل کے کرلیں شمار ہم تم دل چاک چاک کر کر دیکھیں بہار ہم تم اے میسے دردماح تھے یادگار ہم تم</p>	<p>دل شک کب ہوں تیسے مستانے کو خشک چوری چوری منہ ترے شاہ لگا زلف کی پلٹوں میں کیا جا کر چھٹا لکڑیوں سے سر ہو بھٹنا رہم تم میرا ہی سر دمج سے سرکش ہوا ہے قمری دیکھیں تو دماغ سینہ کس کے میں اب یاہ تو میری دل کو دیکھ اور میری دل کو دیکھو تم تو چلے گئے پر یہ سوز ہے اکیلا</p>

۳۔ سجاد

سجاد و قلع ہیر سجاد نام لکھنؤ آبادی۔ وطن بزرگوں کا ایک آذر ایجان ہے، لیکن تربیت انہوں نے
شاہ جہان آباد میں پائی ہے۔ اور شاگردوں میں شاہ نجم الدین آبرو کے کیفیت طرز ایہام شاہ
صاحب مذکور سے زیادہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنی دماغ کا یہ عزیز بھی استاد ہے میر محمد اکرم خاں
دادا ان کے دارالانشائے بادشاہی میں ذاب یعنی خاں میر منشی کے ہمراہ تھے، بہت مروغہ و
ادبیت آگاہ تھے۔ غرض میر مذکور صاحب دیوان پر بیان ہیں۔ یہ غزلیں ان کی منتخب دیوان ہیں

ساتی نہیں جام کے جی کا بچا نہیں	دل	جوں خیل ست آہے ہوا برسیہ پلا
کافرتوں سے داؤد چاہو کہیاں کوئی	دل	مر جا ستم سے اُن کے تو کتے ہیں حق ہوا
گرتی کھل کے آنے لے کھوڑ نہیں جس	دل	سچا و کیوں بھبھے ہو جن آج فقی ہوا
یعقوب کے جب عشق پڑا سر پوٹ کے	دل	انکھوں نے اُس کی رو دیا آخر کو پھوٹ
عشق میں جانے کا بے طرح مارا		بے طرح دل بھاسے آوارا
خطا کتر دا کے آج قینچی سے		ہم سے ملنے میں جانے ہو کر ترا
غم نہیں گر کم ہوا بالوں میں تیری جا کر دل		پتھر پر تھڑ زلف کے گویا کہ اُس کو بل دیا
تجھ کو اسے سچا و غیر از خنجر بیداو کے		او بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے چل دیا
بتان تو چاہتے سچا و تہ کو۔		کریں کیا پر خدا نے جو سچا ہا
مقبول اس جہاں کا ہرگز عیسیٰ نہ دیکھا		راجہ دی ہو جو کوئی نہیں اسے گیا ہونا
اشیائی پلائے کہ جا تہ ہے ہر	دل	جو کچھ باقی ساتی رہی ہو شراب
دور میں خسار کے تیرے کہیں انصاف نہیں	دل	خط پڑے جاوے دل کو بھانڈی جاوے
جس خبر کو دل میں نہ عاشق سو ہونفاق	دل	کتے میں ساری اُس کے نہیں حسن اتفاق
ایکے ل لکھتا ہوں جو چاہی سولیمادو اسے	دل	خواہ زلفیں خواہ ترگاں خواہ بد و خواہ چشم
جب ہم آغوش یار ہوئے ہیں	دل	سب مزے درکنار ہوئے ہیں
بتوں کے تیش کس قد مانتا ہے	دل	یہ کافر مراد دل خدا جانتا ہے
اے منہ زنا رہنی تہ و فلک واسطے	دل	ورد کوئی کافر بھی ہوتا ہو خدا کی واسطے
کوئی جا کے قاتل کو سمجھائیے گا	دل	کہ عاشق کا جی کھو کے کیا پائیے گا
کہا دل نے بولویہ غوبوں کے تیش	دل	یہ دیکھو گے اپنا کیا پائیے گا
سیکے کام حل کی تقریر ہے یہ زلف	دل	روز سیاہ و ناز و شب بیکر ہے یہ زلف
رہو آہ دل سوز میرے سے فرق	دل	کہ ہے خوش چین اس کے بزمین کی برق

دل کو بھی پیار دلا کر کے اسے سخن	دل لگا نہیں گلے سے مرے آج لگ
نحت جگر چار پانوں کے ساتھ کھا کر	دل کرتے ہو ہم سے باتیں اب تم چاہا کر

باب الثمین

۱۔ شورش

شورش تخلص، میر غلام حسین نام، متوطن عظیم آباد کے مشہور میر پنا کر کے تھے۔ بھانجے تھے ملا میر وحید کے۔ اور شورش سخن کا کیا تھا میر باقر حزیں تخلص سے علی ابراہیم خاں مرحوم سے گلہ ور اور ہمیشہ لکھا ہے کہ تم سے آشنائے، اور بیاری میں غزو کی جلتے تھے۔ فقط اپنے خیال فاسد سے انہوں نے اپنے کلام کی قباحتوں پر التفات نہیں کیا ہے، اس سبب سے سخن من کا ہمیشہ موردِ اعتراض سخن گیروں کا رہا ہے۔ ایک تذکرہ شاعر ہند کا زبان ریختہ میں انہوں نے لکھا ہے، لیکن وہ بھی بسبب ان کی خود پسندی کے عالی نفل اور زل سے نہ تھا۔ اگلا یہ سوچا تو ہے، ہجری میں اس کے زمانے جاوہ دوز و منزل بقا کے ہوئے۔ دیوان ان کا زبان ریختہ میں مرتب ہے۔ یہ ان کے کلام کا منتخب ہے +

ہمارے پاس بھی آیا نہ آیا	بھروسہ کیا ہے جی آیا نہ آیا
کسی کو غم سے غم نہ کسی کو جام سے کا	قسم مفاں کی ہے ساتی کو کچھ کو نام کو کا
اُنہی یہ لغتِ گل کے سبب سے سبب اپنا	دگر نہ کیا تھا ہمیں ہم صغیر و دم کو کام
ہماری صبح رخ یا ر شام زلف نگار	نہ ہر ماہ کے ہے ہم کوسج شام کو کام
ہر ایک دم میں نہیں دلِ جبر میں ہو جو	غم نہ نام سے کہتو ہیں پیام کو کام
رقیب گر بہت بر خلاف ہے شورش	ہمارے ہیں ہے یلا نہ کو کام کو کام

باب الصاد

۱۔ صانع

صانع مخلص۔ نظام الدین احمد نام۔ ساکن بلگرام۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ قربان
قدیم ہے میرزا محمد رفیع سودا کے، اور دوستان مصیم سے اس خاکسار کے تھے۔ بڑے صاحبِ ہوتا شیر، اور
طبیعت کی گدازی میں بے نظیر۔ اچھا شعر جب کسی سے سنتے، تو گھڑیوں روئے، اور بے چین رہتے۔
عالمِ اخلاص اور دوستی میں زمانہ کے افتخار۔ استقامتِ طبع اور رسائیِ ذہن میں مستغنی ہو گئے تھے۔
سند بائیسویں تک جلوس شاہ عالم بادشاہ غازی کے ہمیشہ مرشد آباد اور کلکتے میں ایامِ زندگی
کے بسر کرتے تھے۔ آخر سلسلہ سچوی میں ملک دہو سے رخت سفر کا باندھ کے راہی کشورِ عدم
کے ہوئے۔ فارسی دیوان بہ ترتیب ہے ان کا۔ اور بیچینے کا شوق کتر تھا۔ یہ اشعار اس نکو کردار
کے ہیں۔

بچن کی اُس محبت پر دیا تھا جانِ دل صلیق	نہ تھا معلوم ہو جاوے گا وہ نامہ ریل اپنا
جلے بھنے ترے جس وقت آہ کرتے ہیں	تو دو دل سے جہاں کو سیاہ کرتے ہیں
قسم ہے تیری ہی، کہلنے میں یا تیرے گاہ	جگر تلک نہیں دل کے تباہ کرتے ہیں
ہی ہوئے ہیں تب کتاب جاں سستی آگاہ	جو کوئی دل سے گزرے گاہ گاہ کرتے ہیں
خدا بچاوے غم و درد و کجہ عشق میں آہ	ذبا کے زورِ قیاس کو تباہ کرتے ہیں
نہ کہ کن سر ہوئی بے ستوں میں صلیق را	بڑے دمرو میں جو دل میں آہ کرتے ہیں
ہلکہ شوقِ موزن کو دھری ہوئوں جملے کا	نہ جانوں کیا سبب یا تو کتنے غم بنائے کا

یہ بیل شمع گل پریش کر کیا شہر کرتی ہے | صبا کا آج وعدہ ہے مگر کیا ان کھلانے کا

باب الضاد

۱- ضیا

ضیا قصص، میر ضیاء الدین نام، متوطن شاہ جہان آباد کے، میرزا محمد رفیع سودا کے ہم عصر۔
نظم ریختہ میں مالک تھے طبع بلند کے، دھماکتے ذہن اچند کے۔ دلی سے جب کہ لکھنؤ میں آئے،
تو طور سکونت کا وہیں ٹھہرائے۔ ایک مدت اوقات اُسی شہر میں بسر کی، اور دوا شعر و شاعری کی ہی
اکثر محفوزوں کو اس دیدار کے نسبت شاعر کی اُسی شاعر شیریں کام کے ساتھ ہے، اقسام نظم میں
ان سے بیشتر ہوئی فکر و خیالات سے۔ قصیدے سے تو ان کو کچھ انکار سار ہے، اور مثنوی
کا خیال بھی کم تر کیا ہے۔ تاخر عمر مدۃِ عظیم آباد میں استقامت اختیار کی تھی اور طبیعت اکثر سادہ
خزلت و گوشہ نشینی کے بار کی تھی۔ آشنا پرست اور دردمند و مہربان و راحت پس ہمیشہ غور مند تھے۔ ان
بسکے مدد و نیاتے فانی کا فنا پر ہے راہ گزار جادہ بقا کے ہوئے۔ مالک دیوان نگین و تریخ کے
ہیں۔ یہ شعر اس شاعر ذکی و ذہین کے ہیں :

آہ یہ غنچ تو کچھ کھلتے ہی کھلانے لگا	باؤ بھی کھائی نہ تھی دل نے کمر بھاگتا
اُس کے کوچے میں ضیا پھر آج تو جا لگا	گل کی رسوائی تجھے کیا بسنتی ہونے لگتی
جو کوئی مڑتا ہوا اُس کو حلق میں بانی جاتا ہے	پلا دے آپ خیر ہم کو ظالم تشنہ جلتے ہیں
اگر سیلیں مٹی پھرتی ہیں گہر و خاک ٹٹاتے ہیں	ہے ماتم کس دوائے کا الٹی آج صحر میں
کتنے آنسو تری آنکھوں کے پھل ہو کرتے ہیں	ضیا لکھ ماتہ سینے پر فر دل کی بھی لے ظالم
صحر میں تو نے بمنزلِ وحشی ضیا کی کھلا	اگر لیں خاک اڑاتا جوں ابرو جوں بگولا
یہ جام بھر رہا ہے صبا دا چھلک چڑھے	اے آفتابِ نعل نہ کہیں دل تھک چڑھے

تیرے دنیا کا حال میں پوچھا تھا شیخ سر
اک آہ اس نے کہی اور آنسو ٹھکڑے

باب العین

۱۔ عزالت

عزالت جنھیں، سید عبد الولی نام۔ خلف شاہ سعید اللہ سورتی کے۔ وہ شاہ سعید اللہ کے رفیق و
فاضلان اور سرِ حلقہ صاحبِ دِلان تھے۔ اور بادشاہ عالمگیر کے تئیں اس برجِ خلافت سے اعتقاد
صادق تھا۔ اہل وطن شاہ صاحبِ مذکور کا کوئی تعصب ہے تعصبات لکھنؤ سے، لیکن از بسکہ ہستی
سورت میں اختیار کی تھی سورتی مشہور ہوئے۔ غرض جب عزالت مذکور اپنے والد کی وفات کے
بعد دلی میں گئے، تو شاہ جہان آباد کے غمزدں کی ہم صحبتی سے فکر میں ریختے کے پٹے تلاشی
پر تنگم کی دل دیا، اور وصلہ شعر و شاعری کا حامل کیا۔ علیٰ ہر ہریم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ ابوسف
تمکنت و فضیلت کے اذلال و اہلوار اس عزیز کے خالی سبکی اور بے مغزی سے نہ تھے۔ نواب
علی موی خاں مہابت جنگ مغفور کے عہدِ دولت میں ولد مرشد آباد کے ہوئے، اور وہو خاں
واداد کے ہوئے۔ حرکات ان سے خلاف ان کے منصب کے عمل میں آتے تھے اور آنگھوں میں
اربابِ تیز کی کیفیت کو اعتبار کی گھٹاتے تھے۔ نواب مرحوم اللہ کی وفات کے بعد سرتین
وکن نورِ جمال سے اپنے منہ کی، اور بقایا سے عمر اسی ملکیت میں بسر کی۔ دیوان ان کا مدت
سے پاچا انتظام ہے، یہ ان کا منتخب کلام ہے۔

فقیروں سے نہ چھوڑے نگاہِ نعلینِ بولی میں
ہمارا آئی چمن میں غلّی بلبل کی صغیروں کا
جستِ تندرہ اہل ناز لکھنے کے کام آتا
جلا یا صغیر دل توڑے کیوں بقی تامل کو
ترا جامہ کلابی ہو تو میرا خرقہ جکوں ہو
جہاں ہر گئی میں شہرِ نیچے اسیروں کا
یہ آئینہ تھا، اس خود میں کے آئینہ کا
جوچہ بولیں تجھ بھرنی قسم کھانے کے کام آتا

توں کا جود دیوانہ دو اکراتا ہیں گا یوں کہ بن کے مارہ ستوں میں کو کن ایک سیدہ معنی میں میری قدر کو اجاگر کیا گیا مجھے ہا ہے کہ تیرا سب سے بڑا کام کیس کا ہو جو مرغ اس کا مغز نازک آتش گل سے	دل	کہ تیروں کو وہ صندل دودھ سر کا جاتا ہیں گا نیم گلگوں کی مانی ہاتھ مل چھاتا ہیں گا اندھیری رات میں کس کو کوئی بھجاتا ہیں گا غلیل ابرو کے عزت کس ہنر سے ملتا ہیں گا چمن نازدوں میں اک مزار منشا لالہ ہر اپیدا	دل
جود سے نکلے وہ ہو لی بڑا بچا نقل ہمیں یہ یونیاں سے اول میں عشق ہنر سے بیوش کیا ہم نے بھی جس ودا ہی پار سفری	دل	گلہنی ہے غبارِ راہ دلاں کا دل سلامت رہے تو تحصیل پانا یاد اپنی دی بھر ہم کو فراموش کیا دل کو نالاں ہوں کو خاموش کیا	دل
ہماری گر سے دہن جھٹک گیا دلہا یاروں کی خاطر دلی کیا دل مرا خبر یوں شب کہ صبح ہو جائے تب تنہا ہم میں غفلت یاری قیمت گراں کیا کھجے بچا دل زلف کے قطر سے تو کیا تری زلف کی شب بیدار میں ہوں کہ صبر بتا پھر تاسے اے گریہ غم ہو یہ ہویا شیخ ہو ہے دیکھو غملاں کلہریہ دل میں ہندوں کے پھولا ہوا عامہ شیخ کھلا کے دل جسے ہلا سوسے مراد الی شاد اس لطف میں پھرتے یوں کتنا تھا شکستہ گرہ اول اب نظر نہ کر مجھ کر	دل	کلال سلہڑا اجلتا ہے بے تلک یہ غبار میں پر غبار سب دل کیا خاک جا بنے ہم مل کے ہو گئے راکھ جب لک وہ آہ خستہ ہم زمین اور اس کا رتبہ آسمان کیلے کھجے کہ چوٹی ناگنی پیچھے پڑی ہے تجہ آنکھوں کے ساغر کا یہ خود میں ہوں کہ آنکھوں سے تیرا خرمید میں ہوں مردہ بولا ہے کفن بھارتی قامت آئی یار اب اس بنم سے یزید کا کلمہ ابلے جناب پاک جنوں مدظلہ العالی بات کتنی شب وصال چلی جاتی ہے یہ ٹوٹے ٹوٹے میں منہ تری بلا دیکھے	دل

۲۔ عشق

عشق مخلص، شاہ رکن الدین نام۔ شاہ گمبھا کر کے مشہور تھے۔ شاہ جہاں آبادی۔ نواسے شاہ فرزا د کے عہدہ مشایخوں میں سے دلی کے۔ جہاں بیان ہوئی۔ شاہ فرزا د کی حالت سکروستی، تو کہتے ہیں کہ اس عالم میں تنظیم بادشاہ کی نہیں کی ہے۔ غرض عشق مذکور آیام شابسید میں شاہ جہاں آباد سے مرشد آباد میں آئے، اور خواجہ محمدی خاں مرحوم کے ساتھ لباس دنیا داری میں ایک مدت آیام حیات بعزت تمام بسر کئے۔ اگرچہ نہ کچھ خدمت نہ کام رکھتے تھے۔ لیکن آنکھوں میں امر الہی مرشد آباد کے نہایت احترام رکھتے تھے۔ بعد ایک عرصہ کے اپنے بزرگوں کے طہ پر نزع خود دنیوی کی طرف آیا، اور تکیہ فضل ایزدی پر کر کے طور استقامت کا عظیم آباد میں ٹھہرایا۔ پھر تو نہایت زور و شور کے ساتھ شیخیت پناہی کی، اور معتقدوں کے جہوم سے عالم وردیشی میں شاہی کی۔ طالبان عشق کو ہدایت مطالبے خالی نہیں چھوڑا۔ بقول علی ابراہیم خاں مرحوم ^۹ اللہ گیارہ سو پچانوے ہجری تک واد حال و قال کی دی۔ آخر مدہ عظیم آباد میں مرشد حقیقی قضا کے ارشاد و دعوت پر لٹیک اوجاہت با دوازہ بلند کی۔ دیوان اس مشیخت دستگاہ کا زبان ریختہ میں مترقبہ ہے، یہ اس کا منتخبہ ہے۔

کئے گواہر اوہر گئے مسم	تھے تیری طرف ہر گئے ہم
تا جاں نہ ہونی عدول کسی	تو نے کہا مر، تو مر گئے ہم
بات کہنے کی نہیں طاقت شکایت کیا کروں	عشق رخصت دے تو شراب برپا کروں
لے عدول ہے باقی نے آہ و نئے نغاں ہے	اے سوز عشق سچ کہ تو ان دونوں کہاں ہے
دیکھنے بن اُس کے یک دم چین یہ بہتا نہیں	اس دل کا فک کے ہاتھوں سخت گھبراتے ہیں ہم
ہوں آفتاب تاباں گونا نام کو میساں ہوں	یہ پروا ہے تیرا کدو کیہ میں کہاں ہوں
گونا نام اور شاں ہے ظاہر میں میرا یاد	جو دیکھو فی الحقیقت ہوں وہم یا کہاں ہوں
باتیں نہ سن تو میری جل جانے گا دیوانے	میں برق آساں ہوں یا عشق کی زبان میں

<p>دل تو ہی آیا نکل جہدھر دیکھا کافر ہوں تجھ سوا اگر دیکھا اس طرح کا کہیں جا کر دیکھا نخلِ اُلفت میں یہ شہر دیکھا تیری نظروں میں جا کر دیکھا نالہ و آہ گمراہ گھر دیکھا عشق سا کوئی چشم تر دیکھا حرم و در میں خدا دیکھا عشق میں تو نے کیا مزا دیکھا اس کو میں کیا کہوں کہ کیا دیکھا عشق سا کوئی بُرہنہ پا دیکھا جان دیکھا سو بے وفا دیکھا مجھے کیا پہچتا ہے کیا دیکھا پر تجھے سب سے آشنا دیکھا خاک میں آپ کو ملا دیکھا لب مرا شکوہ میں بہا دیکھا عشق کو جا کے بارہا دیکھا</p>	<p>دل عرش تا فرش سیر کر دیکھا چشمِ تحقیق سے جہاں دھوڑا تیرے کے نام پر ترپتا ہوں آبلہ آبلہ ہوئے سب عضو سحر میں سامری کے کیا قدرت اپنے ہم چشم سے لگا کئے ہم اک انصاف سے اگر دیکھ دیدہ دل جو کر کے وا دیکھا ہنس کے کہنے لگا ملاست کر اس کی لذت کو دل سمجھتا ہے دشتِ تجھ کو قسم ہے مہن کی از عدم تا وجود آ دیکھا اپنی آنکھوں سے دیکھا خوش چشم تجھ سے کوئی آشنا نہ ہوا ہو اُس کے دامنِ تلک نہ پہنچے ہم ظالم اپنی جنائیں کہ تو کبھی کبھی غم سے جدا نہ دیکھا میں</p>
<p>دل کہ یہ داغِ جگہ ہے یا دگار اُس یا رچھم کا کہاں فرصت ہے ایسا ناداں بھروسا ہو کہاں م کا مگر اتنا گھر اپنا ڈبویا اور مردوم کا کہ جس کے نام سے نہرا ہوا بانیِ ہستم کا</p>	<p>دل میں کافر ہوں اگر منظور ہوئے لطفِ مرہم کا ترا یہ وعدہ فردا تو دل کو روزِ فردا ہے رُلائے میں مے کچھ تجھ کو میگا فائدہ کہ تو کھاتے ہو روزِ حشر مجھ کو شفقتِ حیدر</p>

چاکِ دل تابہ گرمیاں نہ ہوا تھا سو ہوا	دل	لختِ دل زینتِ داماں نہ ہوا تھا سو ہوا
بے وفائی تری دل دیکھ کے اودھ غلط		عشقِ بادی میں پشیمان نہ ہوا تھا سو ہوا

۳۔ عیش

عیشِ تخلص، میرزا عسکری نام، بیٹے مرزا علی قلی کے۔ وہ مرزا علی قلی جن کو فاضل حسین قلی خاں کی طرح کے اتنی جانتیکر کی ایک مدت رہی، اور زندگی انہوں نے اس خدمت میں نہایت تشغیل و حکمت کے ساتھ بسر کی ہے۔ غرض میرزا عسکری مذکور جو ان مودب باشعور اور تہذیبِ اخلاق سے معمور ہیں۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ میرے آشنا ہیں، بہت ہی باشرم و باجیا ہیں۔ وطن تو ان کا شاہ جہان آباد ہے، لیکن ایک مدت سے مرشد آباد میں آکر رہے تھے، اور بعض خدمتوں کے ساتھ سرکاریں ناظم بنگالہ کے اوقات بسر کرتے تھے۔ دیوان ان کا موردِ اشتہار ہے، یہ ان کا خلاصہ افکار ہے +

وہ اگر آوے سرِ بام کہیں	میں بھی کر لوں اُسے سلام کہیں
کیا ہے یہ قطرہ قطرہ دوساتی	ایک باری تو بھر کے جام کہیں
اس شبِ بمل کی سحر ہے چرخ	لیجوست مجھ سے انتقام کہیں
یہ غزلِ عیش ہے تصدقِ سوز	مجھ سے ہوتی تھی انفرام کہیں

باب الفاء

۱۔ فقیر

فقیر تخلص، میرٹھس الدین نام، متوطن شاہ جہان آباد کے۔ استادوں میں سے شعرائے ہندوستان کے تھے۔ اہل ہند میں حال کسی کی نہ ہوئی کہ سخن گسری میں مقامِ چغنی کے ہادیہ خوش بیانی میں جگہ پر ان کے تکیہ کر سکے۔ دلائلِ شاہ جہان آباد میں ہر روز زندگانی کا انہوں

نہایت غربت اور استغنا کے ساتھ بسر کیا ہے، اور اس عرصہ میں دکن کا بھی سفر کیا ہے۔ چنانچہ بیشتر دکن بطور سیاحت کے دیکھے، اور اکثر مقاموں میں سیر کی وضع پر پہرے۔ اقسام نظم میں کئی قسم نہیں رہی کہ ان کے غلامہ سحر آفرین نے اُس میں جادو کاری نہیں کی، اور انواع و اقسام کی فوج نہیں چھوئی کہ ان کے کلک گوہر سلاکے اُس میں دروکاری نہیں ہوئی۔ اکثر علوم میں کتابیں بھی تصانیف سے ہیں۔ خصوصاً عروض و قوافی میں کیا خوب رسالے تالیف کئے ہیں۔ بحال اللہ گیاہ سحر ہجری میں واسطے حج و زیارت کے تشریف لے گئے، بعد حصول سعادت زیدت کے جب کہ پھرے تو کشتی حیات اُس آتشائے بحر معنی کے گرد بہامات میں تباہی ہو کر ڈوبی یعنی اس ناخدا نے جہاز سخندانہ کے جہاز کو باد مخالف نے صدمہ طوفان دیا، اور دریائے سہول میں غرق ہو کر رست کیا۔ اگرچہ کھنارینختہ کا اُس اہل کمال کا دوں مرتبہ کمال تھا، لیکن اکثر واسطے تغنن طبیعت کے اس کا بھی اشتغال تھا۔ یہ گوہر آبدار اس بحر سخن سخی کے آئینہ گوش روزگار میں

در دمنہ دل سے نہ چھو کہ مر بیٹھ گئے	تیری مجلس میں غنیمت ہو جبر بیٹھ گئے
ہے غرض دید سے یاں کام تحفہ نہیں	خواہ ادھر بیٹھ گئے خواہ ادھر بیٹھ گئے
دیکھا ہو دے گامے اشک طوفان تم	لاکھ دیوار گوسے سیکڑوں گھر بیٹھ گئے
کس نظر ناز نے اُس باز کو بخشی پرواز	سیکڑوں مرغ ہو اچھا عم کے رہ بیٹھ گئے
کہ ہے آواز ترے کو چہ کے باشندوں کی	نالہ کرتے سے کھلے اُن کے گھر بیٹھ گئے
مفت اُٹھنے کے نہیں یا رکھ کو چہ فقیر	جب کہ بستر کو جا کھول کر بیٹھ گئے
آؤ تو نے تو کئی بار بلایا ہے خاک	زیادہ گشتلخ نہ ہو عرش کو پہنچے گی دمک
کل ہی کی شب کا ہو مذکور کہیر لپٹے	خوب معلوم نہیں آپ تھا یا اور ملک

۲۔ فتان

فتان تخلص، اشرف علی خاں نام تھا۔ شاہ جان آبادی، خلف میر زاعلی خاں نکتہ کے بڑے
 پیران کو خوش طبعی اور خوش امتلاطی سے کا تھا۔ کو کے تھے احمد شاہ بادشاہ کے، اور مربی گری سے نظر
 کی ندیم تھے جہاں پناہ کے۔ چنانچہ ظریف الملک کو کے خاں بہادر حضور سے بادشاہ کے خطاب پایا تھا۔
 اور مرتبہ کو شوقی کے ساتھ لطیفہ سخی کے بہت دوڑ رہا تھا۔ دلی سے مرشد آباد میں اپنے چچا کے
 پاس، کہ محمد اویج خاں کر کے مشہور تھے، وارد ہوئے لیکن نہ رہے اور تھوڑے ہی دنوں میں پھر
 شاہ جان آباد چلے گئے۔ بعد کئی برس کے عظیم آباد میں آئے، اور طور جو دو باش کے وہاں ٹھہرائے
 رفاقت میں ہمارا بھرتاب رائے کے چند مدت اوقات کاٹے، اور لطیفہ گوئی اور نثر سخی میں دلدادہ
 کلائے۔ اتفاقاً صلیح سخن ان کو شیخ علی علی ندیم تخلص سے ہوا ہے۔ نظم ریختہ میں طبیعت ان کی ربا
 ہے۔ گیارہ سو چھیالیس ہجری میں اس جناب کو دیائے فنا کے تراٹھا سبھ کر آشتا بھرے کنا
 بقا کے ہوئے۔ بلکہ عظیم آباد اس شیریں کلام کا دفن ہے، اور تلخی روزِ شربک اب دیں سکن ہو۔
 زبان ریختہ میں صاحب دیوان ہیں، غنایں منتخب ان کے دیوان کی لکھی گئی یہاں ہیں +

شکوہ کرے تو جو مے شک سہن کا	تیری کسبت میں مری لوہو سے بھر گئی
ہستی کے غم سے نظر آتے جو دم میں	دلہ ہرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ ہوتا
اسے شیخ اگر گھسے اسلام بد اسے	پس چاہئے تسبیح میں زنا نہ ہوتا
مجھے تو غزنیہ دار اپنا کر گئے اپنے	دلہ کہ جو شفیق تھے وہ دوست مگر اپنے
جست توڑ پے جو کج نفس میں مرغین	اسی تڑپ میں تو یہ بال و پے گئے اپنے
مرامقام ہے اس سرزمین پہ عاریتا	اُدھر کو جانا ہے آخر جدھر گئے اپنے
کے تو دھونڈتا پھر تارے فغان تنہا	کہ اس کے مسافر تو گھر گئے اپنے
شعبہ راق نہ تنہا مجھے زلاتی ہے	دلہ یہ صبح وصل بھی آنسو سے منہ و حلقی ہر

دل	الہی زباں پر بار ویکر انتظار آوے	دل	ابھی رومنے پہ ظالم دل مرابے اختیار آوے
دل	دل زلف میں ابھاجھے تارم ہی ہے	دل	میں صید بلاکش ہوں مراد ام ہی ہے
دل	سار کی طرح کہیں زلف بتلے سے ٹوٹے	دل	یا الہی دل یار بلا سے چھوٹے
دل	ضیف سے دل بیمار اس قمرین سے	دل	کہ کے آہ نکلتی ہے یہ سیکر سینے سے
دل	عشاق تیری گرمی بازار کر گئے	دل	اس جس کو گلیں یہ خریدار کر گئے
دل	اُدھ چکا دل مرزا ملنے سے	دل	اُدھ گیا رخ اشیا نے سے
دل	دیکھ کر دل کو مڑ گئی مڑ گائیں	دل	تیرے غالی پڑا نے سے
دل	ہم نے پایا تو یہ ستم پایا	دل	اس خدائی کے کارخانے سے
دل	غیر زودنی کے مانع دید لکون ہے	دل	وہ یار ہو گیا تو پھر اختیار کون ہے
دل	یہ غم غم رکے جو مجھے سحر سے دور	دل	گردہ کریم ہے تو گنہگار کون ہے
دل	جاگنا کوئی خوب دم سے کہ پوچھتے	دل	آسودگان خاک میں پیدا کون ہے
دل	میں مر گیا یہ آہ نہ بچا فغان مجھ	دل	مرد مگر کسے ہے یہ بیدار کون ہے

۳۔ فرحت

فرحت تخلص شیخ فرحت اللہ نام۔ بیٹا شیخ اسد اللہ کا۔ اولاد سے قاضی مظہر کے، وہ تھانی مظہر کو جانشین مرزا شاہ بیچ الدین مدار کے تھے۔ وطن بنگالوں کا۔ کالن کے مادرہ الہ ہے لیکن فرحت نہ کہنے دہلی میں پرورش پائی ہے، اور عاشق فراہی و دل نشینی ہی میں عمر گزاری ہے۔ ہمیشہ بند مش میں مسلسل سرویوں کے گرفتار، اور سدا و دوشی سے ریگانہ غریبوں کے یار۔ شاعر کہن شوق و ہم صحبت شہزادہ نادر شاہ جہان آباد علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ یہ عزیز میسر اخلاص مند تھا، اور صبر کا مور و گزند تھا۔ جب کہ دہلی سے مرشد آباد میں آیا، اور طبر سکونت کا وہاں ٹھہرایا، جو مجھ سے ہو سکتا تھا غیر گیران حال گاہ گاہ ہوتا تھا عرض بہت تنگی معیشت کے ساتھ غریب

کانہا ہوتا تھا۔ آخر لامر سرفراہ گیارہ سو اکا نوے بھری میں اُسی بلد سے کے اندر انتقال کیا، اداس وارنمن سے، خلاف اپنے تخلص کے بہت مغموم گیا۔ زبان ریختہ میں اُس نے بہت کچھ کہا ہے، یہ منتخب اُس کے دیوان کا ہے +

گزرے اگر جن میں وہ گلزار اپنا تاثر آہ میں نے تلے میں ہے ہر کچھ جامو کیوں بھرکست آتش سوز کی ہے اُس شمع نے یہ پوچھا فرحت کے کل کر تو آنکھوں میں اشک بھر کر بلا نہ پوچھ ظالم	دل دیں چھوڑ بے کلی سے گل شامنا اپنا ہو دے وہ آہ یار بکس طبع یار اپنا لکھ دو مجھ سے وہن اسے کو ہمار اپنا اس طبع کیوں گنویا صبر دستہ اپنا ہرگز نہیں ہے دل پر کچھ اختیار اپنا
---	--

۴۔ فدوی

فدوی تخلص، میرزا محمد علی نام، معروف میرزا بھو، متوطن تھے اُس اہلے گندک کے جو کہ مشہور شاہ جان آباد کر کے نظم ریختہ میں استاد ہے۔ تلاش معنی میں فکر سار کہتے تھے، ادربیان حسن میں دل دوا آشنا۔ علم موسیقی ہندی میں مناسبت بہت درست، اودتان کی سستی ادبستی کے جاننے میں ہنایت چالاک دست۔ چند روز انہوں نے اوقات مرشد آباد میں بسر کی ہے، لیکن اس سیر و تماشے کے ساتھ جو کہ وضع اہل نظر کی ہے۔ آخر شہر عظیم آباد میں سکونت کا اتفاق ہوا تو وضع و شریف اس شہر کا ان کا شتاق ہوا۔ فدویت میں معارف آگاہ شاہ گھیسٹا کے حاضر رہتے تھے، اوفیض محبوب سے اُس عرفان پناہ کے کب علوم ظاہری اور باطنی کا کرتے تھے چنانچہ اُسی شہر میں اس کمین رابطہ مسافر شریستی سے حل اٹھایا، اولیوں ہمان دوست عدم میں اسباب سکونت کا بھجوا یا۔ زبان ریختہ میں شاعر شیریں بیان ہے، یہ اُس کا منتخب دیوان ہے +

گر خاک پیسہ کی کمی سے یار گذرنا ایسا نہ ہو رندوں کی کڑک بکوب میں منہ دل	مت بھول کے ہرگز مع انیخار گذرنا میں خانہ سے اس شمع خبہ وار گذرنا
--	---

مہر جائے جفا شق تو نہ زہدار گذرنا ہے باد صبا کے تئیں سوا گذرنا مست آج سے تو اس طرف ایسا گذرنا پر تو بھی جفا سے نہ سہکار گذرنا ہلک دل کو بچا سینے کے تو بار گذرنا اے اشک تو ہو قافلہ سارا گذرنا ہے مجھ کو تو اس کوچہ سے لاچار گذرنا قدوی کے تئیں ہو پس دیوار گذرنا	خند کیسے خواں کی کراک آن کی خاطر اُس بکے تصدق ہیں کراں گل کی گلی کو کل یا سکے کوچہ کی طرف گزیر کا فدی ہم کو تو وفا سے نہیں اے یار گذرنا تجہ کو انہیں آنکھوں کی قسم تیر نگہ ہے جب یار کے آگے سے چلے قافلہ کل گر نیک و عیا تم نہیں جانتے تو نہ جاؤ شاید نظر آجائے کسمو در پہ تو سوار
دلہ جے دیکھنا مہر کا عاہ ہے	وہ کافر جا ہی شب تار ہے

باب القاف

۱۔ قائم

قائم تخلص، شیخ محمد قائم نام، مینوطن چاند پور بنہ کے۔ نظم ریختہ میں استاد مسلم الثبوت تھو۔
ساتھ طبع بلند اور ذہن رسا کے موصوف، مضمون تراشی اور معنی بندی میں معروف۔ کہتے ہیں کہ
ابتداءے شق میں مشہد سخن کا انہوں نے خواجہ میر درد تخلص سے کیا ہے، اور آخر سخن سنجی میں
اتفاق اصلاح کا ان کو میرزا محمد رفیع سودا سے ہوا ہے پچ تو یہ ہے کہ بعد سودا اور میر کے کسی
ریختہ گو کی نظم کا نہیں یہ اسلوب ہے، راقم آثم کو تو طوطی گویاں کا اس سخن آفرین کے ہنایت مرغوب
ہے۔ طوطی کو اقرار تلخ گفتاری کا سامنے اس شیریں مقال کے، اور خامۂ مانی کو اظہار فرسودہ
زبانی کا روبرو اس نازک خیال کے۔ مصفاے بندش سے اس کی آئینہ کو طلب عفا فی و ام،
اور غبار سے اس کلام رنگین کے گل کو شکستہ رنگی سے کام۔ آبداری اس نظم صفا پرور کی رشک
افز آب گوہر کی، اور موجزانی اس جہنمی خیز کی حسد انگیزہ چشمہ کو شری۔ انہوں نے ایسے شخص کا

اس جان فانی سے اٹھ جانا، اور دلِ حسرت سے دلوں کو اربابِ غم کے جلاتا۔ اُس حند لیبِ شاخِ سرسبائی نے شاید سنا ۱۲ بارہ سودس بھری ہیں، اُدھر ہی فونِ وطن میں اپنے، اس دار فانی سے سیرِ عالم باقی کی کی، اور عجب طرح کی ایذا جان کو اہلِ معنی کے دی۔ اگرچہ اقسامِ قلم میں کوئی قسم اُس شیریں کلام سے نہیں رہی ہے، لیکن رغبتِ طبع کے ساتھ غزلِ روشنی بیشر کی ہے۔ دیوانِ ان کا بھرا ہوا اشعار آبدار سے ہے، یہ ان کے منتخب انکار ہے۔

دریا ہی پھر تو نام ہے ہر اک جناب کا	اٹھ جائے کر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا
مرد و دل کچھ کہا نہیں جاتا	دل آدم چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم آئے سے میں بھی ہوں تادم	کیا کروں پر رہا نہیں جاتا
یہ کیسے تو قاصد کہ ہے پیغام اسی کا	دل پر دیکھو لینا نہ کہیں نام کسی کا
خواب کی طرف کھنکھاندہ ہوں میں	دل ملتے ہیں کہیں نام ہے بدنام کئی
بنی بھوں کو ڈرا چاہئے کہ کہتے ہیں	دل کرے ہے کاٹ سروی سے بیشر اونا
جب تک کہ ہے تو ہم ہیں ترے ساتھ حیرت	دل جل مج کنت لازم ہے آبِ رواں کا
عمدہ سے اُس منہم کے برآیا نہ جائے گا	دل یہ ناز ہے تو ہم سے اٹھایا نہ جائے گا
کعبہ اگر جوڑتا تو کیا جانے غم ہے شمع	دل کچھ قصہ دل نہیں کہ بنایا نہ جانے گا
ہم نے ہر طرح تو ہے بھر میں دل شاد کیا	دل بھلی گرا آئے تو سمجھے کہ میں یاد کیا
کہاں ہے شیشیئے تختِ خداؤں	دل مری نفل میں جھلکتا ہے آبلوں کا
دل پاکے اُس کی زلف میں آرام رہ گیا	دل درویش جس جگہ کہ موئی شام رہ گیا
میں اس چمن کو اور یہ مجھ سے چمن گیا	دل نے دل میں اپنے حسرت سرِ چمن گیا
شیریں تو ساتھ خسر و کر زندق سے مٹا	دل پتھر تھا تیسری چھاتی پر سو کو کہن گیا
خالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر	دل روٹھا تھا تو میری آپ ہی میں تپ ہی من گیا
ردوں گا زیرِ سایہ دیوارِ شمع کر	دل جس دن تری مٹی میں کئی دواؤں من گیا

زلف کیسی تھی کسی کی خوب میں رات	دل	ہم ہر کھٹے پیچ و تاب میں رات
نوبت تھی ہم اُس کے کوچہ سے		ورنہ آئے تھو اک مذاب میں رات
لیک غلی سی کچھ لگے ہے بے		دل گرا شاید اضطراب میں رات
بھلا اے ابرہہ کھاں اب تو میں کہ	دل	ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر
بے شغل نہ زندگی بسر کر	دل	گرا شک نہیں تو آہ سر کر
کچھ طر ف مرض ہے زندگی بھی		اس سے جو کوئی حیا سومر کر
کیوں کیا مجھ کو تو صیاد کرتا قرض	دل	میں نہ شانتہ بے بل نہ منہ تو قرض
جب بچ پر اپنی آنکھی چشم	دل	دریا دور یا بسا گنی چشم
اے کیو یہاں سے جا نینگے ہم	دل	پھر تجھ کو نہ منہ دکھائیں گے ہم
ہاں کیوں نہ ملیں گے تجھ سے ظالم		جب گالیاں نت کی کھا نینگے ہم
آندہ ہو غیسر سے لڑیہاں		اس حمد سے کب برائیں گے ہم
ایسا ہی جودل نہ رہ سکے گا		نیک دور سے دیکھ جائیں گے ہم
جوں چاہتے چاہ کا شستہ		تقاکم ہیں تو کر دکھائیں گے ہم
نہ دل میں آج نہ تم رہا ہے آنکھوں میں	دل	کبھی روئے تھو سوخوں جم رہا ہوا آنکھوں میں
میں مر چکا ہوں تپ سے تپ دیکھنے کے لڑ		حباب دار ذرا دم رہا ہے آنکھوں میں
میں کہا ہمد کیا کیا تھا رات	دل	ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں
مٹا ہوں سے بٹھا ہیں سانسے ہوتے ہی جلیاں	دل	یکایک کھل گئیں دودن طرف دل کی ہر کلیاں
جب اُسے غیر سے ہونین کھلانے کا شوق	دل	سرہ کے واسطے نیچے ہے صفنان مجھ کو
راہ کے پیچ جو رکھتا ہوں اُسے گیس کچھ	دل	ہنس کے کہتا ہے کہ اب چھوڑ بیٹھیں کچھ
اتنی اے دیدہ و دل مجھ پہ نہ بیدا کرو	دل	دیکھیں کیا ہووے خدا کو تھک اک یاد کو
کبھی دکھا کے کراؤ کبھی دیاں مجھ کو	دل	نپٹ بنگ گیا تو نے اے میاں مجھ کو

تو اپنے واسطے اسے باغیاں نہ کاوش کر جو کہ چلیں تھیں سو لائے گئیں وہ یار کو ساتھ	دل	نہیں ہے سائے دیوار گلستان مجھ کو سر پٹکنا ہی پڑا اب دو دیوار کے ساتھ
ایک دم غارتھے آنکھوں میں بھیجے کے سوچے میں ہوں دیوانہ سدا کا نہ مجھے قید کر د	دل	بلبلو خوش رہو تم اب گل و گلزار کے ساتھ جی نکل جائے گلزارِ بخیر کی جھنکار کے ساتھ
تھی شرط مجھے اس سے تو اک رات بے کی	دل	کیا ہے کہ دل اس نغمے ہرگز نہ بھرا یا
تیج چڑھ اس کی سان پر آئی	دل	دیکھیں کس کس کی جان پر آئی
دہن کو تیرے پایا بات کہتے	دل	ہماری جزری میں کیا سخن ہو
دل دعوئے عتاسینہ میں مرے ہو بھی ہو	دل	یاں را کہ کا اک و حیر اور اک آگ بی ہو
میں جاتا ہوں کعبہ سے اب درگو	دل	بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے
مزدن دشوار میں یہ حال ہے تقصیر ہو	دل	حسرت دل سو مرنے اس کی دہلیز ہو
قتل کرنے سے مرے تو بھی ہوا کچھ نفع	دل	غرق آب شرم میں اب تک دشمن شیر ہو
مہ جاتی کسی سے پہ لفت نہ کیجئے	دل	جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے
مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے	دل	جو لڈرے درجہ بھدا جانتا ہے
یاس میں توجہ غم کے میں اپنی بھی غم خواری نہ کی	دل	دل دیا تجھ کو تو میں نے کچھ گنگاری نہ کی
دم بدم اس رنجش بجا کو کیا کہتے ہیں شوخ	دل	دل دیا تجھ کو تو میں نے کچھ گنگاری نہ کی
بعد خط آنے کے اس سے تھا وفا کا احتمال	دل	لیک وہاں تک عمر نے اپنی وفا داری نہ کی
دل مہاویکھ دیکھ جھلتا ہے	دل	شمع کا کس پہ دل چھلتا ہے
گندمی رنگ جو ہے دنیا میں	دل	سیری چھاتی پہ مونگ و لقا ہو
ہم نشیں ذکر یار کر پھیر آج	دل	اس بکایہ سے جی بھلتا ہے
اکوہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے	دل	کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے
نہادہ در مسجد پہ خرابات کی تو نے	دل	جی بھی ہی چاہے تھا کرامات کی تو نے

ایہم قومیں نالاں ہوں اوصرفیہ نہیں	اب کس سے مری جان ملاقات کی تو نے
مری تج کو کیا پیارا نہیں ہے	دلہ پراتنا بھی تو نا کارہ نہیں ہے
توں کی جید کو جاتا ہوں دیر میں قائم	دل مجھے کچھ اور ادا وہ نہیں خدا نہ کرے۔
کیا ہی کھڑا ہے یہ کہ جس کے حضور	دل آئینہ کی قلعی آؤ دھڑتی ہے
قائم آئیے پھر وہ بن سخن کر	دیکھیں کس کس کی یاں بگڑتی ہے
کیا چشم ہے دنیا کہ یہ اب انقبسیم	بے قرب کریں ہم کو دکھا کرندوسیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجے سجدہ	مخواب جو غم نہ ہو براے تسلیم

مثنوی برزیہ

سردی اب کس سے اتنی شید	میں نکلے سے کا پنتا غور شید
ان دنوں چرخ پر نہیں ہے ہر	گو دین کا نگری رکے ہے سپر
پانی چرس جگہ کہ کافی ہے	سبز وہ شال کی رضائی ہے
دن کی کستی ہر دھوپ میں اوقات	کالی گلی میں رات کلتے ہر رات
چرخ کی اٹلسی قبلا ہے ہمیش	نہیں یہ ککشاں ہے دانائش
ندی پر آکے بیٹھے جو بگلا	پروں سے اپنلاڑ ہے وہ مگلا
برف کو چوں میں یوں پڑی ہر صاف	جوں کہ اڑتا ہے سپر بنڈاف
کہرے کو دیکھ کتے تھو سب یار	ٹھنڈی ہو فلک کے جی میں غبار
ہر جہر دیکھا ہے غور کریں آپ	نکلے ہے منہ سے آسمان کو بجا
باد ملتی ہے بسکہ تند اور سخت	روز شب کا پنتے رہیں درخت
گرچہ سرما سے غاص عام نہیں	پر کھوں کیا میں حال ازل و دل
پسٹے رہتے ہیں رومی میں مجبور	جس طرح ناشپاتی و انگور

جل کے حلوائی کو جو دیکھ کر کہیں	ہفتی چھٹ کچھ دکان میں اس گنہیں
تو ایں اب سردی کا ہے یہ نکل	شعر ہو گر نکلتا تو نہ مغل
مجنس	
سرخ تو تابو دھو سے یا تر اپنا رنہ نیست	بتکہ ویراں ہوں یا ہوں ہرمن کی باری نیست
کام کیا ہے مجھ کو کوہوں راہ ہے نہ رنہ نیست	کا ذر عشقم مسلمان مراد کار نیست
ہر گرج من تار گشتہ حاجت زنا نیست	
عاشقوں کو دے کی کچھ ادبی ہو تی ہو جن	دیکھ ہم روتے ہیں نختہ دل جمی چاہو تو جن
ہم نہ کہتے تھے تجھے ظالم کہ آیا بات سن	ابرا با دیدہ گریاں من نسبت کن
نسبت باری کی دارد و لے خوبا نیست	
دیکھ حال مرا اٹھا کے سو سو سیلے	ساعتی بھاگے ہر اک طرف کبھی لے
کہتی تھی جو گفتش میں نہ چھوڑوں گی قدر	سو اس کے بھی ہو چکے ہیں کئے ڈھیلے
۲۔ قدرت	
<p>قدرت تخلص، شاہ قدرت اللہ نام ساکن شاہ جان آباد کے۔ مشہور مخموروں میں سے تھے۔ رشتہ دار تھے رئیس الدین فقیر کے۔ صاحب مذاق تھے چاشنی درد و تاشیہ کے نظم و نثر میں ذہن رسا رکھتے تھے۔ غلام حسن گستاخ اور طبع معنی آشنا رکھتے تھے۔ طرزِ مضامین آفرینی سے ماہر، ادراکِ فکر و خیال کی بڑی کام سے ان کے ظاہر۔ اکثر فکرِ اشار فارسی کی بھی کرتے تھے، لیکن نظم و نثر پر مرتے تھے۔ تانہ کرنے میں مضمین کے اپنے ہم معروں میں ممتاز، اور صفائی میں بندش کی نازک خیالات سے ہند کے دمساز تھے۔ دارست ذریعی کے یار، اور آزادہ عالی سے سر و کار ایک دوست کے دلی کوچہ ناتھا اور ولروم رشتہ دار تھے، اکابر اور احرار اس شہر کے سب ان سے برسرِ حریت و اعادہ تھے۔ علی ہرکیم</p>	

خل رجوع لکھا ہے کہ تجھ سے ان کو اعطاس اور اتھاؤ تھا۔ واقعی عزیز اپنے طبع کا استاد تھا۔ شاید
 ۱۲۰۰ء بارہ سو پانچ بجی میں اُسی بلد سے کے اندر انتقال کیا۔ اور طبع کو صاحب طبعوں کے
 حصے زیادہ پر مال کیا۔ دیوان میں اُس صاحبِ قدرت کے ہر قسم کے اشعار ہیں۔ یہ غزلیں انکی
 منتخب افکار ہیں +

ہنگامہ پیریز موع اب بس آیا کچھ دیر ہوئی مشک نہیں آنکھوں سے گرتے غفلت میں کئی شام جانی تری صہیف ترے حضور میں جب قصدِ من حال کیا میں دماغِ نازہ میں توڑے یہاں تلکِ سخن ہوا ہے اُس کے گلوں میں گروہمِ اعجاز ٹوٹی ٹکندِ بخت کا وہ زہرہ گیا اوپر سے نغم گرہ ہے ہر چلے دے ملوں سے رنڈ دل یہاں جوت مسدود تھا کبریائی کا جو دیکھا میں نے جس جاں پور حالِ قدرت پہ پتھری کچھ ظالم مجھ سے سن آہ جو اُٹھتی تھی دردِ دل سے تھی لپٹی ہوئی بیتابیوں سے یہ دل بیتاب رہ گیا آنسو تھے ہیں پر نہیں سو کی ہے چشمِ در ہم تو ایامِ مصیبت آج پھر آئے لگا جب یہاں دشمن جاں ہوں تو کب زندگی مجھ کو غفلت نے خبر ایامِ فرصت کی ندی	اے بادہ کشاں مفرہ کہ بھر ہر تر آیا شاید تہِ مژگاں کوئی نخست جگر آیا ہیری میں تو تک چونک کہ وقت سحر آیا جوم گرہ نے میسری زباں کو اٹل کیا کہ ایک بدر کا کاسہ پر از ہلال کیا ترے لبوں نے میسا سے کیا سول کیا جب بامِ دست ہاتھی کچھ دھڑ گیا نا سورتھا جگر میں سونا سورہ گیا یک ذرا کھولا تو دیکھا خانہ پُر دود تھا لہنی اپنی حد میں جو پٹہ تھا اک نود تھا اُس کے بائیں پردے کو آج ہی موجود تھا اشک جو گرتا تھا سو سخت جگر اود تھا اپنی پیش میں جل کے یہ سیاب رہ گیا دھیا اتر گیا ہے یہ گرداب رہ گیا یا اگر جلنے لگا تو دے مگر جانے لگا کون رہ بٹلا سکے جب خضر بکھلنے لگا آہ جب جاتے رہی دن تب میں کچھ پتا لگا
---	---

کب تک ایذا زلیب رہیں گا تو گروہ	حاصل باقی نہیں بس جی تو گم رہنے لگا
دل سدا سینہ میں جلتا ہی ہوا تو نے گوجر کو دلاسے میں لکھا دل ہوا ایسے زلف سیہ فام رہ گیا جب بیکتا ہو مجھ کو تو دیکھو گالیاں انگے دھل سکا تو کہ چے کو چھوڑ کر قدرت کس آسکے پہ ٹوٹی نینگی	دلختِ دل آنکھوں سے ڈھلتا ہی ہوا جی مرا تو بھی تو گھلتا ہی ہوا صیدِ ضعیف م کے تر دامہ رہ گیا اپنے نصیب کا یہ اک خاصہ رہ گیا خوشید جا کے تاب لب بام رہ گیا آنے سے سب تو نام و پیغام رہ گیا
آتشِ فروز دل جو تاحن شعلہ کا دھڑکتے ہو پاس اب کیا سینہ میں غریب کشتہ ہوں جانِ دل تیسے خندک لکڑیں آتش لب مرتا ہر نت بوج و دم شہیر کا خوابِ غفلت کو گئی تھی بن جنوں دل کو ابھی رنگِ عنقِ خشکاں جس جاے اڑ سکتے ہیں گھر سے جس وقت وہ فاخت گرایاں نکلا وہ دل جھج کر اٹھا جوئل سے اپنی	ہر اشک ہر شرارہ ہر آہ سبے بھید کا مدت سے لٹک چکا یہاں سامانِ آندک بحرِ کہاں میں ہیگا پیا سامے لہو کا اسے غور ناز کچھ بھی ٹکڑاں غنچہ کا آہ پھر کس نے یہ جھپٹا سلسلہ زنجیر کا ہوں ایسے ناتواں اس خاکِ دہشتگیر کا کون سے گہر کیا دیں سے مسلماں نکلا تو بیزِ شکن زلف پریشاں نکلا
اس چشم سے ہو کے آب نکلا جو نالہ جگر سے پار نکلا خط آیا دے ہمارے خط کا	سینہ سے دل خسر اب نکلا لے سینہ پر اک کہا اب نکلا منہ سے دترے جو اب نکلا
بیتِ سخن میں شبکہ ترنا انتظار تھا ایہ صبحی ایک بلجھا کی غماں کو پیسہ دستِ بظلم کو تیرے ہیں جتنے ہم خراب	کھٹکا ہر ایک دل کا مے جی کے پار تھا دل جو خندک دوست جگر جو نل طلب اس تعوی ہووے گا عالم میں کوئی کم خراب

نغم سے دل کے ابھی اسے چارہ کر تیا ہر	مت ڈوبے فائدہ چائے نہ کر مہر خوب
کھٹے رونا کھڑے سر کو پکنا	دل خوشا ایام اوقاست محبت
برزہ گردی سے رانی کے کھڑے	دل پھر مجھے نڈال میں اسے زخمی کھینچ
جان ہے وابستہ اس پکیاں کے ساتھ	دل میسر پہلو سے نہ اپنا تیر کھینچ
ذرا غص سے غص تو لا کے رکھ صیاد	دل کرتا اسیر کریں مل کے ایک جانیاد
جہاں نظر پڑے پاؤں تلے لے کاغذ	دل سمجھ کے نامہ مرا تھتھ میں نہ لے کاغذ
میں کیونکر اس کو لکھوں خط بجا شک و سہیلا	دل ادھر چلے قوم ادھر اس طرف گلے کاغذ
کسے جزغہ دل میں غما میں منظور ہو سار	دل مری آنکھوں میں تجوین دیدہ ناسور ہو سار
آہ روے پاک تیر کس طرح آہ و فخر	دل تخت دل جب چھار ہا ویدہ نناک پر
یہ دل شوریدہ جیسے ساتھ ہو زیریں	دل شہر محشر ہی رہا قدرت کی مشیت خاک
تجلی جلوہ چاہے توصیفی سید سیداکر	دل اگر دیدار کا طالب ہے تو آئینہ سیداکر
ہے نالہ شام آتش و آہ حسرت آتش	دل کیا زیت ہو اپنی ادھر آتش ادھر آتش
جزوغ تدارک نہیں اس دغ جگر کا	دل آتش کے جلے کو نہ کرے یہ جگر آتش
پھاہ کو اگر دغ کی چھاتی کے چھڑا دوں	دل خاشاک کے پہلو میں پھپھے آن کر آتش
چل بسے دنیا سے بن دیکھے ترا دیدار حیف	دل لے چلے حسرت بھر یہاں کر دل چھار حیف
جرم ریتیری مجھ سے کہیں کرتے ہیں قتل	دل حفظ جاں کے واسطے گر کیجئے انکار حیف
مگر پہلی ہی جب تلک آئے فساق	دل ورنہ کیا جاؤں کہ سر پر کیا بلا لاؤ فراق
زخم پہلوئے نہ پانی آہ دل ناکام تک	دل حیف پہنچا ہر نہ اپنا کار شوق انجام تک
مسح کے ہوسق ہی ہو جس کی یہ حالت	دل آہ وہ بیچارہ پھر جیسے گا کیونکر شام تک
کر چکا ہے کام اپنا یہاں تو درد انتظار	دل جب تلک پہنچو تو قاصد اس پہنچے کام تک
ہر دم کہتے تھے کہ قدرت مست چمن کی باہل	دل لے گئی آخر ہوا سے گل شکنج دام تک

دل	رنگ کچھ اجڑی بدلتا ہے مرا بیتا تب دل
دل	گئے تھے آگے اس وہ پہنچ کر اپنا نامن ہم
دل	ہو ایوں پھر کئی اس بزم کی اپنے نصیبوں سے
دل	شب بھر میں کو قدرت اس طرح ہم روکتے ہیں
دل	جوں نقش قدم ہیں تے دے خاک نشیں ہم
دل	نسبت ہے ہماری تری جوں سایہ خورشید
دل	گئے وہ دن کہ پلک ملتے یاں دیبا ہے
دل	تیرے جاں سوختہ خورشید قیامتیں
دل	نیصیح مست مر ہم کافر تو قدرت کے حضور
دل	ابرو ترے کہتے ہیں کہ میں تیغ دوسرے میں
دل	شائستہ دنیا دہسنا دار ہوں دیں کا
دل	دل سے کہاں نے کہ سینہ میں یاں رہوں
دل	قدرت بزرگ خاک بھی آرام کب ملے
دل	اگ اُس دغ کو لگیو کہ نہک سو نہیں
دل	مر جب آتش دوری کہ جلا یا ایسا
دل	زخم پر زخم لگتے تب ہو جلتی دل کی
دل	شام کو دھوتا ہوں سو خون جگر سے آستیں
دل	تو بھی کم ابر بہاری سے نہیں اے چشم تر
دل	نعت دل ادا شک ہرگز خاک پر گرنے نہ دے
دل	جنوں تیرے ناخن مگر گھس گئے ہیں
دل	پکٹنے لگے اشک لگلوں مرہ سے
دل	سے گھڑی آتش کا کالہ گھڑی سیاب دل
دل	اگر تو ہے نہیں مددنی تو جاوےں آہ کس کن ہم
دل	گئے جاتے ہیں ادب سے تیرے لیکر دشمن ہم
دل	کبھی ہر کو پکٹتے ہیں کبھی کتے ہیں شیون ہم
دل	تا مٹ نہ چکیں آپ سے چھوڑیں نہ نہیں ہم
دل	جس جا نہیں تو ہم ہیں جہاں تو ہو نہیں ہم
دل	اب بعد خون جگر چشم کو تر کرتے ہیں
دل	ہر سر پہ سببے ناسور جگر کرتے ہیں
دل	یہ علاج اور ہی زخموں پہ اثر کرتے ہیں
دل	عاشق کا یہ دعویٰ ہے کہ میں سینہ پہ میں
دل	ای دے میں قدرت نہ ادھر ہوں نہ ادھر ہوں
دل	ناوک یہ پوچھتی ہے جہلا میں کہاں رہوں
دل	یہ درد و دغ سا قہر ہے جگر جہاں رہوں
دل	پھر لے وہ آنکھ جو تخت جگر آلود نہیں
دل	جل بجھے سر سے لے پاؤں تھک اور نہیں
دل	حوصلے پر مے اک زخم کچھ کھنڈ نہیں
دل	صبح خون آلود ہے پھر چشم تر سے آستیں
دل	کر دے اب رشک کچھن خون جگر سے آستیں
دل	بہرے ہی قدرت تو اس لعل گہر سے آستیں
دل	کہ عقدہ پڑا ہے بکار گریباں
دل	پہر آئی ہے فصل بکار گریباں

<p>دل ہو گئے پائل تیرے حسرت پاؤں میں دل کوئی بچتا ہے اسے ظالم حسدِ بد کو دل زخمِ سینہ سے سدا آفت رہی ناسود کو دل دے سرِ ناخن سے پہلے آشتی انگور کو دل نہ دے بریاؤں کے ظالم غیبِ غمکِ لداں کو دل گریباںِ دھندلے سے جو دامن کو اور دامن گریباں کو</p>	<p>خانہ کے قافلے اس رہ میں جو نقشِ قدم بد کر مرہم سے دینِ سینہ پود کو دل نے دل کو مرے تنہا نہ چھوڑا ایک دم تب مراد دے گا قدرت زخمِ سینہ پر نیک نہ جا اس بزم سے ہر گز جھٹکت طرفِ دلائل ہو دوست جنوں سے تار تار ازبیکِ چین</p>
<p>دل یہ شامِ غم ہماری اب کس طرح مسرور دل ہماچھیر پوست مرے استخوان کو دل کہ سینہ سے لب تک نہیں مفاصل کو دل کیا ہم نے آخر زمیں آسماں کو دل مرہم تازہ ناسود کہن چھونے ہے دل جو شہرِ دل سے اٹھا سو جلوہِ طاؤس ہو دل اب دو دینِ تنگ ہو اور رخصتِ ناموس دل کیا ہو ملکِ دم و کیا ہی سزمینِ دوس ہے دل چل دکھاؤں تو کہ قیدِ آرزو کا مجبوس ہے دل جس جگہ جانِ تنہا سو طرحِ مایوس ہے دل یہ سکند ہے یہ دار اسے یہ کیا دوس ہے دل کچھ بھی ان کے ساتھ غیرِ از حسرت و انوس دل سچ رہن جامِ مے پھر فرقہ سالوس ہے دل قہرِ بیدا و جدِ مرغِ کوئے گھڑاس کا ہے دل دیکھ اُس راہِ نہ چل راہِ گدراُس کا ہے</p>	<p>دل تم نے تو منہ چھپایا اُس زلفِ جبریں میں دل میں رکھا ہے ہر دوکماں کے نشان کو دل گھو گھو سے ریلِ تلک تا توانی دل آڑائی زبں خاکِ ماتم میں دل کے دل فوجِ فشتی سے خیمہ دار کیاں بھاتی ہو دل کس کی نیزنگی یہ برقِ خاطرِ مایوس ہو دل صبرِ طاعت تو بھی کے کچھ یہاں ہو کر گزرو دل کل ہو اس طرح سے تریختی تھی مجھ دل سستہ سی جیت یہ بولی اک تاشائیں تجھے دل لے گئی کیا لگی گورِ غریباں کی طرف دل مر قیدیں دینِ دکھا کر لگی کئے بچے دل پوچھ تو ان سے کہ وہاں و کنت دینا سو کج دل کل تو قدرتِ پائے غم رکھتے تھی سوچ یا دل سینہ اُس کا جو دل اُس کا جو جلاں کا ہو دل اس گلی سے جو کوئی گدرا سبھی کو گندے</p>

تخیم غم دل میں جو بویا تھا ٹھٹھڑا کر ہے	محنت دل نوک خضر پر نہ سمجھ اے ہدم
نہ ہونا چشم کا ہستہ تھا ایسی گور آنکھوں سے جدا ہوتے نہیں جاوے نگو کو در آنکھوں سے	نہ تھی تاب نگہ جب لگ گیا وہ دور آنکھوں سے ہاں جاوے وہ دور دیدہ آنکھوں کے مقابل ہر
اشارات بات کی کرتا ہے جوں بجز آنکھوں سے کہ چشم مور سے بھی تنگ تر ملک لیاں ہے	زباں قدرت کی منصف ہر کردیں ہر لکنتیں کر اقیم قناعت کا سفر تابہ پر روشن ہو
یہ کچھ شاعر نہیں ہے اپنے دل کا مریہ خواں ہے کیا میں دادی الفت کو ملے اکہ جنبش دل سے	لب قدرت سے بزرگ با کچھ ریش نہیں کرتا نہ واقف کارواں سر ہوں نہ بچہ آگاہ منزل سے
سر شریکوں ملک اک اشک اب آتا ہر شکل سے نہ ہو غافل ارے صیاد صید نیم سہل سے	گئے دھون کے بہتہ تھڑے نلے ان آنکھوں سے کرتے تو فوج جب تک احد کو یہ مفت مڑتا ہے
کدھر فرما د شیریں ہے کدھر چلی و مجسٹوں ہے یہ سر ہے اہل ذوق آتیں اور چشم پڑھوں ہے	خفیت بوجھ ملنے کو کہ یہ عالم اک افسوں ہر تو کیا سامان پوچھے ہو کہ تجہ بن کیونکر گدے ہے
نقل ہے قیامت ہے غیبیت ہے غیبیت دست امید ہے اور دامن ملو سی ہے	آساں نہ لٹے گی یہ جدائی کی جو شب ہے دل پڑوں ہے اور حسرت پایوسی ہے
تیر بیدار سدا در پہے جا سوسی ہے لے بیٹے لئے مگر تیری زباں چوسی ہے	دل گم گشتہ خبر واد کہ یاں سینہ میں دم جاں بخش کی اُس کے جوڑی ہے یہ دھوم
نقش پاسے مے جدہ کو ہم آغوشی ہے	جس جگہ جلوہ ترانہ نہ ہوشی ہے
اے خانہ خراب تو کہاں ہے	آہ یہ کون سی منزل ہے کہ کھتے ہی قدم
وہ زخم نہیں وبال ہاں ہے	سرکشہ ترے لئے جاں ہے
گرفتہ کمر باریخ رنگاں ہے	جو زخم کہ ہو چکے نہ ناسور
آئینہ حال رہ رواں ہے	قدرت تک کھول چشم عبرت
	جو نقش قدم ہے اس زمیں پر

دل	اشک کی بستی کچھ غم رہے
دل	اتوار میں منزل سے نہیں اٹھتے قدم
دل	ہر آن اک ستم ہے ہر لحظہ کل جفا ہے
دل	ملتا نہیں کسی سے اس پہ کیا نصیبت
دل	ہو گرد و باو جید مر دم کو اُدھر ہے جانا
دل	نہشت دل مڑ گاں پہ شاید جم ہے
دل	ہم رہاں آگے چلو تم ہم رہے
دل	کوچہ تر ہے ظالم یاد شیت کر رہا ہے
دل	یار بے دل ہمارا کس سے جدا ہوا ہے
دل	مصر میں گم رہوں کا یہ غصہ رہ نہا ہے

باب الحاکف

۱۔ کلیم

کلیم تخلص، شیخ محمد حسین نام۔ شاہ جہان آبادی۔ مشہور سخنور ہے دلی کا مہتمم تہذیب میں میر تقی میر تخلص کے قتلہ ایک رسالہ عرض و قافیہ کا اس نے زبان ریختہ میں لکھا ہے، اور خصوصاً حکم کا ترجمہ بھی زبان ہندی میں کیا ہے۔ ایک نثر ادبی رنگین زبان ریختہ میں ریختہ قلم معنی رقم رکھتا ہے۔ لیکن باوصف اس خوش گوئی کے کلام شہریت کم رکھتا ہے۔ حمد و ست میں اموشا بن خروہ کی لکھا کے ایام اس کے شعر و شاعری کا تھا، اور زمرہ پروان شاہ جہان آباد کے ساتھ ہم سفر و ہم نوا تھا۔ چنانچہ دلی میں اس خرابہ دار فانی سے گندہ، اور قلم بیت المعمور کا شانہ باقی کا ہوا صاحب کلین اور شاعر شیریں بیان تھا۔ یہ اس کلیم طہر خندانہ کے کلام سے ہے۔

دل	کو روئے رضواں کو میں اک آن میں دیکھا
دل	لگتی ہے اب تو قفل مینا کو دل کو نہیں
دل	قبضہ بھی لئے ہمارا گیا اپنے کلیم
دل	رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ سنہریچ
دل	ہو چکا شہر گئی رونق و جنت کو خلق
دل	جب گل کی طرح جھانک کر بیان میں دیکھا
دل	وعدن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا
دل	آہ کیوں دیو دل اپنا نہ کسی کو سہنپا
دل	اے دل سب کے جانیو ہے راہ با پیچ
دل	رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہمنور

دل	دل	پوچھت غم کی داستانِ محول	دل	کر پڑا ٹوٹ آسماں اسے دل
دل	دل	ہیری کی بھی سیر کر گئے ہم	دل	اس پل سے بھی بس گزر گئے ہم
دل	دل	واں غصہ ہونے رقیب پر تم	دل	یاں مارے ادب کے مر گئے ہم
دل	دل	بات اُس کی زبان پر آئی	دل	پھر خرابی جہان پر آئی
دل	دل	غورِ حنِ مکن کیا کسی کی داؤ کو پہنچے	دل	غرض ہم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے
دل	دل	اُس کے برو کی اگر تصویر کھینچا چاہئے	دل	اُفل اپنے قتلِ شمشیر کھینچا چاہئے
دل	دل	عرقِ ہونہ پہ ترے یا گلاب شیکے ہو	دل	عجب ہے مجھ کو کہ شعلہ سے آب شیکے ہو
دل	دل	تجے میں آنکھوں میں کیونکر رکھوں کہ ہوتا	دل	پھر ایسا گھر کہ یہ خانہ خسار شیکے ہے
دل	دل	گھر و تو چمن میں اچھپسی نہ گیا	دل	یہ دل بھی کلی سے بے کلی سے نہ گیا
دل	دل	جو کوئی گیا دل کو گیسّا چھوڑیاں	دل	دل سے تو کوئی تیسری گلی سے نہ گیا
دل	دل	دنیا کے ہاتھ سے جو دل ریش میں ہم	دل	اس واسطے یاں عاقبت اندیش میں ہم
دل	دل	دنیا داری و نوکری محنت و کسب	دل	جب کچھ نہ بنا لیا کہ درویش ہیں ہم

بابِ اللام

۱۔ لُطْف

لُطْف تخلص امیرِ اعلیٰ نام۔ ماقم ہے اس چند اوراق پر نشانِ کا، کہ مانند امیرِ اعلیٰ اپنے کے
سیاہ کئے۔ اور ہم گرامی والدِ بزرگوار کا اس خاکسار کے کاظمِ بیک خاں ہے۔ متوطنِ اسطر آبادِ فوجات
بنیاد کے ہیں۔ سہ لاکھ گیارہ سو چوبیس ہجری میں نادر شاہ کے ساتھ شاہِ جہان آباد میں تشریف لائے
اور اب تصورِ خاں مصدرِ جنگ کی وساطت سے، کہ آپس میں معرفت و ولایت کی تھی ہم صدرِ رعایا
بادشاہی ہوئے۔ آگے بیانِ امورات و ذیوی باعثِ طویلِ کلام کا، اور وہ معاملہ دیکھا ہوئے خاص

عام کا۔ بہ حال غزل فارسی کے کہنے میں حضرت کو یہ طوئی تھا، اور جو ہی تخلص آپ کا تھا۔ اس نندگی
 میں انعام رہندی کا التزام ہے، اس سبب سے یہاں لکھا نہیں گیا آپ کا کلام ہے۔ اصل غزل
 لی اس بھیمان کو آپ ہی کی جناب سے ہے، اور مشورہ ریختہ کا خط اپنی ہی طبع ناصر ابے۔ یہ قد
 پرے کتنی ایک کہ سراب گاہ طبع ناقص کے فراہم ہوئے تھے، عرض خدمت ارباب معنی کے
 کئے جاتے ہیں۔

<p>پاس ناموس محبت فرض ہے پردہ دار بیل بل میں وہ جوش سر دہی میں یہ ربط غیلہ ز شکایت ہے مری جانب کے آج چمن کو گل جرتی ہے کٹی کا دھیان آیا رہا جو زندہ شب تیرہ فراق میں قیس جو عرض ہو شاید تو وصل ہوے نصیب نہ آنکھ بھر کے کھوڑے ہم تو دیکھ کے نہ کرے بلبل دل سوختہ صیتا و کاشکوا نہیں شیریں کچھ موقوف یہ قیمت کی جوئی میں اپنی سرفراست ہے کیا شاکلی تماکشیں نہ تنہا نہیں ہی اپنی خانہ ویرانی کاشاکی ہوں ترے کا نور ملک بھی لطف کچھ آواز آتا ہو ایک دن محل دل زار نہ دیکھنا سنا دیکھ کر بغض مری رو کے لگا کئے طیب وہ مجھے تم نے دکھایا ہو کہ عیقہ کئے جو بخت دل کرتا ہو کیا کیا صعب تر گاں پر تو</p>	<p>شمع ساں سوز شب جہاں زبان پر لائیں کیا گلستان دہر میں چرل کرتیں ابھائیں کیا سن کے کہیں کے قندواں اب کھینچو کیا ہر ایک پاشک کھڑکے پہل کا کان رہا سیاہ غیر پیلی کا اس کو دھیان رہا یہ زندگی جو تھی اس میں تو امتحان رہا وہ سامنے بھی اگر اپنے ایک آن رہا کہ جاں بازوں کو دیں میں کفر و جلا و شکوا زبان تیشہ سے کوئی نئے فسر لاد کاشکوا تسلی ہو گئی قری سے سن شمشاد کاشکوا کرے ہواک جہاں اس غاناں آباد کاشکوا ہے اک عالم کو تیسے نالہ و فریاد کاشکوا سچ تو یہ تھو ساجھی دلدار نہ دیکھنا سنا کبھی میں نے تو یہ آزار نہ دیکھا سنا کبھی اسے دیدہ غبار نہ دیکھا سنا اس جواں ساجھی نمودار نہ دیکھا سنا</p>
---	---

چشم اور گوش زمانہ ہیں مگر اس کو لطف
سے شمس شدت کی ٹپکینی کوئے یاد کا چرچا
وہ کلہاڑہ ہائے اسرار محبت تو فریست جہر
برنگ پیکر تصویر رہتا ہوں سدا ساکت
بھیں ہو یا نہ کہوچے سے یہ فرصت کہاں بھم
بیان ہودل کس لطف سے کرتے بہتر انوس
زہے غفلت کہ ہم دنیا کو بزمِ وحش سمجھتے
نہ کرے لطف نافرمان ہر سرِ بخت
اتیس نہ ہوا ہم سے سرِ بنجام محبت
فرہاد سا نہ رنگ نہ مجنوں سا کیا حال
کیونکر نہ بھلا ہم ہوں زندگی اب مشکل
اک آہ کے کرتے کو سوچا ہمیں تہیدیں
دو لاکھ پہلے ہوں نت روتے دو آسنو
یاروں نے یہ تو کہنی کیا کیا بھانیاں ہیں
میں کیا ہوں باختہ رنگ اس شعلہ کو آگ
اک جوئے شیر بے اے آفریں ہو فرہاد
کب غمچہ دل اپنا دلا شعلہ بھرتے
طاقت جا بیاں اک نظارہ کی ملی ہے
کعبے ہم نہ واقف نہ تنگدہ سو آگاہ
اُس کا سر دوسرے ذکر ہے نام نہ اجڑی بات
اگر لطف اس غزل پر کہتا بقول سودا

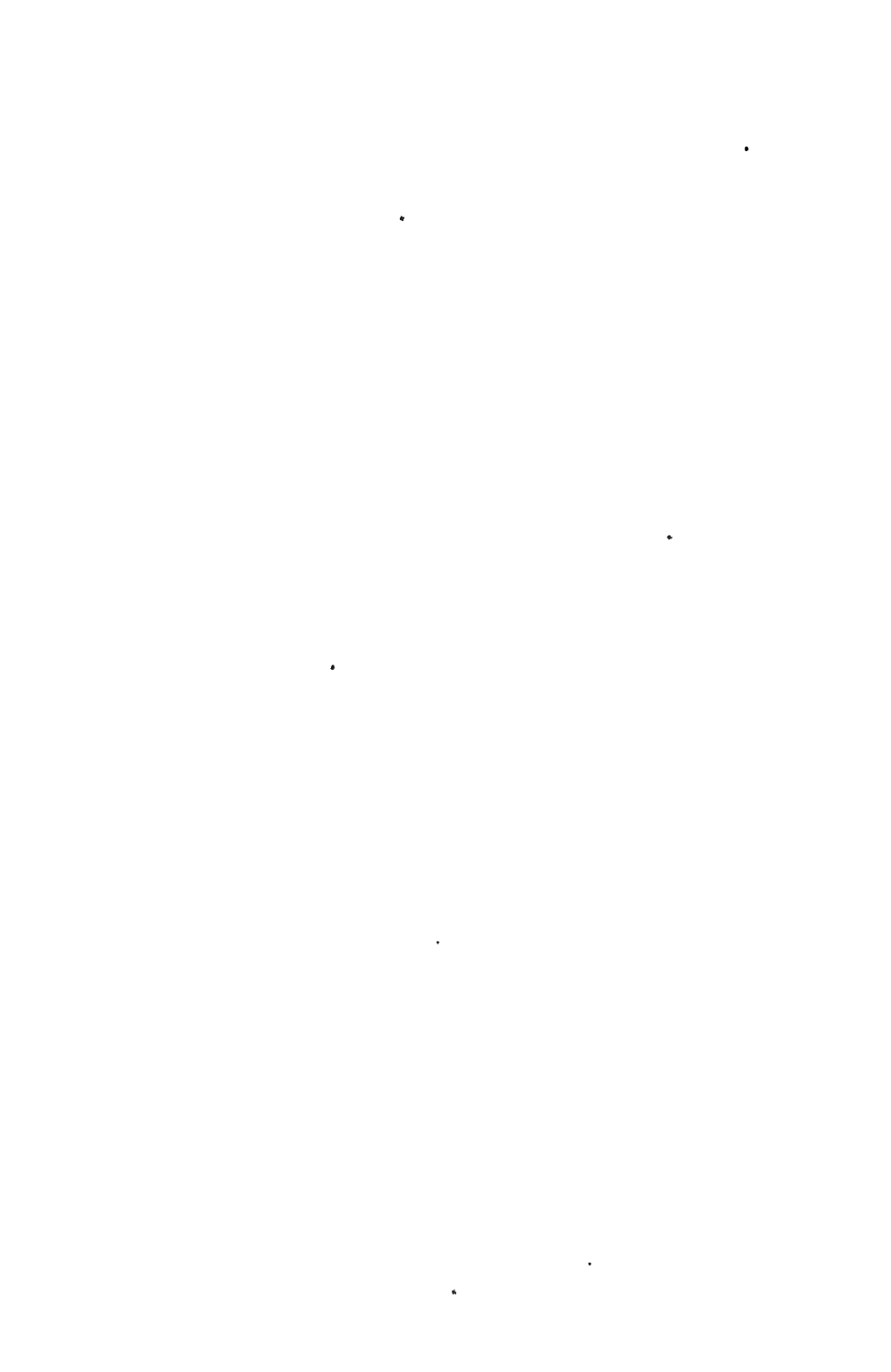
ثانی حیدر کرکڑ نہ دیکھا نہ سنا
دل کہ بھولا عند لیبوں کو گل گلزار کا چرچا
ہوا ہے اب حکموں میں مری آزار کا چرچا
ہر اس پراس کی غفل میں مری گفتار کا چرچا
کہ اب دن رات بیٹھے کیجئے اغیار کا چرچا
جو ہوتا بزم میں اس کی گہمی اشعار کا چرچا
کھلی چشم حقیقت میں تو کام اڑا ہا بھلا
یہی رستہ تو کھا کر چھپے کہ بکھو جا بھلا
شرماتا ہے دل لیتے ہوئے نامحبت
کس منہ سے اُسے بھیجے پیغام محبت
ہیں دل میں تو سوا تین ہونہ جنش شکل
دل کس کو کہیں حال لہو آبِ غب مشکل
دو دن کا ہوا جینا ہم کو غمِ غضب مشکل
بے وجہ کچھ نہیں یہ ہم سے کھانیاں ہیں
دل ہوتا کبھی منہ پر چھپتی ہونیاں ہیں
کیا بے ستوں میں غل کی نہری پائیاں ہیں
گو سیکڑوں گلوں کی عقدہ کشائیاں ہیں
ہن فرصتوں پہ ظالم یہ خودنائیاں ہیں
یہاں آستانِ گل ہوا ہر سائین ہیں
غمچہ کو دل سے ڈھب باتیں لائیاں ہیں
یہ عاشقی نہیں ہر روز آنائیاں ہیں

<p>کسے ہم اڑیاں رگڑتے ہیں نخت دل یوں مڑے سوجھتے ہیں ورنہ اب یار ہی بسہرتی ہیں</p>	<p>او میاں تیغ والے ادا کز تم ہر گنگ جس منہ خزاں میں نہیں بس غم یار اب بسہرتی</p>
<p>ہم ہیں کج غم میں یہاں اوجھان کر لیاں یاں بدن پہ ہے جو دم دلی سے ٹکڑیاں یا وہیں حل پریشاں کی مرے کچھ خواہیاں ہم پہیاں موئے بنت کرتے ہیں فشر زائیاں یاں مری پھلتی تپ ہیں کاسے لہریاں تم وہاں چتون کی دکھلانے ہو جا دو گاریاں گنگو کی تم دکھلانے ہو وہاں طسریاں دشمنوں سے یہاں بھیا کر ہمیں کرتے زاریاں کھنچ گئیں یاں طول شدت سے مری ساریاں سو جھتی ہیں وہاں تہیں ہر بات میں تہ لیاں اُن بھلاؤں سے وہ باتوں میں تری عقیدیاں</p>	<p>تم ہو بزمِ میث ہے وہاں اور صحبت دریاں تم کو سیرِ باغ و گلشت چمن کا وہاں ہے شوق وہیاں ہے آرائش زلف پریشاں تھیں تم صفا و سادہ بازو دکھانے ہو وہاں تمہے دکھائی وہاں سپت اور چوٹی کی پھین نیک بد و دونوں کی یہاں ہم نے تو اکھین نہیں یہاں بزرگ پیکرِ تقویٰ ہم خاموش ہیں تمہے تم مانے ہو وہاں با وازِ بلند ہر مریض غم کی جان بخشی کاسے تم کو وہیاں اضطرابِ دل سے بے پروہ ہو یاں راہِ عشق کیا کسی سے بات کیجے مجھ لے اک م نہیں</p>
<p>دھرا ہے آبلہ دل ہمارے پہلو میں نہاں ہو یہاں وہی عالم ہلکا آنسو میں لے ہو وضعِ فلک کی بہت ترخہ میں کے شے جلا کر دیتی آہ کو ہر کو نہ آساں بھیجیو پانا سہیختی ہنر کو نہیں گو کچھ بھی نقشِ بویا تو ہو گا بستر کو دفا دشمن شتابی کر ذرا بسہرتی ساخو کو</p>	<p>نہیں یہ شیشہ مت اور مستی دھریں کب اپنی چشم میں طوفانِ بیخ کو ہو قدر اگرچہ فرق نہیں آسمان کا ہے تاہم خوار کیسی سے کیا مزرِ پاکیزہ چھر کو گنجا سر سے مانندِ قلم کہے سرِ شہی کبھی تو خاکِ سادل کا بھی غم خانہ درویش چھلکتا عمر اک اک میں تپا دہو اساقی</p>

پھر مجھوں کا دل سنگِ طاقت کو نہ مرنے تک
 کیا ہم نے تو ترک مدعا کو مدعا پسنا
 نہیں معلوم کیا اس سینہ سوزاں میں پنہاں
 نہ میں فرما دوں اگر عشق نہ مجھوں لختہ
 تری طرزِ سخن پہنچی کہیں اسے لطفِ گلشن میں
 جس دن سے ہم جنوں کے ہیں ماں لگو ہوئے
 اللہ سے قید خانہ ہستی کو دم کے ساتھ
 رو یا میں دیکھ مرقدِ محنوں کو دھار مار
 باسے چھوڑا سیرِ بلا اس گلی میں آج
 بیمار کا جسے تو کھلا حال بعد مرگ
 یا رانِ پیش رو ذرا ٹھیرو کہ جوں جس
 سکھ سچ کہ قدم مرے داوی میں گرد باد
 کوئی تو میرے ناصح و ناسے یہ کہو
 کیا دن تھو وہ بھی لطف کر تو خوش لب
 خورشید کی بھی آنکھ فلک پر چھپک گئی
 سب کتا نہ گیر اپنے اور بیگانے ہوئے
 شہر میں پایا نہ تیرے جو رہتے شہر اک اب
 بزم میں آیا جو شبِ مملُحِ خوں شمع سے
 سنتے ہیں کی محبت نے بیعتِ دستِ سبو
 تو تو کس کا آشنا ہے ہاں مگر کہنے کو ہم
 روشن ضمیر کیونکہ نہ ہوں دل کو تلخ سے

بُرا ہی چاہئے بحرِ جنوں میں بار لنگر کو
 خدا تو فیق بخشے نیک چن سفلہ پرورد کو
 کہ ہر تارِ نفس جوں رشتہ شمع کج سوزاں
 مرا کھنکھناتے تبتلا تو کیوں کوہ و بیاباں ہر
 تنہا انداز سے بلبلِ حزن میں اغبل غراں
 دامن کی جاہیاں ہیں گریباں لگو ہوئے
 ہر اک قدم پہ لاکھوں میں نہاں لگو ہوئے
 تھے جانے گل و درخت منیلاں لگو ہوئے
 ہیں تو وہ دانے گنجِ شہیاں لگے ہوئے
 سینہ میں زخم تھے کئی پنہاں لگو ہوئے
 ہم چھپے چھپے آئے ہیں نالاں لگو ہوئے
 پاؤں سے اپڑیں یہ بیاباں لگو ہوئے
 دل چھوٹے ہیں باتوں میں نلاں لگو ہوئے
 کانوں سے اس کو ہم سر پریشاں لگو ہوئے
 دل جو گرہِ نقاب کی اس کے سرک گئی
 اب کی فصلِ گل میں ہم بے طرح دیوے ہوئے
 گھر بگھر ظالم مرے مذکور افسانے ہوئے
 بلبلوں کی طرح جی دینے کو پروا نہ ہوئے
 مزدورے نوشاں کہ پھر آباد ہوئے ہوئے
 آشنا ہو تجھ سے اک عالم کیو گاتے ہوئے
 خورشید کو جو کسبِ حیا اس چرخ سے

<p>ہوئے خودی گل گئی گل کے دلیغ سے کچھ عدم میں کاٹتے تھے کس فداغ سے صوت ہزار کمر نہیں منسریہ زلف سے کیا خاک وہ شگفتہ گلگشت باغ سے دل ان سے ہیں مسدود راہیں نامہ پیغام کی حق رکھے بنیاد قائم گردشش آیام کی ہر قدم پر جان ماری ہے دل ناکام کی گردش گردوں کو ہم کہتے تھے گردش نام کی اب ہوئی معلوم محنت گردش آیام کی</p>	<p>وہ خود فروغ آگیا بارے چمن میں گل ہو دے فضا ئے ہستی مہو م کا بڑا اس گلبدن بغیب ہمیں سر باغ میں جس دل ندے کو فتنہ بیل ہو باغ باغ دیکھنا جن صورتوں کا شکل تھی آرام کی نصرت ایوانِ ملن اب ہم ہیں آزاد کی یہ ماننے ان تنگ کوچوں کی غصا صحر کی لکھ گردش چشم تباں کے بسکہ ساغر نوش تھو جبے کھینچا لطف ریخ فرقت یا دویا</p>
<p>جس پر کہ پڑے آنکھ سودا واد سا بن جائے سینہ میں یہ عالم ہو کھجور کا لہجہ بن جائے اشد کرے تاج و دروٹا ہو امن جائے دل خود بخود کچھ دھکچے او دھر او دھر ہم رک گئے بول اُسے نگہرا کے جب آخر کے تین دم رک گئے دل بیٹھائی متوڑی سی جیبا ہر کو بہت سی تم نے دھر گھٹائی دل کے کی خلقت کہ پہچانی بس دھو کیہ دھون کی آشنائی</p>	<p>کیوں دل پہرے جا دو ان آنکھوں کا نہ بھنکا پلکیں وہ نکلیں کہ نظر جب پڑے ان پر بے چین بہت لطف کی سہل کی طبیعت دل کیا سبب بتلائیں ہنستے ہنستے باہم رک گئے دیر تک منبہ سخن کل اس میں او دھر میں رہا دل ادھر سے تپنی لگا نکلتی کی ادھر سے اتنی ہوئی بھائی نہ پہچانی گزرونا وہ دوجی نہیں کہ کچھ تم کو دھیان اس کا</p>
<p>یہ دل جام کے جم سے کہ مجھ کو دیکھو کہتا ہے سکند سے کہ منہ تو دیکھو جو خاک نشینوں کے تئیں جا بے مقیم اگر خم نہ ہو ماہ نو برا کئے تغلیم</p>	<p>جس کے کہے بزم مری بود دیکھو ہر آئینہ آئینہ محل کا تیرے منہ کہتے ہیں کیا صاحب تاج و یوم ہم ہر کلمہ ٹھا دیکھیں نہ گردوں کی نظر</p>



باب المیم

میر تخلص، نام نامی اس نگین خاتم سخن آفرینی کا میر محمد تقی ہے۔ متوطن اکبر آباد کے۔
 سرحد الدین علی خاں آرزو تخلص آپ کے کچھ رشتہ داروں میں دو رکھے تھے۔ ابتدائے سن شہود سے
 پرورش انہوں نے دارالخلافت شاہ جان آباد میں پائی ہے، اور خان مذکور کے فیضِ صحبت سے
 قلمِ ریختہ کی کیفیت باریکیوں کے ساتھ اٹھائی ہے۔ تازگیِ مضمون کی اور ملامتِ معانی کا بیان سے ان
 کے ظاہر ہے، فی الحقیقت کہ شاعر مذکور ملاحظتوں سے ریختہ کی بخوبی ماہر ہے۔ جو شخص کہ تطاہر کا و
 سخن میں شہمِ غرور وہیں رکھتا ہے، اور چاشنیِ غرور سے امتیازِ ذائقہ تلخ و شیریں رکھتا ہے۔ تو وہ اس
 بات کو جانتا ہے، اور اس رمزِ کچھ جانتا ہے۔ کہ میر شیریں مقال میں، اور ریختہ گویان سابقِ مال
 میں، نسبتِ غرور و ماہ ہے، اور فرقِ سفید و سیام ہے، بلکہ جواب اگر مانع نہ ہو بیان کا، تو تفاوت
 ہے زمینِ آسمان کا۔ غرض اس تردد سے زبانِ قلم کی، اور اس خراش سے عارضِ مقل کی، مراد یہ
 ہے کہ ناقد ذاتی سے انضیا کی، اور نا بھمی سے اہل دنیا کی، اب بازارِ سخن سازی اس درجہ کا سد
 ہے، اور ہوا، شہرستانِ معنی طرازی اس مرتبہ فاسد، کہ میر سا شاعر جو کہ سحرِ کاری سخن میں طلسمِ سام ہے
 خیال کا، اور جادو طرازی بیان میں معانی پر دوازے مقال کا، وہ نانِ شبینہ کا قلع ہے، اور
 بات کوئی نہیں اس کی پوچھتا ہے جس ایام میں کہ درخواستِ صاحبانِ عالی شان کی زبان
 و نمانِ ریختہ کے مقدمہ میں کھلتے سے لکھنو گئی، تو پہلے کنیل اسکاٹ صاحب کے ربوہ تقریب
 سمیر کی ہوئی، لیکن علتِ ہیری سے یہ پیارِ محمول کے محمول ہوئے، اور جو انانِ نوشتی مری گری سے
 فوتِ بونی کے مقبول ہوئے۔

زمانہ خوشِ طبیعتوں سے کمی نہیں خالی ہے، اکثر اہل لکھنو بچا رہتے تھے کہ کھلتے میں شاعری
 کی جادو غرورِ حمالی ہے، کس واسطے کہ یہ جانتے سب اہل تمیز ہیں، کہ آج بھی بوڑھے کے سامنے

نوجوان غم کے میں ہو رہی ہیں۔ اب بھی جو بوجہ تکنتِ معنی کا بوجہ قلیلِ طبع سے ترازو کر کے وہ دکھاتا ہے جو ان
 اگر کوہِ بقیہ میں ہے تو قحط سے اُس کے کمر چراتا ہے۔ بہتر تقدیر غرض جب میرزا محمد رفیع سودا بلند لکھنؤ
 میں اس درخانی سے عالمِ باقی کو سدھارے، تو میرزا شاہ جہان آباد میں تھے یہ ۱۹۶۷ء لکھنؤ
 ستا نوے ہجری میں ریاتِ عزم اس صاحبِ لشکرِ خلیفہ تازم کے حرکت میں آئے، اور غور و دولت
 لکھنؤ میں تشریف لائے۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے روزِ ملازمت خلعتِ فاخرہ دیا، اور تین سو
 روپے مشاہرہ مقرر کر کے تحمین علی خاں ناظر کے سپرد کیا۔ اگرچہ گرفتہِ نرہی سے ان کی روز بروز محبت
 نواب مرحوم سے بگڑتی گئی، لیکن تنخواہ میں کمی نہ تصور ہوا۔ اور نواب سعادت علی خاں بہادر کے
 عہدِ وزارت میں آج کے دن تک، کمرشل بارہ سو پندرہ ہجری میں، وہی حال ہے، جو اوپر مذکور
 ہوا۔ اقسامِ نظم میں یہ صدرِ نشین بارگاہِ سخندانہ بہرِ قسمِ کلیدِ خانہِ معرنا لکھتا ہے، لیکن سچ تو یہ ہے کہ
 تعلیمِ غزل میں سید بیضا لکھتا ہے۔ قصیدہ و ختم میرزا محمد رفیع سودا پر ہوا، ہاں طرزِ شنوی کی بھی ان کی
 بہت خوب ہے، مضمناً دریا سے عشق، جوان کی شنوی ہے، مالکِ جہان کے مرغوب ہے۔ یہ رہنا قوم
 سخن سرا یہ گان کا مالک چار کتاب پر دلیل و برہان ہے یعنی صاحبِ چار دیوان، خوش بندش خوش
 بیان ہے مثنویاں بھی متعدد ان سے ثبتِ جریدہ روزگار میں۔ یہ غزلیں ان کی منتخب
 افکار ہیں +

اس دور میں الٹی محبت کو کیا ہوا	چھوڑا دیا کو ان نے مروت کو کیا ہوا
امید وارِ وعدہ دیدارِ مرچلے	آتے ہی آتے یار و قیامت کو کیا ہوا
چمن میں گل نے جو گل دعوے جمال کیا	دور جمال یار نے منہ اُس کا غیبِ لال کیا
بہارِ رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو	چمن کو نہیں قدم نے ترے نہ مال کیا
لگا نہ دل کو کہیں کیا نہ انہیں تو نے	جو کچھ کہ میر کا اس عاشق نے حل کیا
بتیاب جی کو دیکھا دل کو کیا ب دیکھا	دل جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا
دل کا نہیں ٹھکانا حالتِ جگر کی کم ہے	دل تیرے بلا کشوں کا ہم نے حساب دیکھا

<p>لیتے ہی نام اُس کا سوتے سوچ نہ گئے ہمارے آگے تراجب کسی نے نام لیا خواب رہتے تھے مسجد کے آگے بُت خانہ وہ کج روش نہ ملا راستے میں ہم سے کہو پیغام غم جگر کا گلزار تک نہ پہنچا اُس تیندے کے مانند زنگار جس کو کھا جانے لبریز شگہ تھے ہم لیکن حضور اُس کے مستوی غور وئی دونوں نہ جمع ہو دیں یوسف کے لئے تا گل بو گل کرے کے تاشع</p>	<p>ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب کیا دل تم زندہ کو ہم نے تمام تمام لیا نگاہ مستی ساقی کے انتقام لیا نہ سیدھی طرح سے اُن نے اسلام لیا نالہ مرا چمن کی دیوار تک نہ پہنچا کام اپنا اُس کے غم میں دیوار تک نہ پہنچا کار شکایت اپنا گفتار تک نہ پہنچا غبی کا کام کس کے اہلکار تک نہ پہنچا یہ حسن کس کہے کے بازو تک نہ پہنچا</p>
<p>گل کو خوب میں قیاس کیا میں تک شمع کو جنتی رہی</p>	<p>دل فرق نکلا بہت جہاں کیا کیا پتنگے نے التماس کیا</p>
<p>ہنگام میں ملے تو ملے لیکن اب سپر کل پاؤں ایک کاندہ سر پر پٹا جو سیر کھنے لگا دیکھ کے چل راہ پیچیدہ دل سے شوقِ رخ نکو نہ گیا گدرا بتاے چرخ سے نالہ بچا کا آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھنا نہیں یک قطرہ غل ہو کے شرہ سے ٹپک پڑا سر سے بانھا جو کفنِ عشق میں تیک یعنی دل پہنچا ہلاکت کو بہت کھینچ کسالا گندہ ہو لہو دہاں سر ہر خاص سے اب تک</p>	<p>اُس شمع کو بھی راہ پہ لانا نہ در تھا یک سر وہ استخوانِ شکستوں سے جو تھا میں بھی کبھی کسی کا سر پر نہ در تھا بھا نکنا تاکت اکھو نہ گیا خانہ خراب ہو جیو اس کی کیا جاہ مرتا ہوں میں تو بے سے صدفِ نگاہ کا قصہ یہ کچھ ہوا دل غمراں پناہ کا جمع ہم نے بھی کیا جو سر و سماں بجا لے یار مرے سدا اللہ تعالیٰ جس دشت میں پھوٹا ہجر و پاؤں کا چھا</p>

<p>دل کے جانے کا نہایت غم رہا میرے رونے کی حقیقت جس میں تکی تجہ کو میرے حال سے تھی اتنی</p>	<p>غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا ایک مدت تک وہ کاغذ غم رہا تالا شب سب کو خبر کر گیا</p>	
<p>یاد اس کی اتنی خوب نہیں میرا باز آؤ کلاس کشتانِ جان میں کھینچا تھا ہم نے دل دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا</p>	<p>نادان پھر وہ جی سے بھولایا نہ جائے گا پایانِ کار مور کا خاک قدم ہوا جو کچھ کہ یہاں ہے سو فوس ہو جاتی کا</p>	
<p>اشک آنکھوں میں کس نہیں آتا دل سے نصحت ہوئی گئی خوش عشق کو وصلہ ہے شطو در جو یہ دل ہو تو کیا سلخام ہوگا سخت کا فر تھا جس نے پہلو میر دل عشق کا ہمیشہ حریف نہ تھا عاشق میں ہر تو میر کو بھی غبطہ عشق کر</p>	<p>لہو آتا ہے جب نہیں آتا گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا بات کا کس کو صوب نہیں آتا دلِ رخاک بھی خاک آرام ہوگا دلِ مذہب عشق اختیار کیا دلِ جس جگہ کہ دماغ ہو وہ آگ و درو تھا دلِ مل گیا تھا اور ضلعت سر تھا</p>	
<p>خوبی کو اس کے پہرے کی کب پہنچے آفتاب</p>	<p>ہے اس میں اس میں منسرق زمین آسمان کا</p>	
<p>کام بل میں مہر تمام کیا تیسے کوچے کے ہنودالوں نے وصفِ خلخال میں خوباں کو میر</p>	<p>غرض اس شیخ نے بھی کام کیا یہیں سے کعبہ کو سلام کیا نامہ اعمال سیاہ کر گیا</p>	
<p>جو اس شور سے میر روتا رہے گا میں دور رونے والا جہاں سے چلا ہوں تو اب گالیاں غیر کو شوق سے دے مجھے کام ہر دم ہے رونے سے ناصح</p>	<p>تو ہمایہ کا ہے کہ سوتا رہے گا جسے اب ہر سال روتا رہے گا ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا مرے منہ کو کب تک تو دھوتا رہے گا</p>	

<p>دل کتارے پیٹھ کر ہاتھوں کو دھونا کہ سب کچھ ہونا اک عاشق نہ ہونا دل سہتا رہا بھائی میں جب تک جاکیا مے گلگوں کا شیشہ چکیاں لینے کو رو دیا دل معلوم نہیں میرا ارادہ ہے کہاں کا دل دیکھا اس بیماری دل نے آخری دم کا یعنی رات بہت تھی جاگتے ہوئے آرم کیل چاہتے ہیں جو آپ کریں ہم کو بٹ بٹ کیا کوچہ کے تیرے باشندوں سب کو ایسے ساکت تیرے غرقہ کرتا تو پیستی میں انعام کیا آنکھ موندے پر اپنا دل کو دیدہ و عام کیا رات کو رو صبح کیا اوروں کو بے تاب کیا</p>	<p>دل مراں تھے پہنوں ثابت کرے گا وصیت میرے نے مجھ کو بھی کی تھی دل کیا بعد مرگ یاد کروں گا وفا تھے سناں مجھ سے بن چھل مینا نہ ہو دے گا دل آرام عدم میں نہ تھا ہستی میں نہیں چین دل آٹھی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوائی کام کیا عہد جوانی رو رو کا مایہی میں لیں انکھیں موند تاجی ہم جو بدل پر یہ تمہارے تختاری کی کس کا گدگد کس کا قبلہ کون حرم ہے کیا احرام شیخ جو بڑے بیٹیاں کو تھا مونا نے نہیں کاش اب قریع منہ کرا تھا اور نہ پھر کیا حاصل ہو یہاں کے سفید وسیہ میں نخل جو ہو سوتا تھا</p>
<p>یعنی آگے چلیں گے دلہ کر رو گیا ہاتھ میں قلم لے کر</p>	<p>زندگانی بھی ایک وقفہ ہے ضعیف یہاں تک کھنچا صورت کر</p>
<p>دل ہاتھ سے جانے کا سرشتہ کا آخر کار سر کو کھینچے گا فلک تک یہ بند آخر کار دل جس کی لے دام سے ناگوش کل آواز پر حد نہ تابلیغ قفس سے می پوز انہو ایک سب کی آواز کے پوز میں سخن سنانہو ایک دل اک مشت پر پڑے تو گلشن میں جا بیٹل</p>	<p>دل کام آنے کا نہیں ایک بھی یا آخر کار مشت خاک اپنی جو پال ہی بیاں اس پہ نہ جا دل میرے گم کردہ چین نغمہ پرواز ہے ایک ناتوانی سے نہیں مال نشانی کا دامن گوش کو جوش جو تک کھول کو سن شور جہاں دل گل کی جنا بھی دیکھی دیکھی دفائے بیل</p>
<p>دل میں پریشان چمن میں کچھ پوہاں</p>	<p>دل سیر کر مزلے سب کا احوال</p>

دل	دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں بے قراری جو کوئی دیکھے ہو کہتا ہے یہی چلانہ اٹھ کے وہیں پھر تو چپکے چپکے میر ملنے لگے ہو دیرویر دیکھئے کیا ہو کیا نہیں ناز تباں اٹھا چکا دیر کو میرہ ترک کر گردش فلک کی کیا ہو جو دو قیغ میں مہں عاشق ہو یا مہیں ہے پوچھو تو میر سے	دل	وقت ملنے کا گردِ نخل آیا نہ مہیں کچھ تو ہے میر کہ اک دم تجھے آرام نہیں ابھی میں اُس کی مگی سے پکا لایا ہوں تم تو کرو ہو صابھی بندے میں کچھ نہ نہیں کعبہ میں جا کے بیٹھ میاں تیرا کمرِ خدائیں دیتا رہوں گا چن مدام آسمان کو میں پاتا ہوں زرد روزِ برودِ راجِ آں کو میں
دل	صدِ تنائے یار رکھتے ہیں جبرِ کرتے ہیں میر صاحبِ عشق	دل	تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں ہیں جواں اختیار رکھتے ہیں
دل	دن گذرتا جیسے فکر ہی میں تا کیا ہو خاک میں لوٹوں کہ لوہوں میں نہاؤں میں حشق کو بغتہ بیتابی کر رہے نہ شکیب ہائے زنجی شمشیرِ مجست کا ہلر	دل	رات جاتی ہو اسی غم میں کہ فدا کیا ہو یا مستغنی ہے اُس کو مری پڑا کیا ہو کرے تدبیرِ عویہ درودہ دو دار رکھتا ہو درد کو اپنے جونا چار چھپا رکھتا ہو
دل	فقیرانہ آئے صد اکر چلے	دل	میاں غمِ غم رہو ہم دعا کر چلے
دل	یار کوئی جو عشق کا کیا نہ ہو وہ ہے زندان میں پھنسے طوقِ پٹے قید میں مہں اس واسطہ کا جنوں ہوں کہ ہوا نہ پٹ سرود مانگے ہے دعا دیکھ مجھے خلق یہ ظالم صحوئے مجبت سے قدم دیکھ کے رکھ میر	دل	مر جائے ولے اُس کو یہ آزار نہ ہوئے پر دمِ محبت میں گرفتار نہ ہو وہ ہے یہ باؤ کھجے کے کہیں پار نہ ہو وہ ہے یارب کسی کو اس سے سروکار نہ ہوئے یہ سیرِ سب کو یہ و بازار نہ ہو وہ ہے
دل	جو دے آرام تک آوارگی میر عشق میں بے خوف و خطر چاہئے	دل	تو شامِ غربت اک صبحِ وطن ہے جان کے دینے کو جگر چاہئے

<p>باقل آغوشِ ستم دیگاں شرطِ سلیقہ ہے ہر اک امیں نہیں دوسواں جی گنوائے کا دمِ آخر ہی کیا نہ آنا تھا اب جو اک حسرتِ جوانی ہے اُس کی شہر تیرے ہے ہم یاں ہوئے میر ہم برابر خاک ادایہ کھینچ سکتا ہے ہزار اُس کی</p>	<p>اشک سا پاکیزہ گہر چاہئے میب بھی کرنے کو ہنر چاہئے ہلے سے ذوقِ دل لگانے کا اور بھی وقت تھا بہانے کا عمرِ رفت کی یہ نشانی ہے مہر میں گئے جو زندگانی ہے دہاں وہی ناز و سرگرائی ہے وے تصویر کھینچے گا یہ ہم نے مانی</p>
<p>گرم میں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی کیا حال بیاں کرے عجب طبعِ لڑی ہے کیا فخر کروں میں کہ ٹلے آگے سے گردوں ہے چمک انجم طرف اُس مے کے اشارے وہ دن گئے جہیزوں لگی رہتی تھیں نکلیں ایسا نہ ہوا ہو گا کوئی واقعہ آگے جاتے ہیں چلے متصل آئیں جو ہمارے</p>	<p>رشتک سر جھپٹتے ہیں یوسف کے خریدار کئی وہ طبع تو نازک ہے کہانی یہ بڑی ہے یہ کاری مری راہ میں بے طبع اڑی ہے دیکھو تو مری آنکھ کہاں جاکے لڑی ہے اب یہاں ہمیں ہملت کوئی پل کوئی ٹھہری اک خواہشِ دل ساتھ مری جی کے کھڑی ہے ہر تار نگہ آنکھوں میں مونی کی لڑی ہے</p>
<p>اب عشق میں میر پاؤں دھرتا ہے گا یار و چلو سب پل کے اُسے سمجھاویں خونہا بہ کشتیِ مدام کی ہے ہم نے یہ ہملت کہ جس کو کہتے ہیں عمر اب وقتِ عزیز کو جو یوں کھوڑ گئے کیا خوابِ گراں یہ روزِ شبِ نال ہو</p>	<p>سب زیتِ نخس اپنی کرتا ہے گا افسوس کہ ذوقِ ان مرتا ہے گا ہر صبح غلوں میں شام کی ہر ہم نے مہر کے خوفِ تمام کی ہے ہم نے پھر پھر کے غفلت کے تئیں رز گئے جاؤنگ میر پھر بہت سوؤ گئے</p>

دل غم سے ہوا کہ از سارا اللہ	دیکر	غیر تھے ہمیں عشق کی مارا اللہ
ہو نسبت خاص تجھ پر ایک تئیں		کہتے ہیں چنانچہ سب ہمارا اللہ
جیسے کہ بد توں سبغ لالا ہم نے	دیکر	خرقہ برسوں گلے میں ڈالا ہم نے
اب آخر عمر میری کی خاطر		سجادہ گرد رکھنے نکالا ہم نے

۲۔ منظر

منظرِ تخلص، میرزا منظر جان جاناں کہے کے مشہور تھے۔ مشہور غزروں میں دلی لکھنؤ و نثر ریختہ میں تنہا خوش بیان، اور اندازِ گفتگو میں نادر زبان تھے۔ جلِ دِلن ان کا اکبر آباد ہے، اور دلی ان کے نشوونما کی بنیاد ہے۔ قناعت اور استغناء طبعیت کے ساتھ مشہور، اور علم و عمل سے فقہ کے معر تھے۔ حسنِ پرستی و دلِ شگی سے رغبت تمام رکھتے تھے، اور عشقِ حقیقی و مجازی سے کام۔ انعام اللہ خاں یقین اور فقیہ صاحب درویشان کے شاگردانِ رشید سے کہاتے ہیں، اور میر عبدالحی تاباں تخلص بھی علیٰ ہذا القیاس اسی طرح سے گئے جاتے ہیں +

کہتے ہیں کہ معتمد روز عاشورہ کو سب بام یہ اپنے گھر میں سر راہ بیٹھے تھے، اور کوئی سو برس میلہ کا بھی آیا ہوا تھا۔ اسے ان کی ملاقات کے، کہ ناگاہ گذشتوں کا ان کے زیرِ بام سے ہوا، اُس ریلے نے کھڑے ہو کر سینہ زنی بھی کی۔ اور موافق سلام سے ہوا۔ اور میرزا سے مذکور جس طرح بیٹھے تھے اُسی طرح بیٹھے رہے۔ بلکہ تین سو کے فرما نے لگے کہ بارہ سو برس جس مقدمے کو ہو چکے ہوں ہر سال اُسے زیادہ کرنا کیا بدعت ہے، اور لکڑیوں کو سلام و تسلیم کرنا نہایت محفل کی خفت ہے۔ یہ گفتگو بھنسہ وہ لوگ جو کہ علم اور شدوں کے ساتھ تھے انہوں نے سنی، اور تعصب کی مرزا سے مذکور کے امام بارگاہ میں اور محفل میں دو تین شب گفتگو رہی۔ آخر شب شہادت کو، کہ عبادتِ شب و ہم عاشورہ سوچتے کوئی شخص ان کے صوانے پر آیا، اور ان کو باہر بلوایا جب باہر آئے تو بے گفتگو ایک چٹ پٹینچے کی نزدیکی، اور کام ان کا پورا کر کے تلوار وہ اپنے گھر کی لی۔ سن بھی ان کا قریب سو برس کے تھا، اور

ایسا زخم کاری کھایا، لیکن ہمتِ قاتلِ طبعی سے پھر اپنے تئیں کوٹنے کے اور پہنچایا۔ ۹۹؎ لکھ گیا رہو چور ہو
 جبری تھے کہ اس روشن سازِ سالِ مدیعی نے، اور اُس معتدِ پروازِ احکامِ فاروقی نے اس نیندِ زنگار
 آلودِ نیا سے منہ پھیر لیا، اور سو فغانِے راشدین کے منازل کے طریقت پر کیا۔ یہ اشعار ان کے
 ستارِ انکار سے ہیں +

اُچھے الفاظ کے قابل یہ دل زار نہ تھا	دل	اس قدر جو رجوع کا بھی سنہ دار نہ تھا
نہیں کچھ غم کیوں ملتا نہیں ہیاں گل میرا	دل	کہیں رہتا ہوں دل کی میکی پر بل کی میرا
ہم نے کی ہے توبہ اور دم میں چاقی جی بہار	دل	ہائے کچھ چلتا نہیں کیا منت جاتی ہے بہار
ہم گرفتاروں کو کیا ہے کامِ گلشنِ سرِ دلیک	دل	جی نخل جاتا ہے جستے میں کڑا تی ہے بہار
مہتا ہوں میرا سہرا سے نخل ہر سحر	دل	سرج کے ہاتھ جو میو د مہتا صبا کے ہاتھ
مظہر چہا کے رکھ دلی ناک کے تئیں مہرے	دل	یشیہ بیٹا ہے کسی میرزا کے ہاتھ
خدا کے واسطے اُن کو نہ لوگو	دل	یہی اک شمس میں قاتل رہا ہے
رسوا گرد نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے	دل	ایسی نگاہ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے

۳۔ مضمون

مضمون تخلص: شیخ مرتضیٰ الدین نام بہ توطنِ باجِ مہر کے تھے۔ باج مٹو ایک قصبہ ہے قصبوں
 میں سے اکبر آباد کے۔ جس ایام میں کہ وطن سے اپنے یہ وار و شاہِ جہان آباد میں ہوئے تھے، تو
 زینت الساجد میں اُن کراڑے تھے۔ طور ان کی بود و باش کا پھر وہیں رہا ہے۔ اور اتفاقاً صلح
 کا سر اج الدین علی خاں آرزو سے ہوا ہے۔ ازبک شیخ مذکور علت سے نزل کے منہ میں ایک دانت

۱۰۰؎ کسی نے کیا ہے مثلِ تاریخ آپ کی وفات کی کسی ہے۔ حاشِ حمید اُماتِ شہیدا
 لطف یہ ہے کہ یہ الفاظِ حدیث نبوی کے ہیں +

نہیں دھرتے تھے، تو فغان آرزو انہیں شاعر پیدا کیا کرتے تھے۔ دلی میں نظم وجود کو انہوں نے
ناموزون بوجھ ہے، اور مضمون عالی انہیں سیر وجود کا وہیں سوچا ہے۔ بیشتر حسن ان کے کلام میں
بہا م کا ہے۔ یہ منتخب ان کے کلام کا ہے +

انہوں نے راجھٹ پٹ دل کو کھٹے میں اٹھا	کس ساحروں سے یکساں نفوس نے تیری لٹکا
خوبوں کو جانتا تھا گری کریں گے مجھ سے	دل سرد ہو گیا ہے جب سے پڑا ہے پاؤں
نہیں ہے زاهدوں کو نے سنی کام	دل لکھا ہے ان کی پیشانی میں سنا
مہم نے کیا کیا دترے غم میں اے محبوب کیا	دل صبر تو ب کیا گریہ یعقوب کیا
کچھ میں بیوفا کے ماسے تھیں عاشق	دل نکلا ہے ایک مضمون بھاگوں سے اپنے عینا
ترا کہ ہے حشر آفتاب	دل نہ لادے ترخون کی آفتاب
جس طرح سے رہے ہے مال کو پکلا	دل یل ہر زلف ترخون کے اچھا رکھ
اگر ہی داسے کال کو ستراج	دل ہو منصور سے یہ نکتہ تل لاج
لیک تو تھا ہی وہ مر رو خود پسند	دل ہو گیا آرسی کے تیش دیکھ دو چند
تجربہ زبں کہ پانی جاری کئے ہیں کر	دل چشموں سے میں اب پڑ میٹھا ہوں تہ دھو کر
تیرے شگاہ بہتے ہیں مجھ پر	دل آب پکیاں کا اس طرف سے دھال
کینی ہو کر مجھ سے رہا ہے وہ شہنشاہ	دل جو پھٹا ہوں بات تو کتا ہی کل
احوال پیش دلیہ کچھ مت کہو ہمارا	دل اتنا ہے نام میرا سن کر اُسے سینا
شرم سے پاتی ہو جاویں شہنشاہ	دل جو مہر پٹے آچا مے
ہی دلا خوش آتا ہے جو ہودی مالکا	دل خوب لگتی نہیں وہ تیغ جو خدا نہیں
کیا ہوا جو خط مرا پڑھتا نہیں	دل جانتا ہے فوب وہ مضمون کو
اُس دہاں بیچ سخن رکھتا ہوں	دل مجھ پہ اس بات کو اثبات کرو
جب چاہا ہے ترا چاہ ذوق	دل آب چشموں سے مرے جاری ہے

دل	اُذرتا ہے مجھے یہ جان بھالی	دل	نظر آتا نہیں وہ ماہ رو کیوں
دل	کچھ آنکھیں پھر آتی ہیں کبھی نل ڈوب جاتا ہے	دل	چلا کشتی میں جب آگے سودہ محبوب جاتا ہے
دل	دل بیتاب کا شاید نئے مکتوب جاتا ہے	دل	یہ اشک آنکھوں میں قاصد کس طرح یک دم میں مٹتا
دل	جو دیکھا تو کسی صورت نہ جاوے	دل	مرے آئینہ دل سے ترا نقش
دل	غصے سے بت سا ہو گیا لیکن جلاؤ	دل	مغموم تو شکر کر کہ ترا نام سن قریب

مہم مخلص

مخلص مخلص، مخلص علی خاں نام، بھانجے ذاب نوازش محمد خاں شہامت جنگ کے برادر
مرشد آباد میر باقر کر کے مشہور تھے۔ جوان خندہ رو اور کشادہ پیشانی ہمیشہ خوش وقت اور خوش مذاکری
بجھلے میں بہت کیفیت کے ساتھ انہوں نے گند کی ہے، اوقات بشیر میٹھ دکانی میں
برکر کی ہے، شب و صبح و عشرت سے کام تھا، اور رات دن وقف احباب گردن صراحی اور
لب جام تھا۔ زبان ریختہ میں انہوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ چنانچہ دیوان بطور اساتذہ ترتیب بھی
دیا ہے لیکن کثرت میٹھ سے از بسکہ و حیان دہا کہیں کا کہیں ہے، کلام ان کا خالی فخرش
سے نہیں ہے۔ شاید ۱۲ بارہ سوسات بھری میں ملے مذکور کے اندو ام ہستی کی کشاکش
سے رہائی پائی ہے، اور میر چہسان عدم کی مین تمیش میں فرمائی ہے۔ یہ اشعار اس ستودہ
کردار کے ہیں۔

دل	تدبیر مٹا ہو ہے رخ عنوان کا	دل	حسن معنی کیوں نہ مفتوں کو مریوں کا
دل	اب تک تو اس کو آ کے جفا کا رو کیٹنا	دل	موتا ہے کوئی دم میں گرفتار دیکھنا
دل	ہمارے قتل کرنے سے تجھے آرام کیا ہوگا	دل	میاں اس ظلم کا تو ہی سمجھ انجم کیا ہوگا
دل	بہی میں یاں تلک مشہور دنیا ہے مرا مخلص	دل	پھر اس بدنام سے آگے کوئی بدنام کیا ہوگا
دل	ہاتھ ملتا ہے کہ میر کے دل کے ہوتے حیف ہے	دل	کیوں کھٹ پائیں تے رنگ عا سے آشنا

یہ پوچھو خضر اسماعیل سے گرم تم نہیں واقف	دلہ	حیاتِ جاوداں بہتر ہے یا سر کو خدا کرنا
ترکِ الفت بہتوں کی مجھے قدردان تھا	دلہ	درد نہ کہہ مرے بت خانہ سے کچھ دور نہ تھا
مخلص کیا دریافت یہ میں سنگِ محکم سے	دلہ	جو میرے کسی کا کہے منہ اُس کا ہو کالا
آخر یہ دل ہمارا کچھ داد کو نہ پہنچا	دلہ	جز نالہ کوئی اُس کی فدا نہ کو نہ پہنچا
ہو گئے دماغِ نکم ماں مرے اسی کانِ نکم	دلہ	جسبستی لب کا ترے شدید اکاں میں آ
اگر یاد کیا ہو سے لب کو ترے	دلہ	نہ ہوسٹ کو یہ بخارِ شہراب
انہی دل سیخ کو کہتا ہے مرے کام آتا	دلہ	باقی رہتا جو کوئی تارِ گریبان کے بیچ
گئے یہ بال و پر بربادِ وصیت و	دلہ	قص سے اب نہ کر آزادِ مینار
دیکھتے گس نہیں پھولی یہ بلغِ دوست میں	دلہ	دور سے آنکھیں خزاں کر تیشِ دکھائی چھا
دل خستہ و سودا زہِ تیر ہے نازک	دلہ	دیوانہ زبردست اور زنجیر ہے نازک
محبت میں تری جا کر پھندا دل	دلہ	دریغاً لائے دل و احسہ تامل
تھی یہ غوشی کہ ہو گا مرے دل کا غمنا	دلہ	وہ تو ہوا نہ کم پہ ہوئے لہری دمِ تمام
کیوں مجھ میں طبعِ دماغِ کرہاں	دلہ	خاندانِ دل کو بے چارے چرخِ کرہاں
کیوں نہ ہر دم مری آنکھوں سے چہرے لے لو	دلہ	داغ ایسا نہیں کوئی دل میں کہ ناسور نہیں
منظورِ بسندگی مری جو تجھ کو گو نہیں	دلہ	میں دست کش ہوں تجھ سے یہ ہوتا ہوں نہیں
لی جب خوابے اٹھ اٹھ توتے صحنِ گلشن میں	دلہ	شگفتہ ہو گئیں گلزار میں زکس کی سبکیاں
کیل کیا بھار کے زینتِ غبارِ دامن	دلہ	کچھ نہ اتنا تھا میاں وہ ترا بلبلِ دامن
نہ لی آخر خراسانِ نیمِ بل کی کعبہ تو نے	دلہ	تجھے صد آفریں میاویوں ہی میں کعبہ
جن کو دور سے شہادت کی تمنا مخلص	دلہ	تجھے بیداد کو وہ بال نہا کہتے ہیں
گرم ہوئی سستی مخلص سے لے ہو جب یار	دلہ	رشک سے اُس کے قیصلوں کو جگرِ طبع میں
ستم سے ترے آشنا کم رہے ہیں	دلہ	ہمیں ہیں کہ اب تک کہ یہاں تم رہو ہیں

کہتے تو ہونے کی آتی ہیں میں گھاتیں	دل	جھوٹے ہو میاں تم تو کہنے کی ہیں یہ باتیں
روتے روتے جو کبھی ہوش میں آجاتا ہوں	دل	شرم سے اپنے میں جیسے کہ نہ آجاتا ہوں
اُس کے ظلم و ستم کچھ نہ کہے جاتے ہیں	دل	نہ دھیں جھوٹے بنے ہے نہ سوجھتا ہیں
کہتا ہے تو جو ہر دم ستمیہ ہے اہیں ہوں	دل	یہ غشت اور سر ہو قصیر اور میں نہیں
مخلص تیرے کے یا بہت ہیں گے شری	دل	تم بھی اگر ہو اُس کے خیر دیکھ کچھ کہو
آئینہ رو کے دل میں کوئی راہ کیا کرے	دل	وہ مارنے کی بات نہیں آہ کیا کرے
عاشق سوائے رونے کے اور کام کیا کری	دل	جس کا جلا ہو دل سو وہ آرام کیا کرے
قاصد کو دیکھ دوڑے دیتا ہے گالیاں	دل	ایسی پری کو چھپر کوئی بیٹا کیا کرے
مرے دل میں اتنا بسا آئے تو ہے	دل	کہ مجھ کو بڑی اپنی اب جیتو ہے
دڑتا ہوں محبت مری اظہار نہ ہووے	دل	مجھ سے کہیں تازہ وہ دلدار نہ ہووے
دل کو مرے ہرگز کبھی آرام نہ ہووے	دل	آنکھ میں میرے جو دل آرام نہ ہووے
یہشت خاک اُڑجاتی ہو جتنے کو مجھوں سے	دل	لیکھ لگے آتے ہیں اُسے لینے کو اہل سے
کیوں کہہ دو گے گی زندگی اب آہ	دل	دل کی فوبت تو جان پر آئی
نہیں یک دل سلامت اس میں پایا	دل	شکن اُس زلف کی کیا دل شکن ہے
چمن میں قدمے ترے طرح جلوہ جلالی	دل	نہال و گل نے کہا نہ ظنہ العالی
ڈٹے ہو دامن آہ کے شعلہ سے جل نہ جا	دل	عاشق کی خاک پر نہیں آتے تیاں کبھی
کوئی ہڈی اسیروں سے غافل یوں بھی کرتا ہے	دل	قفس میں مر گئے ہم یہ خبر میاں کو پہنچے
سحر روتے لہو اور کرتے شام آہ سا گزری	دل	کبھی تو نے نہ پوچھا آہ اہل غم سے کیا گزری
مخلص سادہ دار کوئی ہم نے نہ دیکھا	دل	اس طبع کا بند نہیں ہوتا ہے خدا کے
رہتا ہے غنیمت مجھ پہ تو ہر شام و بچا	دل	کرتا ہے قنات بہت مری گردن پہ بچنا
تہیہ نہیں اتنی بھی ظالم درکار	دل	مطلوب اگر سے مرا بسم لاشہ

تاج میں محب دیکھی مروت تیر سی ماہی عاشق کے تانے میں ہے غربت تیری
دل خم سے نہیں بھرا ہے اتنا میرا جو اس میں ساوے نصیحت تیری

۵- مجذوب

محبوب تخلص، میر غلام حیدر نام۔ شاہ جہان آبادی۔ بیٹا سر تلج شعر اسے بلند مقام میں پہنچا سودا
شاہ شیریں کلام کا ہے۔ آتش پرستی اور یک رنگی کے ساتھ موصوف، درد و دل اور گہرہ طبیعت میں شہو
و معروف نظم و نثر میں صاحب دیوان ہیں، اور حسن ترکیب میں تاثر و رنگیں بیان۔ تلاش سے معنی تلذ
کے حتی الامکان نہیں گزرتے ہیں، اور باندھنے سے مفصلہ بن مشہور کے حتی المقدور کٹا کر کٹتے ہیں
و دیوان جو اس میں میر تقی میر کے انہوں نے لکھے، اور مقدر بھر سر انجام جو بے غافل نہیں رہتے
غرض بافضل، کہ ۱۵ سالہ بلکہ سو پندرہ بھری ہیں، ساتھ مروت معاش کے لکھنؤ میں جیتے ہیں مصحف
نعت دل کھاتے ہیں اور خون جگر جیتے ہیں + یہ منتخب انکار اس سترہ طوار کا ہے +

غزبان سے جو دل لا کرے گا	دھڑکا ہے یہی کہ کیا کرے گا
عداوت سے تمہاری کچھ اگر ہو دے تو میں جاؤں	دل بھلا تم نہ ہو دے دیکھو اثر ہو دے تو میں جاؤں
نہ انزیشہ کرو یہاں کہ شب بے وصل کی تھوڑی	تم اپنی زلف کو کھو لو سحر ہو دے تو میں جاؤں
آدے ہے سیکامری بالیں پہ تو کیا ہو	دل تیار ہو ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو
اشک آنکھ میں ہوش سے تامل میں عمر کا	دل یہ گھر ہے وہ خراب کہ تاش میں نہ رہے
چھوٹے گھر قفس سے تو خاموش ہم صغیر	صیا دے سنایہ ترانا تو ہم رست

۶- مصحفی

مصحفی تخلص، غلام ہمدانی نام، ساکن امرتسر کا۔ اپنی قوم کا اشتراک ہے، یہی تو یہ ہے کہ
لکھنؤ اس کی بہت صاف صاف ہے، بندش نظم میں اس کے ایک صفائی اور شیرینی ہے، اور مصحفی

ہندش میں اس کے بلندی اور کثیفی۔ ایک مدت شاہ عالم بادشاہ غازی کے عہد سلطنت میں تقسیم شاہ جهان آباد کار ہوا ہے۔ ہاضل کہ ۱۲۱۵ء بارہ سو پندرہ ہجری میں، ایک چودہ برس سے اوقات لکھنؤ میں بسر کرتا ہے ضیقِ معاش تو وہاں ایک مدت سے نصیب الِ کمال ہے، اسی طور پر وہ ہم برہم اس غریب کا بھی احوال ہے۔ دیوان اس عزیز کا بھر ہوا نظم کے جمیع اقسام سے ہے۔ یہ اس کے منتخب کلام سے ہے۔

پیری میں اور بھی ہونے غافل ہزار حیف	بے اختیار لے گئی ہم کو یہ خوابِ صبح
ہوئی ہے بس کہ یہ فضل بہار دامنِ گیسر	دل چلیں جن سے تو ہوتا ہے غارِ منگیر
بھوکے رکھو قدمِ دل جلوں کی تربت پر	مبادا ہو کوئی تیرا شرارِ دمنگیر
اُگیا خط پہ سہِ موند گیا نازِ منور	دل ہے اسی دھب پہ نگاہِ غلطِ انوارِ منور
ایک دن رو کر نکالی تھی وہاں کلفتِ دل	دل اب تلک دامنِ صحرِ اسبے خوارِ آلودہ
زس آئینہ رو ہے بھلِ حجام	دل نہیں بن دیکھے اُس لولہ کو آہرام
جو دیکھیں اٹھکے دواؤں نہ گری	دل بنا خورشیدِ پانی کی کٹوری
وہ جس کے رو برو نہ آگاہ آیا	دل اسے حیرت نے آئینہ دکھایا
ملاجب آئینہ کو یہاں نانی	دل بنائی چار ابرو کی صفائی
نہ کھینچے نامہ مو اس کی تمثال	دل کہ وہ ہے عاشقوں کی ناکِ بال
نہ ہو معصیٰ اب تو بھی فی الحال	دل مسندِ اکبر کو بھانجنا غِ بال

۷۔ محبت

محبتِ خلص، نواب محبت خاں نام خلف ارشد نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے ہیں حسبِ نسب کی طرف سے کثرتِ شہرت کے باعث نہیں متعلق بیان کے ہیں۔ جو ان خوش ظاہر خوش رو ہیں، اور خوش اتلاط خوش خویش خلق سے معمور، ادم مدت و جاغزدی کے متعلق

مشہور نقطہ خوش مزاجی خلقی کے باعث انہوں نے مشیوہ مخوری کا اختیار کیا، اور خوش استعدادی طبعی کے سبب طبع بیگانہ نو کے تئیں لطافت معنی سے یار کیا۔ جمیع اقسامِ تعلیم میں انہوں نے طبع آزمائی کی ہے، اور اصلاحِ سخن کی میرزا جعفر علی حسرت تخلص سے لی ہے۔ معاصرین اپنے میں مشہور ہیں ساتھ خوش بیانی کے، اور روشن طبیعتوں میں شہرت رکھتے ہیں ساتھ روشن زبانی کے۔ قصہ سی پتہ کا فرمانے سے ممتاز والدہ مستر جاسین بہادر کے انہوں نے نظم کیا ہے، اور نام اس مثنوی کا اسرارِ محبت رکھا ہے۔ بعدِ نواب عافظہ زینت خاں کی شکست کے، جو لکھنؤ میں آئے، تو اسی ایام سے بس طبعِ بود باش کی وہیں ٹھہرے۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے بہت اعزاز و اکرام کیا تھا، اور شاہرہ بھی مقبول کر دیا تھا۔ بالفضل، کہ شاہ بارہ سو پندہ بھری ہیں، اسی شہر میں بود و باش رکھتے ہیں، اور مضامین تازہ کی ہمیشہ تلاش رکھتے ہیں۔ دیوان میں ان کے نظم کے سب اقسام ہیں۔ یہ فرمائیں ان کی منتخب کلام ہیں +

جب تک وہ بہت خود کام نہیں آنے کا	دل بیتاب کو زرام کو نہیں آنے کا
مجھ کو خطرہ ہے خواہ نہ کرے جو اس کا	دیوستان صلیبیں پیغام نہیں آنے کا
کیا خوشی کیجئے نہ کہ وہ خوشی بقا	صبح آوے گا تو پھر شام نہیں آنے کا
کوئی دُعا بھی بچھے آتا ہے وفاداری کا	دل یا کہ سیکھا ہے ہی شیوہ ستم گاری کا
دیکھا اک بھر بڑی میں اے یار کوئی بھی ٹھہرا	کیا ہی اعیانہ کو دعویٰ تھا تری یاری کا
قید ہو بیٹھے ہو او دونوں جہاں سے آزاد	دل میں تو بندہ ہوں محبت کی گرفتاری کا
دشمن کی آنکھ میں بھی پہنچے نہ اویس باک	دل میرے خیر کی جو برباد اس طرح کا
نہ کہ رنجِ نخل میں ہو ادوش کسی کا	دل سنتے ہی ٹھکانا نہ رہا ہوش کسی کا
شب کہ جنسِ بیچ وہ فارت گرہ خاندان	دل تجھے جو باہم آشنا ایک ایک سی پگانہ تھا
بس گھڑی مگر دوسرے تو جلوہ فرمائے گا	دل غنچہ تصویر بھی غلبہ سے مر جمانے گا
یہ بڑھا دیو انہیں اپنا کہ تاصح دل ہوا	دل تھا مرا ہم درو لیکن مجھ کو سمجھانے لگا

عاشقوں میں مجھے لکھا تو نے دل
 تیری گلی سے دل افکار جو گیا سو گیا
 تو اس کے گھر کو تو نہتا ہوا چلا اے دل
 دل جو جاتا ہے چلا جائے کہیں مجھ کو گیا
 چشم حیراں سے کہاں دل کو لے لنت ڈ
 منزل اول ہوا بھی عشق کی اے تاب کو
 دل دیں گے رومانی دستور سے ہا
 اللہ سے تجھ سے رشتا نہیں سخن بھی
 جاتے ہیں جلد بچھینکے دس کو عمر کے ہم
 عزیز کو یاد تو زہنا نہ رکھ اے پیارے
 دید زمانہ کرتے ہیں ہم چشم خانہ میں
 دل خشک کہاں سے ہیں اشک چشم کو
 نخی میں دم ترے پاس آؤ گا ہم رکھو ہیں
 آپ کچھ غیر دل کو چپ چپ کے رقم کرتے ہیں
 سرخی اشک کبھی اور کبھی نہ دے رو
 بیٹھے دیوے زدہ ہزم میں اپنہ جو بچے
 ساقی گھٹا ہمیں جو بستی نظر پڑی
 ہوسے کی بھی عوض نہ خریدی یہ جس کا ہے
 یا تھا خاک پر اس کا داغ اسے خاک ہے
 تمنا یا سے یہ بات کہنے میں نہیں آتی

آج چہ را مرا بجال ہوا
 عدم کے کوچہ سے اے یار جو گیا سو گیا
 یہ ہے وہ قہر دیوار جو گیا سو گیا
 اس کی رسوائی کو کتنا ہوں نہیں مجھ کو گیا
 مری آنکھیں جو تجھے دیکھ رہیں مجھ کو گیا
 چھوڑ جاتے ہو تم اسوس نہیں مجھ کو گیا
 کیا کیجیسی کچھ مقدور ہے ہلدا
 یہاں تک وہ بت غریب غریب ہے ہمارا
 کیا کیجیے محبت گھر دور ہے ہمارا
 بھول جا مجھ کو بھی لیکن یہ مری بات نہ بھول
 اڑتا ہے اپنا مرغ نلکے تالیانے میں
 تو اب تب چھٹے جو ہو پانی خزانے میں
 دم میں دم جیتلک پڑے یہ دم رکھو ہیں
 یہ جو جھوٹ ہو کر تو ہم بات قلم کرتے ہیں
 تو نے اے عشق مجب زنگ دکھایا مجھ کو
 تو اٹھالیرا اے ہار خدا یا مجھ کو
 یاد آتی ہے وہیں وہیں سستی نظر پڑی
 اس کو متلح دل مری سستی نظر پڑی
 دل کی مجب بندی و پستی نظر پڑی
 غرض یہ کیا کہوں کچھ بات کہ نہیں نہیں آتی

مختصر

کون سے رفدیں سرنگے مارا نہ کیا	بجہ میں تیریں کب حیب کو پارا نہ کیا
پہرے کا مرے تو نے کبھی چارا نہ کیا	درد دل سے تو میں کس رات پارا نہ کیا
نہ کیا میری طرف تو نے گزارا نہ کیا	
ہوں ہی آنکھ تے نعل میں تھکا رہا تو	آپکے دیکھ چکے سب اشارے ہم تو
مر گئے ہاے اسی رشک کے مارے ہم تو	آنگے گور کے اس غم سے کنا رہے ہم تو
تو جی غیروں سے میاں تم نے کنا را نہ کیا	
ساری شب بیتی بزم محو میں اور دل میں غمش	ملہ اگر سے میں جام بھر بھروں میں ہر جھوکی
لیک حرف تازا اس گلشن نہیں جی میں جی	چمڑتا ہوں جیس میں اُس کو تب یہ کستا ہوا بھی
پاس کو ہم تیرے ان باتوں کو اب اٹھ جانٹکے	

مشنوی

کسی القہدہ پھر بندے سے یہ بات	اگر ضائع نہ ہو دے اس میں اوقات
مضمون کر کے اس قصہ کا معلوم	یہ ہی منش رکھ تو اس کو منظم
یہ بات اتنے لئے تجھ سے کسی بجز	کہ عشق اس کی بہت تڑکھ رہی ہے
تجھ اس عشق کے ہیں کا معلوم	محبت میں سب اسرار معلوم
پہا ہے تو نے ہی جام محبت	راپا تو ہے ہم نام محبت
ترے اشعار سن کر سب سوزناں	محبت کا اُسے کہتے ہیں دیواں
سراپا کیا لکھوں اُس شمع روکا	کہ حق وہ صن کا شعلہ سراپا
جیاں یوں ہوئے مسخے عزیزاں	کہ جیسے شمع کے شعلہ ہو دود ۶

دوپٹا چاند تارو کا زہری باف
 سا ہوتا تھا یوں جیسے فلک پہ
 گندمی ہوئی تھی اس شکل آدھے
 ہستے تھا دلوں کا اس میں سکھ
 نگہ بد فلک کی اس جہیں پر
 دو دو زمان آب دار اس سیم بر کے
 کر دے کیا غوبی لب کی میں تھی
 تبسم میں نظر اس نگہ آؤ
 زباں گھولوں اگر وصف دہاں پر
 کوشک کیا بھکا دے عشق اس آہ
 نہیں گردن کی کچھ قرینہ ہوتی
 خانے سے سنخ تھا یوں پنجہ ماہ
 بھلا دل کس سے نسبت ان کچوں کو
 عیاں وہ گلشن غوبی میں ہیں یوں
 اگر کیجئے انہیں نام و ذاتی
 جو وصف اس ساق سیم کا سنو
 قد و وزن وہ جب اپنا دکھا جائے
 تو حیرت سے ہوں یہ سب کو پکے
 جنک غمناں کی تھی کیا قیامت
 جو ہو نک نہ رش گل بر گرم ز قمار

جو اوڑھے تھی کر پٹی بیٹیاں صاف
 شب دیکھیں چکے ہیں خستہ
 کہ جوں باسیہ لیں دکھاوے
 اجنبی ہے کہ اک سانپ بوکھلی من
 اک ابر سیہ میسے ہو نہ پر
 کہ سدرخ نون سے میں دل میں گھر کے
 قیامت اس پتی تھی کی تھی
 کہ غنچہ جیسے نازاں کا کھل جائے
 سخن ہو جائے گم سیری زبان
 جسے چاؤ زرخ کی اس کے ہر چاہ
 وہ ہے گویا مصری داہوتی
 کہ جوں خوش خطا لکھیں سرخی سے لہ
 جو میدان حسن کے سے لگتی گو
 کہ جیسے دھارا اک شمع میں ہوں
 محب کیا دمی اپنی کوئے چھانی
 ہر حسرت شمع رو و سر دھسنے ہے
 اور اس کے فتنق پاک نظر آئے
 بن شمشاد میں خفنے نہ دیکھے
 کہ ہر سو جس سے برپا تھی قیامت
 لگ لگ پشت پا سے ہو نمودار

۸۔ منت

منت شخص، میر تقی الدین نام شاہ جہان آبادی، مسلمان کے نسب کا ماں کی طرف سے
 سید بلال بخاری کو پہنچتا ہے۔ وہ سید بلال چنیٹے تھے سید محمد یزدی کے جن کا احوال مفصل تذکرہ کاشی
 میں لکھا ہے۔ قربتوں کی تقریب اور پیوندوں کے سبب سے تربیت منت مذکور نے شاہ ولی اللہ شاہ
 دہلوی کے گھرانے میں پائی ہے، اور کیفیت راہ طریقت و معرفت کی فراہم دین مولوی فخر الدین
 قدس سرہ کی خدمت سے اٹھائی ہے۔ عقدے فن شعر و شاعری کے میر تقی الدین فقیر شخص کی فیض
 صوبے ان پر کھلے، اور میر تقی الدین ذیہ شخص کی برکت ہمارے سے دیکھے مستی و مستی و مستی کے طے
 ہوئے۔ معافی بندش و حین بیان میں فی الحقیقت اُستاد، اور مشکا فی معنی میں قلم س کا شکر خاتم
 بہر ادب۔ زبان فارسی میں کلک عبیر سلک نے ان کے بہت کچھ لکھا ہے۔ نظم و نثر کے قریب لاکھ بیت
 کے کلیات ان کا ہے۔ مثنویاں متعدد انہوں نے کہیں، اور کتا میں بیشتر تالیف کی ہیں۔ چنانچہ
 شکرستان کر کے ایک نسخہ اس شیریں مقال کا بطور گلستان کے مشہور ہے، اور جواب اگر گلستان کا ہیں
 تو کیا مقدور ہے۔ سلسلہ گیارہ سو کا نوے ہجری میں دیوانی شاہ جہان آباد کے باعث لکھتے ہیں
 ان کا آنا ہوا، اور میر محمد حسین فرنگی لقب کی بار فروشی کی سبب مشتاق ان کا وہاں ایک زمانہ ہوا۔ بعد
 چند سے مرئی گری سے میر مذکور کے متاثر الدولہ سرہ جانشین بہادر کی سرکار میں توسل انہوں نے حاصل
 کیا، اور فاقہ میں صاحب مذکور کی کلکتے آکر حماد الدولہ گورنر سرمنٹن جلاوت جنگ بہادر کی اُفت
 کے باعث پیشکش و نظامت سے صوبہ جنگ کے خطاب ملک الشہر اکالیہا بعد ایک مدت کے رفیق
 یہ ہمارا جو ٹیکٹ رائے کے ہوئے، اور چند ایام زندگی کے اپنے طور پر بسر کئے۔ سلسلہ گیارہ سو ہجری
 میں نواب سر فرالدولہ میرزا حسن رضا خاں بہادر اور عمارت جو ٹیکٹ رائے کے واسطے کچھ سوال و جواب معائنات
 کے لکھتے جو تشریف رائے، تو میر تقی الدین منت بھی ساتھ آئے۔ ایک تین چار روز تہ موقوف
 ان کو عارض ہوئی، اور بغیر جان کے لئے وہ تہ نہ گئی۔ چنانچہ کلکتہ اس سید غریب الدین کا مدفن ہوا۔

اور تاریخِ قیامت وہی سکن ہوا۔ یہ غلامِ انکار اس منتخب روز کا کام ہے +

<p>چشم میں اپنے نہیں اک مرے کچھ نہ رہا انگیں وہ ہوں کہ اس پر مغالِ عیج رہا دلِ عقدہ ہوا پہ دل کا ہمارے نہ دا ہنوز دلہ کون دل سوختہ جلتا ہے تہ خاک ہنوز</p>	<p>خشبِ تلے ہو گئے بننے سے دریا تم رہا سے کہہ سے نل گئے اہل ہوس پی کی کوہِ م کو تہ ہوا اس کی آفت سے دستِ صبا ہنوز گلِ نچتے ہیں میں سستی بزمِ شعلہ</p>
<p>دلہ کچھ کہیو کہ کیا کمائیں گے ہم کچھ گھول کے پی نہ جائیں گے ہم ہر دم جو کہو کہ جائیں گے ہم کیا اب تمہیں منہ دکھائیں گے ہم</p>	<p>گر نقشِ دو فی منائیں گے ہم مصری سے وہ ہونٹ تک دکھاؤ اس آنے کا کچھ بھی لطف پیارے آئینہ زل جو تھا وہ ٹوٹا</p>
<p>دلہ کچھ عاشقی نہیں ہو ہم جی پہ کھیتے ہیں اس نیم قطرہ طوں پر سوزِ غم جھیلے ہیں ہم بے نصیب اب تک پا لڑی لیتے ہیں</p>	<p>سوکو آتشیں کو بچاتی سے پھلتے ہیں دل ہم تم زدوں کا ہے واجبِ الترم خوانِ کرم پر تیسے ہے سیر ایک عالم</p>
<p>دلہ اسے مری جان کیا کیا تو نے دلہ پھر تنہا کو یہاں مڑو پاؤسی ہے اسے خاکس کی تجو غواش پاؤسی ہاں یہیچ لٹنے کی خواہش تو اک دوستی</p>	<p>منت ایسے کو دل یا جو نے معنی اس سے سخن ساز بہ سالوسی ہے سے مری طبعِ جگر نونِ ترامت سے تہمتِ عشقِ عبت کرتے ہیں مج پر منت</p>
<p>دلہ اوہ رنگِ ہم نے دم لدا اوہ تم منہ نہ بیٹھے کہ اس اوی میں ہم تو غصے سے جوں نقشِ نیچے دلہ دکھا تاہر یہ اپنے پاؤں کیوں ناتقی کھر کڑی ہنسی سے کستوری لک بات کتے ہیں آپ میٹھو تلف بہر طرف گر ساتھ اس بک خدا بیٹھے</p>	<p>کوئی اس بد مزاجی پر تارے پاس کیا بیٹھے یہیں سے ہر مانِ قافلہ اپنی تو رخصت ہے کھٹے سہتہ جو اس کی بزم میں تو یوں لگو کہنے جو اتنی بات سن کر میٹھو مایوس تو لگے کھنے و امے بازی بندہ تو منت بد کہنے سے</p>

کمان ہم کو فرض غم دل رو ہے قدم نہ گیا کون سینہ پر اپنے نسنا تا تھا میں حال دل اس کو موت	دل گرہ زریب غمہ آندو ہے عمل درخ میں آج مہندی کی بو ہے کمال بے ہیل سے یہ کیا گفتگو کر
آہو سے تری چشم کی کب چوڑیں تیشہ اٹھ جائے کسی کے جودل مافکے پردا بندے کو خدا کے نہیں جز دل شکنی کام	جب تک کسی ساغر کو تو تکھیں نہ دکھاوے پھر آئینہ دنیا میں کھوٹ نہ دکھاوے دل کیا سنکے دل شیخ کا اللہ سے پامے
مشت یک با عشق سے توبہ کر اب تک مرد و دودین و دنیا رہنا مشت جس شیخ دل بلا جاتا ہے کیا جاننے کیا غلش ہر سینہ میں آج مشت اور جان ان تہوں کو مست ہوج ان باتوں پر پتھر پڑیں تیسری ظالم	رباعی چارو ناچار عشق سے توبہ کر آجائے دے یا عشق سے توبہ کر دیگر رو کا کب غم کا دلو لا جاتا ہے ہر سانس کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے دیگر مست کھو یا ان تہوں کو مست ہوج اللہ کو مان ان تہوں کو مست ہوج

باب النون

۱۔ ناجی

ناجی تخلص، نام اس کا محمد شاکر تھا۔ شاہ جان آبادی۔ شاہ نجم الدین آبرو تخلص کا ساء تھا محو شاہ
 فردوس آرام گاہ کے وقت میں اس نے شہرت پائی ہے، اور بطور قدما کے طرز ابہام میں کرتا طبع
 آزمائی ہے۔ خوش طبعی اور ظرافت سے بیشتر سروکار رکھتا تھا، اور عالم کی ہجو کرنا شعار رکھتا تھا۔ شہید
 قدیم میں صاحب دیوان ہے۔ اور وضع سابق میں شاعر خوش بیان ہے لیکن از بسکہ غیر مرتفع طرز
 ابہام ہے، کلام ان کا ناقبول طبعان عام و عام ہے۔ یہ منتخب ادواق اس کہنہ مشاق کا ہے۔
 قوس قزح سے چرچا کرتا ہے تجھ بھان کلا شاید کہ سر بھرا ہے اب پھر کر آسمان کا

نہ پہچو خود بخود ماضی غم و شید کی خوبی	دل	لیا ہے دادِ محسن ماہِ سرِ دیوں کر چہندہ
بھوکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کیا کیا	دل	لے چلا جی کے تیش بند دیکھتا میں گہ گیا
تری نگاہ کی کثرت سے اسے کہاں ابرو	دل	ہمارے سینہ میں تو داہو اسے تیرے دل کا
مت کر آرزو دامِ زلف سے دل	دل	بالِ باندہ خلام ہے تیرا
سخن سن اس بست کا خداد کا	دل	بچا ہو گا کوئی بندہ خدا کا
رنگ تیرا گندمی دیکھ اور ہلن مغل سامان	دل	ہوش کھو کر آدمی بھوسے میں اپنی خورد و خانا
دی ہے دریا اور مجھے بھیجی	دل	اتار اسے میں اسے کس گمات
محبت سوں علی کی دیکھ ناجی	دل	ہو اسے دل مراب حیدر آباد
یکساں بغل میں لوں اس سر و قد کے تیش	دل	بالا بتاؤں غفر کی عمر ابد کے تیش
عاشق کو روئے دیکھ چڑھامت بھوک نہیں	دل	برسات میں اتار دیکھے ہر کہاں کے تیش
زلف کیوں کھولتے ہو دن کو صنم	دل	نگہ دکھایا ہے تو مت رات کر دو
ہو نغمہ سننے میں زلف کچھ اس بے درد کو	دل	پوچھتا ہے کان زر عاشق کے مجھ کو
غم نہیں گرد رہی سوزِ دل کو لے جاتا ہے وہ	دل	پاس میں سے تب تو آتا ہی جو دل پاتا ہے وہ
ان بتوں کو ہم فقیروں سے کہو کیا کام ہے	دل	یہ تو طالبِ زکے ہیں اور یہاں خدا کا نام
وفیقہ راگنی کے سحر میں زاب کھنڈے ہرست پڑ	دل	نہیں سبج تیکے ہاتھ میں یہ راگ لاہری
ہو اجاب آئینہ میں جلوہ گر تیش تب لیا بوسا	دل	جایا اپنے قابو میں تو پھر نہ دیکھنا کیا ہو
اتنا سچی بولنے لگتا ہو اس کے زخم کا سہل	دل	کشائی آبدار اس شوخ کی منصور خانی ہو
اس کے رخسار دیکھ جیستا ہوں	دل	عاشقی میں سہری زندگانی ہے
تصور ہی تو سنخ کے گئی ہر نیند آنکھوں سے	دل	مقابل جس کے ہو غم و شید کیونکر اس کو خواب ہے

۲۔ نعیم

نعیم تخلص، نعیم اللہ نام، وطن شاہ جہان آباد کا معاصر محمد عاتم عاتم تخلص کا تھا۔ چنانچہ اکثر شاعروں میں گفتگو میں طنز و مبالغہ کی ان کے درمیان آتیں ہیں، اور مکر و غریب انہوں نے باہم لڑائیں ہیں۔ ایک دن محمد عاتم نے مشاعرے میں یہ قول پڑھی، اور مطلع میں غزل کے طنز محمد نعیم پر کی ہے

جس دن سے کہنے یار کا عاتم مقیم ہو	بہ تر سے خندان سے بہا نعیم ہے
-----------------------------------	-------------------------------

جب دور دراز سے کا محمد نعیم تک پہنچا تو انہوں نے بھی مطلع غزل یہ پڑھا ہے

طلب نہ ہو تو سلیمان کی کچھ بھی خاتم ہے	لب سوال نہ ہو دے تو بیع عاتم ہے
--	---------------------------------

غرض نعیم مذکور نے مرتے دم تک دلی نہ چھوڑی، اور شاہ جہان آبادی میں سرِ جنت النعیم کی کی۔ ایک دیوان مختصر زبان ریختہ میں اُس کہن اُستاد سے ہے۔ یہ اُس کے طبع زاوے سے ہے +

اس وقت نکلتے یار و گفتار نہ کیجے گا	اُس فتنہ عالم کو بیدار نہ کیجے گا
احوالِ سدا سن کے کہنے لگا وہ ظالم	اب جانیے بس زیادہ تکرار نہ کیجے گا
خیال کر کے تہے موکر کو روتا ہوں	وہ کیوں نہ دوں پڑو جسکے بالِ کھلم میں
دیکھ آئینہ خالص میں گر تجھ کو نہیں باور	تجھ سے تو جان میں بھی دلدار بہت ہوں

باب الواد

۱۔ ولی

ولی تخلص، شاہ ولی اللہ نام، دکنی۔ وطن بزرگوں کا اس کے عجبات ہے۔ شاعر بلند مقام تھا۔ اول زبان ہندی میں دیوان اس غزنی نے جمع کیا ہے۔ اور نظم ریختہ کو سرزمینِ دکن میں سون اس نے دیا ہے۔ شعراء دکن میں مشہور و ممتاز ہے، اور اپنے معاصرین میں سر بلند اور سر فراز عالمگیر بادشاہ کی سلطنت میں ہندوستان کی طرف آیا، اور میراں گلشن کے فیضِ خدمت سے فائدہ اٹھانے

واقسام کا اٹھایا۔ خوب خوب واد تلاش مہنی کی دی، آخر اس بہت بے مہنی وجود سے راہ کا شانہ
عدم کی ملی۔ یہ اشعار اس سر بلند افکار کے شہتِ جہد و عذرا گاریں +

پھر میری نبیلے کو مینا دنہ آیا	دل	شاید کہ اُسے حال مرایا دنہ آیا
لیل و پروانہ کرنا دل کے تینیں	دل	کام ہے تجھ پر بھل ناز کا
آرزوئے چہنئے کو تر نہیں	دل	تشنہ لب ہوں شربت دیدار کا
گندہ ہے تجھ طرف ہر دہلوس کا	دل	ہوا دھاوا مٹھائی پر مٹس کا
معن گلشن میں جب خرام کیا	دل	سرو آزاد کو غلام کیا
پھرتے ہیں یہ ست ہوشیہ نعرے	دل	بن بند آن انگوں کو کہ کون سکر کا
بے نقش کناری کا ترے جاکر دیر	دل	دامن کو ترے ماتہ لگا کون سکے گا
جب تجھ عرق کے وصف میں جاری قلم ہوا	دل	عالم میں اُس کا ناتوجوا ہر قسم ہوا
نقطہ پیچھے غفل کے باندھا ہر جس دل	دل	وہ دائرے میں عشق کے ثابت قدم ہوا
مذائے منہ پر ترے باپ حسن باز کیا	دل	قد بلند کو تیرے تمام ناز کیا
محت تحت جس بے بغاں کا دشت دیرانی ہوا	دل	سرو پر اُس کے بگولہ تاج سلطانی ہوا
حسنِ تمنا پر وہ تجرید میں سب سے آزاد	دل	طالبِ عشق ہوا صورت انسان میں آ
حاکمِ وقت ہے تجھ گھر میں رقیبِ بدخ	دل	دیوِ فقر ہوا ملکِ سلیمان میں آ
بسکہ مجھ حال سوں ہر سب پریشانی میں	دل	درو کستی ہے مرا زلف ترے کان میں آ
شغل بہت ہے عشقِ بازی کا	دل	کیا حقیقی و کیسا مجازی کا
ہر زبان پر ہے شغلِ شاد و دمام	دل	ذکرِ تجھ زلف کی درازی کا
دلِ صبا پر تجھ پلک سوں نہ جا	دل	خرقہ دوزی ہے کام سوزن کا
آیا ہے نقلِ لیسو ترے من کی تاب	دل	تا رخطِ سیسی بنا سطرِ آفتاب کی
بجا ہے گرشیدِ سدا قد کو	دل	بنادیں چوبے طوطے کی تابوت

دل	ہر دھوس کی گرم ہوئی ہے نکلن آج	دل	نکلا ہے بے حجاب ہو بان کی طرف
دل	ہوا جوتی میں مرے خون دیدہ مندل	دل	کیا ہے دغ مرے دیو سر کو روئے سے
دل	تو رقیباں ادھر کرم مست کر	دل	رحم بے جاسم ہمار ہے
دل	گیا یکبارگی آرام لے کر	دل	جو آیا مست ساقی جام لے کر
دل	جو کوئی اتنا ہے تیرا نام لے کر	دل	میں اُس کو جو نہیں کرتا ہوں سجدہ
دل	دل دیا تھا تجھ کو دانا بوجھ کر	دل	میں جانا تھا کہ تو نادان ہے
دل	داسن کو تیسے ہاتھ لگایا نہیں ہونو	دل	ہوں گرہ خاکسار ولے اللہ واد
دل	حوض کوثر پہ جل کھڑا ہو بلال	دل	لب دلبر پہ جلوہ گر ہے خال
دل	رگ یا قوت ہے مجھ تبستم	دل	منہم کے لعل لب وقت تنگم
دل	کسے خلوت میں اُس کی خوشی موم	دل	نہ جا آنگھوں میں آجہ دل میں کشم
دل	تجھ کو ہے بندہ پھی کی قسم	دل	لک دلی کو منہم گئے سے لگا
دل	صنعت دلی دیدہ مخفا پہ لکھا ہوا	دل	اُس کو دہن تنگ کی تعریف کو میں نہ
دل	بے تحلف صنم کا غدیہ بیضا کروں	دل	خوبی اجازت حسن یار کر انشا کروں
دل	خود بخود در سو اسے اُس کو اد کیا سوا کروں	دل	کیا کہوں تجھ قد کی خوبی سرور عیال کو حضور
دل	جامہ زمیں کو بہ رنگ جامہ دنیا کروں	دل	سر کروں جب وصف تیرے جامہ نعل رنگ
دل	زیور لب ذکر یحیٰ اللہ فی انسر لے کروں	دل	رات کو آؤں اگر تیری غلی میں اسے حبیب
دل	سرور قد کو دیکھ سیر عالم بالا کروں	دل	آرزو دل میں یہی ہے وقت مرنے کو ولی
دل	ملنے کو رقیبوں کے فرہوش کرے تو	دل	یک بار اگر بات مری گوش کرے تو
دل	گر گل کی حامل کو ہم آغوش کرے تو	دل	فیرت سے کرے چاک گریبان لیل پزخوں
دل	ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو	دل	اے جانِ ولی و مدد دیدار کو اپنے
دل	اُس گل بدن کو اپنے گھے ہار کر رکھوں	دل	ایسے نصیب سے کہیں نہیں ملی کر آج

خوش قد اں دل کو بند کرتے ہیں	دل	نام اپنا بلند کرتے ہیں	دل
اوسلمری تو دیکھ مری ساحر کی کتنیں	دل	شیشہ میں ل کو بند کیا ہوں پستی میں	دل
صبت غیسہ میں جایا نہ کرو	دل	درومندوں کو کرٹھایا نہ کرو	دل
اک دل نہیں آرزو سے خالی	دل	برجا ہے محال اگر خلا ہے	دل
کیونکہ کپڑے نگوں میں تجھ غم سے	دل	عاشقی میں لباس ہوتا ہے	دل
رہیں گے خاک ہوتی سہمی گئی میں	دل	دفا داری ہماری اس قدر ہے	دل
دیکھنا تجھ قد کا اے نازک بدن	دل	باعثِ خیمازہ آغوش ہے	دل
اب خلاصی عشق سے ممکن نہیں	دل	دامِ دل زلفِ دودھامی پوش ہے	دل
نہشِ بخشِ عاشقان وہ ساقیِ مگھلام ہے	دل	جس کی آنکھوں کا تصور بخودی کا جام ہے	دل
مغلس سب بہار کھوتی ہے	دل	عشق کا اعتبار کھوتی ہے	دل
ترانہ مشرقی سخن افروزی جلوہ جمالی ہے	دل	لبس جامی جسیں خودی و ابرو ہلالی ہے	دل
مست تصور کرو مجھ دل کو کہ ہر جانی ہے	دل	چمنِ حسنِ پر یو کا تماشا شای ہے	دل
مُلِ رخاں کیوں نہ کہیں تجھ کو سکندِ طالع	دل	جلوہ گر میں ترے جامہ دارانی ہے	دل
شیخِ مست گھر سول محل آج توغبانِ کھنڈر	دل	گول دستار ترا بامشِ رسوائی ہے	دل
اے ولی رہنے کو دنیا میں تمام عاشق	دل	کو چنے یار ہے یا گوشہ تنہائی ہے	دل
دل چھوٹے کے یار کیونکہ جادوے	دل	زنجی ہوٹکا رکیونکہ جادوے	دل
چھڑاے شیخِ طلسہِ خود کامی	دل	مست ہو ہر دیدہ باز کا دامی	دل
جب تک نہ طے شراب ویدار	دل	آنکھوں کا خار کیونکہ جادوے	دل
تجھ لب و زلف کے تماشے کو	دل	دل چل کہ آئے ہیں مصی دشا می	دل

سہلی

ولی تخلص، میرزا محمد ولی نام، متوطن شاہ جہان آباد کے تھے جو ہیں شاہ اسرار اللہ صاحب ارشاد
 کے علی ابراہیم خاں مرحوم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے احوال اُس غمیتہ کردار کا کہ جو ان آزاد و مل
 اور دوست ہے اس خاکسار کا یہ سلسلہ گیارہ سو چار نوے ہجری میں بلکہ مرشد آباد کے اندر جا
 قراں کھتے تھے، اور بیٹیر شغل اشار، زبان ریختہ میں انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے، اور دیوان بھی ان کا
 منظر ہوا ہے یہ منتخب انکار اُس ستودہ اطوار کا ہے *

نشدے سے مرا پر مردہ دل گلشن ہوا	یہ چراغِ مردہ فیضِ آب سے روشن ہوا
دل تجھے منظور ہو اُس کا اگر دیکھتا	دل جان سے دھو ہاتھ کو تب تو ادھر دیکھتا
زلف کو ہے کھولتا اپنے وہ منہ پر ولی	ملتی ہے آپس میں اب شام و صبح دیکھتا
آہ کا اُس کو کچھ اثر نہ ہوا	دل میرے اس نخل میں ٹہر نہ ہوا
بے کسی پر مری کئے کوئی	دل تجھ بن اسے نالہ نوحہ گر نہ ہوا
محببت نیکان کرے دل میں بد کو کیا	دل قندکب شیریں کہے ہوئے اگر بادام تلخ
کیا تمنا اُس شکر لبے تو رکھتا ہے دلی	دل ہو گیا فزا د کا شیریں سے آخر کام تلخ
حق آستانہ تنق سے اُس کی کمر ہنوز	دل ہم تب سے ہاتھ پٹے پھرتے ہیں ہر ہنوز
آنکھیں بھی انتظاریں پتھر گئیں ولی	دل قاصد پر اُس صنم کی نہ لایا خب ہنوز
میری زبان تر سے نہ ہوتا زہ کام خشک	دل کب سیر آب تنق سے ہووے نیا شکر
کبھی جو زلف اٹھاوے تو منہ نظر آوے	دل اسی امید میں گزری ہے صبح و شام ہیں
زندگی کی اُس نے کچھ لذت ولی باقی نہیں	دل جس کے دل میں درد و عشقِ دلیر باقی نہیں
چاہے کیونکر کہ یہ جی تن سے نکل جائے	دل پھر نہ آیا جو گیا اُس کی خبر نہ لانے کو
جیاں گر کروں دل کے سوزنماں کو	دل لگے آگ جمل شمع میری دباں کو

کبھی درد کی چاشنی کو نہ بھولے	ہما کھاوے میسر اگر استواں کو
صدے زیادہ رشتہ اُلفت ہو مختصر	دل ایسا نہ ہو کہ اس میں پڑے اب جدا کرے
ہجر کی ماسہ ہی ڈالے ہے شیب تار بجھے	دل کب دکھاوے گھاذا صبح یغ یا ر بجھے
حادثہ قتل دکھا کر کیا تو نے میتاد	دل زلفت کے دام میں آخر کو گرفتار بجھے

جس جگہ حشّی رخش تاخت ہے	دل وہاں رستم حواس باختہ ہے
ننگہ گرم سے پری ہو کے	دل شیشہ دل مرا گناختہ ہے
جو اُس لعل میگوں سے مہوش ہو	دل اُسے ہر درد عالم فراموش ہو
بندہ قباچن میں جو وہ یار واکرے	دل لے برگ گل کو لختہ میں نکھامبار کرے

باب الہام

۱۔ ہدایت

ہدایت تخلص۔ شیخ ہدایت نام اس مرد کا ہے۔ شاہ جہان آبادی۔ معتقد اور شگوفہ امیر صد کا۔ ایک مثنوی انہوں نے بنارس کی تعریف میں بہت خوب لکھی ہے۔ اور داغ مضنون تراشی کی وجہ ہے۔ شاعر صبیح بیان ہے، اور ناظم شریں بنیان۔ دیوان مختصر زبان ریختہ میں طبع نادر سے اس کے ہے، اور گم شدگان را معنی کو خیر ہدایت اس کہن استاد سے ہے۔ یہ منتخب کلام اس شاعر بلند مقام کا ہے۔

جب لہلہ ہوں ترا نام نپک پڑتا ہے تانہ	جس طرح کہ شرن کا ڈھلک جاتا ہے منکا
بے کزلفت سیلے تری ڈسا ہو گا	دل غرض وہ مر ہی گیا ہو گا کیا بیا ہو گا
جوں غفور ترے وصف میں ہوں سرور کیا	دل ہے منہ میں زباں پر نہیں مقدور سخن کا
نہ رحم اُس کے ہے جی میں نہ دل میں پتی	دل ہماری گندے گی کیونکر الٹی کیا ہو گا
ہو گیا ہوں میں زندہ جوں غور شید	دل ظاہر وقت ہے اخیر مرا
تام صبر و دل و دیں تو یار لوٹ گیا	دل نہ خلعت وعدہ کیا پر ترانہ بھوٹ گیا

بلایہی زور ہے اس دختِ رنہ کا اس قاتی
 ملا ہے جا کے یہ آخر کر سادہ رویوں سے
 ہے آدمی کو بھی قیدِ حیات اک نذاں
 آتش سے بلخِ دل کی سر پائیں جل گیا
 رو دے ہے کیا جراتی ہے اپنی کہ بے خبر
 لب پر ہزار حرفِ شکایت کا تھلہ بجوم
 ہر نعتِ دل گلے گلے کامرے ہار گیا
 ہے کس کے بی میں خواہشِ سیرِ چین پیا
 آیا ہوں تنگ کشمکشِ دامِ رنج میں
 بوسِ طلب کیا تھا نقطہ اور کچھ نہیں
 کچھ ان دنوں ہے حالِ ہدایتِ تراتیلہ
 عالم کو تیسری چشم نے بیہوش کر دیا
 جاتا رہا ہوں آپ بھی میں اپنی یاد سے
 مجلس میں اس کی راتِ ہدایتِ سنو دل
 نے جم رہا جہاں میں نہ یہ جامِ رہ گیا
 کوئی پھر نہ ملکِ صدم سے تو اب ملک
 دیکھا جیتے سے چشمِ وہن کو تو نہ سرم سے
 آتی ہے آج تجھ سے تو کچھ اور بوسیم
 کیا دن تھے وہ بھی آمدِ ہدایتِ کربنِ دہن
 مدت ہوئی ہے اب تو ملاقاتِ نبی نہیں
 اک دن بھی مہربان نہ وہ ہے دعا ہوا

خار جس کا مرے لہجہ پاؤں کوٹ گیا
 لکڑیہ آئینہ تھا ال یہ ہم سے ٹھوٹ گیا
 کسی نے خوب کہا ہے سراسر پھوٹ گیا
 گلزارِ چھوٹے کیا کہ بدن سارا چل گیا
 شب کیا گذر گئی ہے کہ اب بن بچڑ چل گیا
 لکڑیہ دیکھتے ہی یہ کچھ دل بہل گیا
 گل تھا پر اپنی چشم میں یہ خار ہو گیا
 سینہ تمام داغوں سے گلزار ہو گیا
 یارو میں کس بلایں گرفتار ہو گیا
 میں اتنی بات کہتے گنہگار ہو گیا
 کیوں میری جان کیا تجھ تار ہو گیا
 جس کی طرف نظر گئی مہوش کر دیا
 کیا جانے کہ کس نے فہوش کر دیا
 یہاں تک کہا کہ شمع کو خاموش کر دیا
 مردوں کا اس جگہ میں مگر نام رہ گیا
 پایا جہاں کسو نے کچھ آرام رہ گیا
 منہ اپنا لے کے پستہ دہلا رہ گیا
 مات اس چن میں کون گل اندام رہ گیا
 راتوں کو اپنے پاس وہ گل فام رہ گیا
 آنے سے بلکہ نامہ و پیغام رہ گیا
 اسے آہ و نالہ میری تم کو کیا ہوا

<p>دلے یہ آبلہ اپنا نہ کا میاں ہوا ہوا ہوں آہ میں یا بس کس انجمن سے جدا بس میری جان دو ہی پیالوں میں چھلکا شاید کسی جگہ پہ دل اُس کا اٹک گیا آہ دلہاری ہے کہ یہاں اور آزاری بہت حسن میں ان کے نک اور طرح دلائی بہت</p>	<p>دل ہر ایک دانہ انور یہاں شہر آب ہوا نہ صحن بلخ میں لگتا ہے جی نہ صحر میں دیکھ اُس کی چشم مست کو دل تو بہک گیا دیکھا نہیں ہے ہم نے ہدایت کو ان دہ عشق میں عواہل کے ہے طرز سنگاری بہت بار ڈالا ہند کے کافراؤں سے ہمیں</p>
<p>گرچہ کتنا جس پنکار رہا جس طرح ہو گوشت کی تیس آہ آپ میں دیلے یاد دیا میں آپ روئے روئے ہی گندی ساری رات پر ہدایت چشم ترکا کیسا بوج یارب کیا تاج سو گئی صبح</p>	<p>دل نہ ملے کار دہاں سے ہم سے واس یار ہے ہم میں ہدایت جلوہ گر پر نہیں معلوم ہرگز آپ کو تیری زلفوں کی کچھ علی قی بات دل تو سمجھتا ہے بھٹتا ہے کبھو کشتی ہی نہیں یہ جہر کی کشت</p>
<p>دل ہاں میاں سے ہے کہ ایسے ہی گنگا تھی آہ اس کو دینا باں میں کٹی یا ستھم اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جاں ستھم یہ زکس باوجود اس کے کہ ہر معذرت کھول کچھ کیو ہم سے رات پیار کی کہاں رہا گو اس میں جی رہو نہ رہو ہم تو یہاں رہے دل پر چشم تجھ سے ملے مجھے یہ صبا نہ تھی ایسی گئی کہ ہم سے گویا آشنا نہ تھی جز بونے غنم دل کہیں بونے وفاد تھی</p>	<p>دل تو نے قتل کیا ہم کو ضمیر خوب کیا قیس دوں مر گیا فرہاد کی وہ ٹھکل ہوئی تم نہ فریاد کسی کی نہ غماں سنتے ہو حصالے ہاتھ آئی سن تجھے گلشن میں آئی ہے چلی شک بھی ہے اور آنکھیں ہیں بھسی کہتا نہیں ہے جاوے کو دل کوئے یار کیا خاک کو مری کہیں گلشن میں جانہ تھی سیرچن ہوا دے صحبت و دل گلشن دوستی کہیں دیکھا ہن چن</p>

دل	گرو باد آسامری لطیت میں ہے آدرگی	دل	خسخت چٹھائیں جوں نقش قدم تو کیا ہوا
دل	لگے جس دن گلے تیکر اسی دن عید ہے	دل	ہوئے جب مددیش و خست ہم کو تیرا دیکھ
دل	گھر نظر آتا ہے اپنا دور سے	دل	دل مرا کیوں کر ہو غافل گور سے
دل	چشم بھی کیا کم ہے یہ ناسور سے	دل	آنکھ سے آنسو کبھو تھمتا نہیں
دل	فائدہ کیا یا اس مذکور سے	دل	دل نہ کر تو شکوہ جو بیتاں
دل	بننے کا بھی اسے بتاں خدا ہے	دل	گزشت ہی جو اہر جفا ہے
دل	کہہ رہاں ہو وہ یارب کسی بہانے سے	دل	غرض ہی ہر مجھے اشک کے بہاں سے
دل	جواپنے گھر میں ہو محفوظ آبِ حیات سے	دل	بزرگ اشک اُسے آبرہر دینے سے
دل	وگرنہ فائدہ اُس کو مرے ستارے سے	دل	دے کیا کرے کہ محبت کا تقضا ہو یہی
دل	الٹی اٹھ گئی یہ رسم کیل زمانے سے	دل	کہیں مجھ کو دغا ہو جاں میں یا غلام سے
دل	یہ سر گلے مر اس کے استارے سے	دل	میں چھوڑتا ہوں کوئی اُس کو نہ ملنے سے
دل	دعشور قیامت سی ہشیار نہ ہووے	دل	آنکھوں لہتری جس کے تئیں مست کیا
دل	اسے دئے اُس اوپر کہ جو خوار نہ ہووے	دل	آتا ہے مجھے رحم ترے حال یہ زاہد
دل	یا د میں زلف و رخ یاس کے کینہ لگ رہی	دل	کیا کہوں تجھے ہدایت کو شرم گد
دل	رات گزری تو شب مرے برنگندی	دل	دن گزرتا ہے مجھ کو قیامت کے دلائل
دل	جو شہ کا سو پا مال جمانے سنگ سے	دل	پختہ مغزان جوں کہ ہر کسی کو جنگ سے
دل	تا بہ لب آنا فاضل کو راہ مدد فرم گئی	دل	عشش نے تیرے محرومیں تک کیا نہ ناؤں
دل	ظاہر عاشقی کسی پر تو کیا رنگہر	دل	ان نون کچھ تو ہدایت ہو گیا یزداد
دل	اک جی سے ہیں کیا ہزار جی سے	دل	صبر تے تے گلزار جی سے
دل	نکلا نہ کبھو یہ خارجی سے	دل	کھٹکے ہے تری فرہ ہر اک وقت
دل	کوئی قیامت نہ کہیہ نہ دل محض ہے	دل	گھر سے نکھرے قوی ساتھ کل جاتا ہی

دل	زلف کج منہ اور چوہوڑی ہے	دل	کیا یہ معیہ ہے تختہ تیزی ہے
دل	چشمیں ہے دامن دیا	دل	آستیں کس نے یاں پھوڑی
دل	شان گل غم نہیں کسو نے کیا	دل	ہاتھ عشوق کے مڑی ہے
دل	عمر کوتاہ کار عمر دراز	دل	سائیکے بہت رات عمری ہے
دل	ایک دو ماہ دو غائبے نظر سے ہند	دل	دہی تارے ہیں ہی ماہ دی گردش ہے
دل	میں غم سیر کی جگہیں ہر یکہ پستی کی	دل	بنائے ہو بنیاد رست پستی کی
دل	ہمیں نشیب فراز زمانے سے کیا کام	دل	جو سر بلند ہیں کن کوئی فکر پستی کی
دل	جی تو گلشن میں بھی نہیں لگتا	دل	کس کی مجلس سے ہم اداں گئے
دل	جب سنا میں نے غم ہدایت کا	دل	منستے ہی بس مرے واس گئے
دل	جاؤں نکل میں شہر میں پھول	دل	کوئی ایسی شکل ہو دو کہ ملک جی بھل سکے
دل	شہید تیغ ہندو اسیر و ام گیسو ہے	دل	ہدایت بھی تو کوئی زور ہر شہید ملگستہ
دل	ہدایت کوئی اپنے جسم دجاں سے نہ پھرا	دل	ایک شخص ہزار کشتیاں سے نہ پھرا
دل	کوچہ تو تار و عدم سے نہیں کم	دل	جو کوئی گیا سو پھر وہاں سے نہ پھرا
دل	دل عہد شباب ہو چکا ہے باقی	دل	بوی ہے سو اس میں کیا لڑ ہو باقی
دل	ہو تا ہے کوئی دم میں یہ دو لب آخر	دل	شب گندی ہے دفترہ گیا ہو باقی

باب عالیہ

ایقین

یقین قلع، انعام مستغان نام شاہ جان آبادی بیٹا احمد الدین خاں، اور دو مساجد مجدد الف ثانی کا تھا۔ شاہ گھمراہ نظر جان جاناں کا، شہید اور متطور نظر مرزا سے مذکور اکثر یہ گمان باشند گلشن شاہ جان بالو تھا، کہ یقین فن شہر و شاعری میں محض بے استعداد تھا۔ مرزا نظر خوشتر کہتے تھے، اندام اس کا فاضل اشاک

کہتے تھے۔ اسے جلنے کو اس کے بھنے تو یوں قتل کہتے ہیں کہ احمد شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں بہ سبب کسی حرکت نامعقول کے، کہ وہ مادر نہ ہونی یقین سے، باپ نے اس کے اس کو قتل کیا، اور شمش کی اس کو دریا میں بہا دیا۔ اور بھنے کہتے ہیں کہ ارتکاب اس عمل شنیع کا گذرا تھا۔ اس کے باپ کے دھیان میں کہ وہ منع سے جمیع ادیان میں یقین نے اس مقدم میں باپ کو اکثر متنبہ کیا۔ ایک دن اس نے غما ہو کر اس بیچارے کا بی ہی لیا۔ علم غیب کا برستی خدا کو ہے، اہل یقین گمانوں کا بالکنہ اس خالق ارض و سما کو ہے بہر حال یقین مذکور کا کلام طبعی کے مرغوب ہے، اور اشعار اس کے جاں خراش و دل کو پ۔ یہ ابیات آبدار اس کا خلاصہ ٹھہریں ۔

نہ تلمس اگر مصدقے ترے جانی کی کام آتا	دل	اگر نہ ناز کا تھا گالیاں کھانے کے کام آتا
میں تو ظاہر نہ کروں اس کی جفا کو لیکن	دل	چمکے کیونکہ یقین زخم نمایاں میں
مجھے اگر حق تعالیٰ کا فرسہ ملے جہاں کرتا	دل	توں کو میں بندھان بیکیوں پر بھراں کرتا
دہ دیتا عیش کی خسرو کو فرصت قبر نہیں ملے		جو میں ہوتا بجا و غیر جو سے خوں رواں کرتا
اگر مگر نہ میں اس شنیع کی خاطر نشان ہوتا		خدا ہلنے و فٹانے کے حق میں کیا گنا کرتا
زباں فواد کی ہوت جواب کو کہن دیکو		ستم ہوتا اگر پر دیز کو شمش استم کرتا
نہیں معلوم اب کے سال سچانے پہ کیا گذرا	دل	ہماری توبہ کرنے سیتی پیلے پہ کیا گذرا
بر زمین اپنے سر کو پھیٹا تھا دیر کے آگے		خدا جانے مری صورت سے بجا نہ پہ کیا گذرا
یقین کب سے سوز دل کی داد کو دینو		کہاں ہے شمع کو پروا کہ پروا ہے پہ کیا گذرا
میں زخم مرے کالی اس سینے سے کیا ہوگا	دل	اب مرنا ہی بہتر ہے اس جینے کو کیا ہوگا
اگر تھ کو زینما دیتی سب کچھ جاتی	دل	تا شاہ کفانی کا اس کو خواب ہو جاتا
سر سلطنت آستان یا بہتر تھا	دل	ہمیں ظن ہلے سے سایہ دیو بہتر تھا
مرا دل مر گیا جس دن سونڈاہ سونڈا ہوا		یقین سپید اگر کرتا تو یہ بیا بہتر تھا
تنگ دل کو کب جلی گئی یہ بتاں کی ہوا	دل	بلغ سے یوسف کو رنگیں ترہ زلف کی ہوا

نہ آپ تیشہ فرما اپنے غل میں گر سکتا دل
 یہ عشق شکر نفاں ہا پر لایا جو کچھ لایا
 تجھ آنکھوں سے آنکر دل نہ کرتا شور کیا کرتا دل
 یہ دل ایسا خواب کو چہ و بازار کیوں ہوتا دل
 تری آفت سے مرنا خوش نہیں آتا بھوڑ
 یقین نہیں دینے کی نہیں تیری ان آنکھوں کے
 گرد میں آنکھ سے تیری جہاں کے ہاتھ کیا آیا دل
 نہ کہتی راز دل تو اتنی رسوائی بھلاستی
 کیا بدن ہو گا کہ جس کے کھولتے جام کو بند دل
 دام و خس سے چھوٹے پہنچے جو بیخ شک دل
 اس قدر خست کہو میں یہ دل زلزلہ تھا دل
 حسن کا عشق زینما سستی کچھ چل نہ سکا
 دل مر عشق کے دم ٹکوں سر نہوا جا تا ہے
 دل میں ناہ کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
 اتنا کوئی نہاں میں کہو بے وفاء تھا دل
 تاصح جو یہ نصیحت بیجا ہے میں سنی
 خیف مجھے ابھ کر عبث ہوا و خطا دل
 تری آنکھوں کی کیفیت کو جو فائدے کی نسبت دل
 بتاں کی مجھ کو خاطر حق یہاں تک کہ کہتیں دل
 ہمارا شوق مجھوں کو بھولی طرز تالے کی
 تیشہ مول کے تیں پہنچ سہلے رکھتیں دل

تو ایسے رہتے کہ نقش فریب کو بنا سکتا دل
 مگر دکن ایسی فتح خسرو کو دلا سکتا دل
 یہ تیشہ طاق سے گر تانہ ہوتا چور کیا کرتا دل
 اگر ملتا نہ آتا گل رخوں سے خوار کیوں ہوتا دل
 یہ ایسا کارا ساں اس قدر دشت کیوں ہوتا دل
 اگر پہنچ تو کرتا تو یوں بیار کیوں ہوتا دل
 مجھے چمکا زمین پر آسمان کے ہاتھ کیا آیا دل
 نصیحت کر کے مجھ کو جس نہاں کے ہاتھ کیا آیا دل
 برگ گل کی طرح ہر نازن معطر ہو گیا دل
 دیکھا سو اس زمین میں چمن کا نشان تھا دل
 جب جنا کو ترے پاؤں سے سر دکا رہا دل
 درت وہ ہاک سگڑ قابل بازار نہ تھا دل
 یہ وہ دل ہے کہ کوئی ایسا جگر دار نہ تھا دل
 کو چہ یار میں کیا سایہ دیوار نہ تھا دل
 ملنے میں تیرے مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا دل
 معذرت کہیو مجھ کو مراد دل بجا نہ تھا دل
 کہ میں تو ست تھا اس کو بھی کیا شوق نہ تھا دل
 نہ کی گردنوں کو در پہلے سے کیا نسبت دل
 کہاں اس دام سے یہ صید جا سکتا کی کیا دل
 کوئی شیر دل کے منہ پر نہ جا سکتا ہی کیا دل
 پھر کہے گا کون اس کو بھڑ جائے کا طرح دل

سوچ کر دل گریاں پھاڑ دینے کی طرح
 جی نکل جاتا ہے پھر جب کبھو آتی ہے یا
 غار سرخ زماں کو جی دے تہے میرے طرح
 فصل گل بھی ان پہنچی دیکھتے کیا ہر تھیں
 گرم شیریں شیخ کسے دعو میں آئے کاشو
 آمد نالہ پر نہیں موقوف شہرت عشق کی
 دل ہیں کہہ کر چلا تھا اپنے جا کی خبر
 بلبلیں سہم چلی جاتی ہیں باغوں کی طرف
 نین پہنچتا ضعف نالہ مرا عینا دیک
 توقع سے کہ مت کنا امید کی سخن برک
 جو لو جس نہ دے اس کو لگانا نہ کیا حاصل
 خال گور سے منہ کا لیتا ہر مے دل کو چڑھا
 گریاں پھاڑتے ہیں دیکھ وہاں چہن کیونکر
 کوئی محنت کوئی لذت اٹھا سے یاد ہو کوئی
 قحب سخت بہت ہی تھیں اس بات کا بھوکہ
 بعد مرنے کے ہوں میں گور میں غناک ہنوز
 منہ پہ کھانا جو اسی طرح سے تلوار کہ بس
 نزع میں دیکھ مجھے یا بھوک کر دولا
 آپ کو بیچ کے یوسف نے زینبا کو لیا
 آپ ہم نے مقرر کی ہے اپنی جاقص
 تنگ تو کرتا ہر بہم جو کہیں جلتے رہیں
 دلف کی زنجیر میں آخر پہنچنا شائے کی طرح
 وہ قسم کھا کر اسی ساعت کھولنے کی طرح
 دل مری انگھوں پہ دیتے ہو کھنک پائی طرح
 اسکے چلتا ہے جنوں پر دل ہمارا بڑی طرح
 پر قیامت باہک ہو تہے موعاد کا شورو
 کس قدر ہے اس غموشی ساتھ چڑھنا کاشو
 پھر نہ دی ہم کو کسی نے اس دیوانے کی خبر
 کچھ تو آڑتی سی سنی ہے گل کے رتے کی خبر
 کون لے اس نا تو اس کی اب دوج کی خبر
 جواب تلخ مت دی بھوکا دیرین ہن بس کہ
 بہت کی تو نے اس تیشہ کی خدمت کو کھنک
 اس گل میں چاندنی راتوں کو بھی پھر ہو چڑھا
 نہ کیجے چاک ناصح اس ہو میں بہرین کیونکر
 کہو اپنے تیش خانا نہ کرتا کو کھن کیونکر
 کہ اتنا بولتے ہیں تلخ پیشہ میں دس کیونکر
 گرد پھرتے ہیں مری خاک کے افلاک ہنوز
 دل مر عشق میں ایسا ہے جگہ دار کہ بس
 کیا بڑی طرح سے مرتا ہے یہ سیکہ کہ بس
 کیا غمیداریہ پالی ہے خیر لہ کہ بس
 در نہ ملک پھر کہیں تو ہر جگہ تہہ بالا قفس
 تو پڑا منہ دیکھتا رہ جلتے گاتھنا قفس

آج دم کی ہر مہم وہ لطف کی سیدہ دل بس
 دل میں اتنا ہے تری جھپکے کر دکھا دیجئے
 کچھ پر وبال میں طاقت نہ رہی جب چھوٹے
 تو نہ تھا جیت یقین ورنہ دیوانہ ہوتا
 طاقت تن پروری ہوتی ہے گردن کا دیل
 اہل نور آہن دلوں کو دیکھ شرماتے ہیں سخت
 یہ نہیں ہوتا کسی ہر دم سے اس سینہ کا فغ
 ہم تو مرتے ہیں گئے اور بکتا ہر لفت کا چرخ
 خاندانِ درد جو ہے کیوں نہ ہو روشن یقین
 تاج سے مجھ کو غم نے کیا شرمسار جیت
 دل نہیں چھننا، جو بن تیرے بیاباں کی طرف
 اس ہوا میں رحم کرسا قی کے جام شراب
 سحر کے دوسے جو سنتے تھے سویرے دیکھے یقین
 آئینہ ہوتا جو اس روئے و زشائ کا حرف
 بہت جینو کی تیرے لعل عرفان کو نہیں لاتی
 رشک سے لگے ہوئے کے عیسیٰ تن کو آگ
 جلتے تیرے کل ان تیلیا لکڑوں کے ساتھ
 جن میں مجھ کو دیوانہ کو جانیکا کیا حاصل
 جنہیں بالوں کی چھانسی دیکھو ہر گز نہیں
 ہمارے درد کی دوا اگر کچھ ہو تو دارو ہے
 ہم نہ کرتے تم کو کست پھڑان فون معلوم کستیں
 سر پہ آیا مرے اس طو سے جلا کھ بس
 بلخ میں اتنا کرنا ہے پیش کش لا کھ بس
 ہم چھوٹے ایسے بے وقت میں آزاد کھ بس
 آج اس طرح کا دیکھا ہے پر زور کھ بس
 کس قدر پہلو کی چوب بند کھ پانی پر شمع
 دیکھ کر گل گئی کی صورت کو ڈرجاتی ہر شمع
 ہو گیا ناسور آخر سیرا دیرینہ کا داغ
 دیکھتے پھر جو دمے کب روشن محبت کا چرخ
 ہے مرا ہر داغ سینہ میں مصیبت کا چرخ
 سو بار پھٹ چکا یہ گریباں ہزار جیت
 خوش نہیں اتنا نظر کرنا غزالاں کی طرف
 دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف
 دل کھنچا جاتا ہے اس زلف پیشانی کی طرف
 ماہ بن اور کون ہو فور شیدہ تاباں کی طرف
 کہ پینا آب حیا شان انسان کو نہیں لاتی
 لگیو ای فافوس ایسی تیرے ہر ماہن کو آگ
 جی دکھتا ہو مبادا لگ اٹھو دامن کو آگ
 دکھا کر گل جنوں کو شہر پلانے کا کیا حاصل
 جو زخموں میں پھنسا دل اس کے غم کھا کا کیا حاصل
 یہ سب کچھ سن کر ساقی بات پنی جان کا کیا حاصل
 خد کی صحت میں پڑا آخر نہ آہوں کا دیال

اس تغافل ساتھ میرے سامنے سے درگزر
 ہاتھ لگتا گزربان مصر کو یہ آفتاب
 مے ہوئی آخر ہر تدریس غم کی ناتمام
 تیری آنکھوں میں نشہ دہش طبع ملا ہر جوش
 کروں کیونکر میں قید لطف و چھپنے کی تدریس
 ہمیں بھی بات کہ آتی ہو لیکن دل نہیں جگر
 یقین قبل ہاتھ آیا نہیں کچھ جی کے جانے
 چمن میں شاخ لہلہ جاتی ہر جیسے گل کے ہلنے کو
 زخم بن مجھ کو کچھ اس لاگے مقصود نہیں
 ہے اسی تیغ کے زنگار کا مرہم درکار
 کرتا ہو کوئی یار واس وقت میں تدریس
 تاواں ہو جی جی چھڑ صوت کی طرف جاو
 چہرے سحر کر مو لپٹے ہیں نقیص منہ پر
 کوئی دن اور کرنے دو جنہں مجھ کو ہال میں
 چمن کو چھ کلیاں ہے جیسو شاخ بہنیل کی
 بہاڑا تیری ہر دم کو کیلکے گا باخیاں دیکھیں
 آٹھا اس منہ کو باو صبا گھر گشت کی نعل کو
 نہ کر نعل مجھے مہاں مراد ہو اے عشق
 تو نے ہم پر چو جانی ہے سوند کو نہیں
 سیدنیسک میں تری عشق سی جوشاں ہر جل
 دین دینا کو مجھے کام سے کھوتا ہے نقیص

بے طبع پڑتا ہو حسرت کی نگاہوں کا وبال
 خواب ہو جاتا آنکھیں سے ماہ کنواں کا خیال
 کس سے دل خالی کریں اب چکا ملنا تمام
 ٹوٹے ہیں جس طبع پرست ہو غلے میں محرم
 پڑیں ہیں میرے ہر بخش میں جی شانہ بخیریں
 جیسے دھڑی ناص غموشی ساتھ تقریریں
 نہیں ہو دے گی ہم فرما دو سو بارہ چہریں
 لپک جاتا ہر دم لیتے نزاکت اس کو کہ تمہیں
 عشق بھیکا ہو اگر دروغ ملک سود نہیں
 اور کسی طبع مرے نغم کا بہرہ نہیں
 مڑتا ہے یہ دیوانہ اب مکمل دوز بخیریں
 لڑکوں کو کتابیں سے منظور ہیں تصویریں
 اوراق طلائی پر جوں کھینچی ہیں تحریریں
 بحث سیتو ہواں کو کیا رہا جو بگیاں میں
 ہو کر ہیں کس قندیل جہ اس لطف پریشان
 چمن میں بانہ منے پاویں گے آبشار کی گھٹیں
 توجہ سرتی ہم بھی ملک اک یہ گلستاں دیکھیں
 کہ میری آنکھیں آسوجاں ہیں آہ نہیں
 بس پہ ہم نے جو وفا کی ہے ستونہ نہیں
 کون ناسور ہے جمنش کا سحر نہیں
 چھوڑ دوں عشق نہ بانہ کہ مخدو نہیں

خدا کی بندگی کئے اُسے یا عاشق معشوقی دل
 سرسویں امتعات تعانی میں یا اسکے
 شیریں دہن بھی تن لگے بولنے یقیں
 وہ کون دل ہو جاں ہلوہ گردہ نور نہیں دل
 تھکے سفر کی خبر سن کے جان دھڑکوں سے
 کوئی بھی دیتا ہے لڑکوں کے ہاتھ شیشہ زل
 جس محبت میں نہیں ہو شور ہو وہ بے تک دل
 بن یقیں کے بلن میں جا کرتاں کہو ہیں سب
 شکوہ جفا کا یا رسے کرنا دفا نہیں دل
 اگر تم ہو عاشق دم نہ ماسے یا کو آگے دل
 گالی بھی پی گئے ہیں مایں بھی کھانیاں میں دل
 ایسا دراز دامن میں ہاتھ ان کے آیا
 حق کو یقیں کے آخر بربادست دیا رو
 قامت رعنا سے تیرے بس کفر ماتا ہو سرو دل
 تم ہمیں پامال یوں کرے ہو انجش قاتل
 کھڑے ہو روپ بن بنا کے رعنا ہو دل
 نہ لانا تمہارے گریہ کو شور پرے عشق
 خون انصاف سے اتنا بھی زباں تر نہ کرو دل
 باندھ کر مجھ پر کمر لطف نہیں غیر کا قتل
 کوئی یہ چاند سا منہ چھوڑ کر عاشق ہو شعلہ کا دل
 سائمت یقیں کا دل کیے غواں کا مسکن کج دل
 وہ نسبت ایک سے سوسو طرح تغیر کرتی ہیں
 بیگانگی سے اُس کی کوئی اُم شتا نہیں
 اب چھوڑوے نظارہ کچھ اس میں مزا نہیں
 اُس آفتاب کا کس ذرہ میں غم نہیں
 جو ہنپوں مرے کے نزدیک میں تو نہیں
 یقیں میں غم سے دیکھا تو کچھ شہر نہیں
 کیا مزا ہے عشق کرنے میں جو صوفی نہیں
 سیر گل سے جی نہیں لگتا وہ سودنی نہیں
 بندہ کو اعتدال صفا پر وہ نہیں
 کہ اُس کا جی غل جاتا ہو اُس کی ایک تلک میں
 کیا کیا تری جفا میں ہم نے اٹھائیاں ہیں
 بختوں کی عاشقوں کے کیا مار سائیاں ہیں
 تم نے سخن کی طرزیں اُس کی لائیاں ہیں
 دیکھ کر تجھ کو زین کے بیچ لڑ جاتا ہے سرو
 دیکھتے ہو قبر یوں کو سر پہ بٹھاتا ہے سرو
 جو یا رہدے سے غلے تو کیا ماما شاہو
 بڑی بلا تو نے چھٹی ہے دیکھئے کیا ہو
 لعل کو یاد کے ہونٹوں سے برابر نہ کرو
 اپنی بیداد کے مضمون کو مکر نہ کرو
 گذر آتش پرستی سے یہ پردے سو کہ دیکھو
 خدا جانے کہ کیا ہو اس مکر جانے کو بت چھپو

جتنا کہ خند میں اسے خالوند دیر کرو
 حنا کی طرح میں اپنا بھل کیا ہے غل
 خدا کرے کہ کہوں حق شباب ثابت ہو
 جو تو شراب پہنے کیونکہ دل کہا ہے ہو
 خنک گندے ہیں ایام عشق داغ بغیر
 دیوانے شہرے یہاں آکے جی پھیلاتے ہیں
 بتاں کی وجہ نہیں حسن خلق و دامن پاک
 یقیں تہل کا ہو جب بندہ ہے بد خلق
 شہر میں تھا نہ ترے حسن کا سا شہر کبھو
 فکر ہم کی مرے واسطے مست کرتا ہوں
 گو نہ کر دھو دھوا دے مجھے اس کا جواب
 اپنی بیدا کی سو گندہ ہے تجھ کو اور گ
 خواب میں کس طرح دیکھوں تجھ کو غواہی کرتا
 مسرت میں لیتے دغا کو شہر خواہ میں پیش
 بہلا آتی ہیں کیا طرہ دہریا بغل سج کہ
 ٹٹک الہو مجھ میں اے ہاشم مجھ سے
 یقیں راقون کو کر شہر زیندیں سب کی کھتا
 کچھ عمر نہیں باقی پیاسے و شباب آجا
 منہ اپنے کو گشت میں رہنے نہ دیا کرتا
 رودادہت کی مست پر پھینچیں مجھ سے
 عمر میں تو نے تو دیکھے ہیں بہت علم غلام

مری زباں پہ شکایت پست ولیہ کرو
 بتاں شہید کرو خواہ دستگیر کرو
 مست امتحان دفا میں یقیں کے دیر کرو
 لگے جب آگ کہاں تک یہ نہر قات ہو
 کہ سر دھوے ہو جس دن آفتاب دھو
 خدا کرے یہ خراب کبھی شراب نہ ہو
 وہ کیا نرا ہے جو عشق پر شراب نہ ہو
 جو ہووے کافر سے کس طرح عذاب ہو
 دل مہراں جس سے اتنا نہ تھا مہر کبھو
 خوب ہوتا نہیں اس عشق کا ناسور کبھو
 مجھ سے ملنا بھی جن ہے تجھے منظور کبھو
 تو نے دیکھا ہے یقیں سا کوئی زخو کبھو
 دل صبح آسائش کہاں ہوتی ہو چیلنے کو سلاہ
 کس قدم بے قدم ہے یہ جنس تالیابی کو سلاہ
 دل جن میں رہنے پاوے گا ہمارا آئینہ سج کہ
 کبھو کھائی میں تو نے اس مری کی آئینہ سج کہ
 یہ کس نے درو کو سیکھا ہے فریاد و غل سج کہ
 دل ڈوتا ہوں چھلک جاوے سیر بڑی بیاد
 یہ سبز تو ہے خلد کا ہے سبز بیگانہ
 کچھ خوب نہیں سنتا انہوں سے یہ افشاہ
 دل آتو اسے چرخ نمک اس دل ناساد کو دیکھ

کہاں تاثیر نالوں میں ہے ایسی محراب
 جب ہو عاشق عاشق دل بانی کیا کرے
 دل کی گری سے مجھ کو نصف آتا ہو نقیس
 کیا دل ہو اگر جلوہ گریار نہ ہو دے
 دل جل جو گیا خوب ہوا سوختہ بہت
 دوائے کس طرح نوح اٹھا دیں ہاتھ پٹکان
 یار کب دل کی جراحت پہ نظر کرتا ہے
 اپنی حیرانی کی ہم عرض کریں کس منہ سے
 عمر فریاد میں برباد کئی چھوڑ نہ ہوا
 جو سر پاؤں پہ لکھ دیکھ تو خوش ہو دیں سب ہم
 مرے اتنی بھی مدد ضعف کے اب چل نہیں سکتے
 خطا جو منہ صبر یار کیوں دیکھے رقیبوں کو
 اگر دیتے ہو دل کی داد بتنا اُس کا جی چاہا
 نہیں ملن کہیم کہہ کو جاویں چھوڑت خانہ
 جنیں کوئی نہ دشتا م اُس کی ہم تک یاد آو
 پتے پتھر الٹی اس محبت پر کہ ہوئے کس
 دیا رتن میں تو خوش ہوا پر یہ ٹری مشکل
 مناسب میں ہو شکوہ جو کا ان خوب دیوں
 زیں پر جس طرح گرتا ہے سایہ سرور عفا کا
 نہیں ہونے کبھو احباب کی خاطر ملوں اس
 معاوضہ میں وفا کے جو یہ جھا ہو دے
 حبث صیاد کو تا خوش ہو کیوں کہنا بس چپے
 بندگی سے جس نے غم کی ہو مدافنی کیا کرے
 دیکھئے مجھ سا غم خواب کی جدائی کیا کرے
 ہے طور سے کیا کام جو دیدار نہ ہو دے
 وہ جنس کوئی جس کا خریدار نہ ہو دے
 کہے کشت جنوں سیر بان کر نگ بدلان
 کون اُس کو چہ میں جزیرہ گد کرتا ہے
 کب وہ آئینہ پہ مغرور نظر کرتا ہے
 نالہ مشہور غلام ہے کہ اڑ کر کرتا ہے
 ولین باغ ہو سکتی ہے یہ جرات کہاں ہم سے
 کیا اے عشق مجھ کو بے ایسا ماتواں تو
 ہمارے ہم سے پوچھو کو کہیں کی کو کہن جانے
 تو کہنے دو اُسے فریاد بتنا اُس کا جی چاہا
 کرے دعا خطا میں ارشاد بتنا اُس کا جی چاہا
 گیا ہے اب اس کو دیکھنے کب تک خدا کو
 مرے فریاد اور پردہ و شیریں کو اٹھا لاو
 کہٹ جاتا ہو دہل جو کا مددواں حسن و فالاک
 یقین کوئی بڑی باتوں کو اچھے منہ پہ کیا لاو
 تری قامت کے آگے فرش ہو جاتی ہو عفا
 خدا شاہ مجھ کی یہ مصاحب ہے یہ تنہائی
 کبھو کسو سے کوئی کیونکر آشتا ہو دے

اگر خیر میں یاد کر نہیں سکتا
 یقین ہو مجھے قطرے سر آشک کے معلوم
 خبر کیا پچھنے برفِ قفس سے آشیانے کی
 گئے کچھ کس شریعہ میں اور پروازِ اول میں
 مہاجراتِ اول مت اتنا بھی کس کربانہ بالوں
 زنجیر میں بالوں کے پھنس جلنے کو کیا کر
 دل چھوڑ گیا ہم کو دل سے توقع کیا
 دکھ تو دیتا ہے کہوں کچھ کو بھی چارِ قفس
 منت کب نہ کرتی تھے مگر قتاری مجھے
 کب ہوس ہو مجھ کو رسوائی کی لیکن کیا کر
 کیا لگا لیتا ہے غباں کو قفس کی تری نشا
 جس کو منظور ہو جینا اسے مرنا ہو غضب
 بے قزاقی کب ٹھہرنے دیکھو مجھ کو بے تیغ
 ستم تو قید کرنا اس طرح کے مرغِ نادان کو
 کرنے ہیں اپنے ہاں دکھا بتلا مجھے
 جو رو جفا میں یا رہت ہو گیا بیسہ
 خدا مجھے ترے داعیوں سے لازمِ ذکر ہے
 قیامت آپ پر اس قدر لایچکے ہم تو
 اس سستی پوش سے آغوشِ نکلیں کیجئے
 حکما و کرم سے کھا دیں تابِ سرکِ طرح
 یہ دل ملک ہو غباں کا کون اس کو بھیجئے

کبھو بڑی ہمیں کہ ترا بھلا ہووے
 نہ اٹھ سکے کوئی جو آگے سے گرہو وے
 اسیر دل کو توقع کبھی گلشن میں سجا کی
 ندی فرصت زمانے ہمیں حرمیں سجا کی
 ملک دھلی تو کر دے جلنِ خیریں دھلی کی
 کیا کیا کیا یہ دل نے دیوانے کو کہا کھڑ
 اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانے کو کیا کہئے
 باغیاں ایک اجارے لوں گلستانِ قفس
 جی ہی سے چھوڑے گی آخر کو یہ بیاری بچے
 کیجئے کر لاتی ہے اس کو جہیں ناچاری بچے
 آئینہ کی سادہ لہری ساتھ پرکاری بچے
 ہے دم پاک یہ محارم شمشیر مجھے
 مانا سیاب کا شکل ہے قال کیا کرے
 کہ جو مارے بھلائی کے قفس کو آشیان بچے
 اس پیچ سے بتاں کے بھالے خدا مجھے
 کرتے تو کی یہ راست نہ آئی و خدا مجھے
 یہ غارِ خشک مگر آگ سے بہا کر کے
 کہاں تلک کوئی محشر کا انتظار کرے
 جی میں چراگِ مصرعِ موزوں کو قفسیں کیجئے
 خدا کسی کے تئیں اتنا خوش کمر نہ کہے
 نعل میں کون مالِ بادشاہی کو بد کہے

جھ کیا جوتی ہنسی کی شامت سے جو توڑا ہ	کہاں تاک ٹیلا سے تو وہ سواک نہ جاؤ
اگرچہ مشتق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے	دل مزا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے
یہ کون دھبے بجن خاک میں ملائے گا	کسو کا دل کبھو پاؤں تلے ملا بھی ہے
قیس کا شور جنوں سن کے یار نے پوچھا	کوئی قبیلا مجھوں میں کیا رہا بھی ہے
غش آئی تھی مجھ کو یہ بات اُس مجنونِ عراقی	دل کیا کیجے کہاں تک چاک گذری ہم گریبان سے
نہیں سدا جام سے بن کچھ ہمارا خونہاساتی	دل اس آپ زندگی سے پیڑیاؤں کو جلا ساتی
ہم اک تو رحم کراے مرگ ہو کی تمنا میں	ہماری جان کو روٹی میں یہ ابرو ہوا ساتی
دفا کا کیا قیامت ہے کوئی بولا جفا دیو سے	دل تر تم ان بتوں کو اپنی بندہ دل پر جفا دیو سے
نہیں پرواز قسمت میں میری اڑا	دل خفا ہو زندگی سے مر گیا ہوں لیک ڈھاتا ہوں
مبادا ستر محل کو خواب راحت چٹکا دیو سے	دل محبت کا جو تانا بوجب آداس میں اُس کے
کہ جوں جوں یار دیو کا لیاں عاشق و عادیو	دل مدد سے قسمت ان ہاتھوں سے کچھ کام بھی
ہم آخر ہوں گود ہنگی اس چاک گریبان کے	دل رگڑنا ہے سر اپنا پشت پاتھل تیرے
گریبان بھائیو اس پر کیا طلع میں دال کے	دل ہم اک انصاف کر کرتا ہوتی بھی جاکوئی
کھوڑ مندل کھینچ مانتے پر کیا ہے قل عام	دل یہ تیغ ابرو کو دیا ہر سنگ دیکھا چاہتے

۲۔ پیکرنگ

یہ نگار تھیں مصطفیٰ قلی خاں نام، متوطن شاہ جہان آباد کے۔ نواسوں میں خاتمان خاں لودھی کے گھر صاحبزادہ نجم الدین آبرو کے تھے منصب بدلوں میں محمد شاہ بادشاہ، اور شہرہ اتفاق ساتھ عزت ماہ کے مشہور مشنوں میں شاہ جہاں آباد کے، اور معروف ہاں آوروں میں اس محبت بنیاد کے تھے۔ طبع اکی گویا ہی کا پیر و قدما کی گفتگو کے ہے، اور طرز کلام کی رویت پر مضمون و آبرو کو جو، لیکن از بسکہ شیعہ سابق باران حال کے غیر غریب ہے، تو آہنگ قدیم سے خرافات دماغ کو ہے۔ بدو شاہ جہاں آباد میں انہوں جس سرگ فانی سے سفر کراہد لوں پر اچھا ہے دماغ خواں کا دیا۔ یہ اشعار پر مبنی و خوش بیان ان کے منتخب دیوان ہیں۔

دل	مجھے مست ہو چھپا رہے اپنا گھر	دل	کوئی دشمن ہوا ہے اپنی جاں کا
دل	میں دوش بہاں سر تیرے ہوں کا دنیا	دل	کیونکر کہوں کہ تجھے بہت ہے آفتاب
دل	سچ کہے جو کوئی تو مارا جائے	دل	راستے ہیں گھر کی صورت
دل	مجھ کو معلوم ہوں ہوا گل سے	دل	بچھل جائیں اُس سے دو تہند
دل	کیوں بچھو تم کو دشمن ہمارے اس قدر	دل	دوست کا دشمن کوئی ہوتا ہیسا کر قدر
دل	نہیں چاہئے سر شاہ کے پاس	دل	تری آنکھوں سے کیونکر دل چاہو
دل	نہ تھا ہوں اس سبب ہر بابیں	دل	تا مٹھے تیرے لگوں اے یاریں
دل	اُس پہری بیکر گشت انسان بوجھ	دل	شک میں کیوں پڑتا ہر دو جان بوجھ
دل	کیا جانے وصل ترا ہو کے نصیب	دل	ہم تو ترے فراق میں ایسا مر چلے
دل	رونی اسلام تیرے دوست سے ہے	دل	کفر کا رشتہ ترے گیسو سے ہے
دل	بے قراروں کے تئیں آرام دل	دل	اے مرے پکار رہے پہلو سر ہے
دل	جہان سے تری اے صندلی رنگ	دل	مجھے یہ زندگانی درد ہے
دل	ہوا معلوم یہ غنچہ سے ہم کو	دل	جو کوئی زردار ہے سو تنگل ہے
دل	نہیں چھڑیں یہی سزا زلف تری اپنی مروڑ	دل	باوجودیکہ کمال ان میں پریشانی ہے
دل	اب تو سخن ہیں کو تباہی تئیں سے ہے	دل	ہم سب طرف سوں یا رہتا رہی گلے پڑے
دل	یک دمک پاس آفرین کچھ نہیں بساط	دل	لکھتا ہے یہ دو عین کہو تو نظر کرے
دل	زخمی برنگ گل میں شیبہ ان کر بلا	دل	گلزار کی منظر ہے بیابان کر بلا
دل	کھانے چلا ہے زخم تم شامیوں کے ہاتھ	دل	دھو ہاتھ زندگی سستی مہمان کر بلا
دل	ندمیتے جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ	دل	ہے سر پریدہ شمع شبستان کر بلا
<p>بحر اللہ تعالیٰ کتاب تذکرۃ الشعراء من تالیف مرد علی خاں لطف مخلص بتاریخ بہشت و ششم مابین الثانی ۱۲۳۵ ہجری روز جمعہ ہمد سہ پاس روز گذشتہ بہ تمام رسید</p>			

اشتراک کتب جدید

مقدمہ ذیل کتب ہر فن فروخت ہمارے پاس موجود ہیں
ہندوہ ویلیو پے ڈیل پارسل یا نقد قیمت بھیجنے پر مل سکتی ہیں

۱۔ القرطبی مصنفہ شمس العلماء لٹنٹا مویشلی نمائی۔ اس کتاب کا پہلا اوٹیشن ختم ہو چکا ہے۔ یہ دوسرا اوٹیشن ہے قیمت
۲۔ علم الکلام حصہ دوم۔ مصنفہ شمس العلماء لٹنٹا مویشلی نمائی۔ حصہ اول سب ایک چک ہے اس کی
کوئی جلد باقی نہیں۔ حصہ دوم کی صرف چند جلدیں باقی ہیں۔ قیمت ۴۰۰

۳۔ تاریخ دکن۔ جلد اول قیمت ۳۰

۴۔ تاریخ دکن۔ جلد دوم۔ قیمت ۳۰

۵۔ تاریخ دکن۔ جلد سوم۔ قیمت ۳۰

۶۔ سفرنامہ تہینو۔ قیمت ۴۰

۷۔ سفرنامہ پورنر۔ قیمت ۶۰

۸۔ نظام الکبریٰ۔ قیمت ۳۰

۹۔ تمدن عرب۔ شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی کی مشہور کتاب قیمت سابق

قیمت مال مستہ

۱۰۔ حیات جاوید قسم دوم مطبوعہ کان پور قیمت ۳۰

۱۱۔ دربار اکبری۔ مصنفہ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد قیمت ۳۰

مصول ڈاک ہر حال میں ذمہ خریدار ہوگا

المشتراک

عبداللہ خاں، کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد دکن

**UNIVERSITY OF HYDERABAD
LIBRARY
HYDERABAD (A. P.)**

- 1 Books / Journals should be returned on the due date
2. Borrowers are responsible for every book / journal taken by them and will be expected to pay for any book / journal damaged, defaced or lost.

Help to keep the book fresh and clean

